محدثین کی شروط و مناہج

مؤلف

مولانا عبد اللہ اسلم لاہوری

تلمیذ

محقق العصر حضرت مولانا عبد الحلیم چشتی رحمہ اللہ

شعبہ نشر و اشاعت

عصر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب:	محدثین کی شروط و مناہج
مؤلف:	مولانا عبد اللہ اسلم لاہوری
کمپوزنگ:	مولانا تنویر الحق چترالی صاحب
اشاعتِ اول:	دسمبر ۲۰۲۴ء
ناشر:	عصر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

عصر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

☎ +92 300 1177 719 +92 306 6595755

✉ Syedheshammagrabi@gmail.com

(Z) 0208 0102002917

(S) 0208 0102002885

Asr Education & Welfare

Meezan Bank Limted Dha IV Branch

E-1/A شفاء لین، گلی نمبر ۶، کیولری گراؤنڈ۔ لاہور

ملنے کے پتے:	مکتبہ رحمانیہ لاہور	مکتبہ سید احمد شہید لاہور	ادارۃ النور کراچی	مکتبہ عزیزیہ کراچی

فہرست

پیش لفظ **۲۶**

مقدمہ **۲۸**

منہج کا لغوی واصطلاحی معنی: ۳۰

شرط کا لغوی معنی: ۳۱

محدثین کی شروط سے مراد: ۳۲

مناہجِ محدثین اور شروط محدثین میں فرق: ۳۳

غرض کا لغوی معنی: ۳۴

محدثین کی اغراض: ۳۴

محدثین کے مناہج کی انواع: ۳۴

۱۔عام محدثین کے مناہج: ۳۴

۲۔خاص محدثین کے مناہج: ۳۴

۱۔استفادہ میں سہولت: ۳۵

۲۔تخریجِ حدیث میں مدد: ۳۵

۳۔حدیث کا رتبہ معلوم کرنے میں سہولت: ۳۵

۴۔طرق تحمل واداء معلوم کرنے میں سہولت: ۳۶

۵۔راجح ومرجوح اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ جاننے میں مدد: ۳۶

۶۔حفاظت حدیث پر اطمینان قلبی کا حصول: ۳۷

۷۔محدثین کی محبت اور قدر ومنزلت میں اضافہ: ۳۷

۸۔محدثین کے طریقہ کار پر اشکالات کا دفعیہ: ۳۷

۹۔ مخطوطات کی تحقیق میں مدد: ۳۷
۱۰۔ علمی اور منہجی فکر کی تربیت: ۳۸
۱۱۔ ائمہ کی شروط اور ان کے مراتب کی معرفت: ۳۸
مناہج وشروط محدثین معلوم کرنے کے ذرائع ۳۹
۱۔ مؤلف کی تصریح: ۳۹
پہلی صورت: ۳۹
دوسری صورت: ۳۹
۲۔ کتاب کا نام: ۴۰
۳۔ کتاب کی جانچ پرکھ: ۴۰
مناہجِ محدثین کے موضوع پر مرتب کتب ۴۱
(۱) شروطِ ائمہ پر متقدمین کی لکھی گئی کتب: ۴۱
(۲) کتبِ حدیث وشروحِ حدیث کے مقدمات: ۴۲
(۳) اصولِ حدیث پر لکھی گئی کتب کے ضمن میں مناہجِ ائمہ پر گفتگو: ۴۲
موجودہ دور میں مناہج محدثین پر لکھی گئی کتب: ۴۲
کسی مخصوص محدث کے منہج پر مشتمل کتب: ۴۵
وہ کتب جو کسی ایک محدث کے منہج کو بیان کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں، ۴۵
"منهج صحيح البخاري" سے متعلقہ کتب: ۴۶
تراجم ابواب میں امام بخاری کے منہج پر کتب: ۴۶
تعلیقات صحیح بخاری کے منہج پر کتب: ۴۸
صحیح مسلم کے منہج سے متعلقہ کتب: ۴۹

سنن ابی داود کے منہج سے متعلقہ کتب: ۵۰
سنن نسائی کے منہج سے متعلقہ کتب: ۵۱
سنن ترمذی کے منہج سے متعلقہ کتب: ۵۱
سنن ابن ماجہ کے منہج سے متعلقہ کتب: ۵۲
موطأ امام مالک کے منہج سے متعلقہ کتب: ۵۳
شرح معانی الآثار للطحاوی کے منہج سے متعلقہ کتب: ۵۳
اردو زبان میں مناہج محدثین سے متعلقہ چند کتب: ۵۳

باب اول

شیخین رحمہما اللہ کی شروط ۵۶
اجماع محدثین سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد: ۵۷
راوی اور مروی عنہ میں ملاقات کی شرط یا معاصرت پر اکتفاء: ۵۸
صحیح بخاری کے نام سے شرط بخاری کی تعیین: ۵۹
۱۔ کتاب کا جامع ہونا: ۵۹
۲۔ مسند احادیث کے جمع کا اہتمام: ۶۰
صحیح مسلم کے نام سے شرط مسلم کی تعیین: ۶۱
صحت حدیث وغیرہ کے علاوہ شیخین کی امتیازی شروط کی تعیین: ۶۲
صحت حدیث کے اعتبار سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ تقسیم: ۶۳
صحت حدیث کے علاوہ شیخین رحمہما اللہ کے ہاں اضافی شرط نہ ہونے کے قائلین: ۶۵
شرط شیخین رحمہما اللہ کی تعیین میں محدثین کے اقوال: ۶۶

۱۔حافظ محمد بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے: ۶۶

۲۔حافظ ابو بکر محمد بن موسی حازمی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے: ۶۶

۳۔علامہ نووی، حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر، ابن دقیق العید رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے: ۶۷

۴۔حافظ ابو عبد اللہ الحاکم اور علامہ بیہقی رحمہما اللہ کی رائے: ۶۷

حافظ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ شرط کا جائزہ: ۶۷

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی تردید: ۶۸

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا جواب: ۶۹

۵۔ابو حفص میانجی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے: ۶۹

حافظ ابو بکر حازمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ شرط کا جائزہ: ۷۰

ان کے ذکر کردہ طبقات مندرجہ ذیل ہیں: ۷۱

پھر ان طبقات کی امثلہ ذکر کر کے لکھتے ہیں: ۷۲

پھر آگے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ۷۲

حافظ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کا حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ شرط پر اشکال: ۷۳

ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری اور علامہ بیہقی رحمہما اللہ کی رائے: ۷۴

حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کی غلط فہمی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت: ۷۶

کالشہادۃ علی الشہادۃ والی بات کا جواب: ۷۷

صحابی کے لئے بھی دو رواۃ کی شرط پر تبصرہ: ۷۹

صحیحین میں طبقہ صحابہ کے بعد رواۃ وحدان کا وجود: ۸۱

حافظ ابن صلاح، علامہ نووی، ابن دقیق العید، علامہ ذہبی، حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے کا جائزہ: ۸۳

کیا حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شیخین کی شرط واقعی ان کی رواۃ تھے؟ ۸۴

طلب حدیث میں شہرت کی شرط: ۸۶

شیخین رحمہما اللہ کا متعین رواۃ سے روایت لینے میں راوی اور مروی عنہ کے مابین روایت کی کیفیت کا لحاظ: ۸۸

قسم اوّل: ۹۰

قسم ثانی: ۹۱

جمع و تطبیق: ۹۲

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ: ۹۳

۱۔ شروط عمومیۃ مصرحّہ: ۹۳

۲۔ شروط امتیازیۃ استقرائیہ: ۹۳

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ: ۹۳

۱۔ شرائط عمومیۃ مصرّحہ: ۹۳

شروط امتیازیۃ استقرائیہ: ۹۴

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط ۹۵

صحیح روایات کے جمع کا اہتمام: ۹۶

کیا «سنن نسائی» بخاری و مسلم کی طرح صرف صحیح روایات پر مشتمل ہے؟ ۹۷

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کا قول فیصل: ۹۸

"سنن النسائي" وغیرہ کی احادیث کی تین اقسام: ۹۸

متکلم فیہ رواۃ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے احادیث لانے کے اسباب: ۹۹

پہلے طبقہ میں: ۱۰۰

دوسرے طبقہ میں: ۱۰۰

تیسرے طبقہ میں: ۱۰۰

چوتھے طبقہ میں: ۱۰۰

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ: ۱۰۲

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی شرط ۱۰۳

اب صالح سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی کیا مراد ہے، صالح للاحتجاج یا صالح للاعتبار؟. ۱۰۵

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ: ۱۰۵

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط ۱۰۶

کتاب کے نام سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کی تعیین: ۱۰۶

اس نام سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے چند اہداف: ۱۰۶

احادیث سنن ترمذی کی چار اقسام: ۱۰۶

معمول بہا روایات میں سے شدید ضعیف کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل:

..... ۱۰۷

حاصل کلام: ۱۰۹

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ: ۱۰۹

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی شرط ۱۱۱

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ: ۱۱۳

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شرط ۱۱۴

۱۔ رواۃ کا ثقہ ہونا: ۱۱۴

۲۔ رواۃ کی طلب حدیث میں شہرت اور احادیث کی فہم کا لحاظ: ۱۱۵

۳۔ غریب روایات سے اجتناب: ۱۱۶

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ: ۱۱۷

شرح معانی الآثار میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط ۱۱۸

کتاب کے نام سے شرط کی تعیین: ۱۱۸

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط میں ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا جائزہ: ۱۱۸

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ پر فن حدیث سے ناواقفیت کے الزام کی حقیقت: ۱۱۹

شرط طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام: ۱۲۱

مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے فیصلہ کن بات: ۱۲۲

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ: ۱۲۲

باب دوم

تالیف کتب سے محدثین کی اغراض ومقاصد

غرض کا لغوی واصطلاحی معنی: ۱۲۴

محدثین کی اغراض سے مراد: ۱۲۴

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ۱۲۵

۱۔ صحیح اور مرفوع روایات کا جمع کرنا۔ ۱۲۵

۲۔ احادیث سے فقہی مسائل کا استنباط: ۱۲۵

فرق باطلہ کی تردید: ۱۲۶

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ۱۲۷

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ۱۲۹

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ۱۳۰

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ۱۳۱

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ۱۳۲

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ۱۳۳

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ۱۳۴

کتب محدثین کے فوائد واغراض پر ایک جامع تبصرہ: ۱۳۴

بعض دیگر حضرات کا کلام: ۱۳۵

باب سوم

احادیث معلّقہ لانے میں محدثین کے مناہج

معلق احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۱۳۸

روایات موصولہ کو معلق لانے کی وجہ: ۱۳۸

تعلیقات صحیحین کا شیخین کی شرط پر ہونا ضروری نہیں: ۱۳۹

صیغہ جزم اور تمریض کے اعتبار سے معلّقات صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تقسیم: ۱۳۹

۱۔ تعلیق جازم: ۱۳۹

۲۔ تعلیق ممرّض: ۱۴۰

تعلیق جازم کی اقسام: ۱۴۰

تعلیق ممرض کا حکم: ۱۴۱

صحیح روایات میں صیغہ تمریض لانے کی وجوہات: ۱۴۲

صیغہ تمریض سے مذکورہ ضعیف تعلیقات کی اقسام: ۱۴۳

حاصل کلام: ۱۴۴

موقوف راویات کی تعلیقات کا حکم: ۱۴۵

وہ تعلیقات جن کی نسبت ان کے قائل کی طرف نہیں کی گئی: ۱۴۵

معلق احادیث میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۱۴۶

مرسل روایات کے لانے میں شیخین رحمہما اللہ کا منہج ۱۴۷

صحیحین میں مرسل روایات کے موجود ہونے کی وجہ: ۱۴۷

صحیحین میں موجود مرسل روایات کی مقدار: ۱۵۰

غیر موصول روایات میں ارباب سنن اربعہ کا منہج ۱۵۱

مرسل و منقطع روایات میں امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۱۵۳

سنن ابی داؤد میں مراسیل کی مقدار: ۱۵۴

مرسل و منقطع روایات میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۱۵۶

مرسل و منقطع روایات میں امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۱۵۷

بلاغات و مرسل روایات میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۱۵۸

متقدمین کی کتب میں مرسلات و بلاغات کے پائے جانے کی وجہ: ۱۵۸

«موطأ» مالک کی بلاغات و مرسلات کا حکم ۱۶۰

موطأ مالک میں بلاغات لانے کی وجوہات: ۱۶۲

بلاغات «موطأ» کی مختلف صورتیں: ۱۶۶

مرسل و منقطع روایات میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۱۶۸

حدیث کے متعدد طرق کے بیان اور ان کے اختصار میں محدثین کا منہج ۱۶۹

۱۔ شیوخ کا بذریعہ عطف جمع کرنا: ۱۶۹

۲۔ تحویل اسناد: ۱۷۰

حاء تحویل کے استعمال کی مختلف صورتیں: ۱۷۱

احادیث کی تصحیح و تعلیل میں محدثین کے مناہج ۱۷۲

احادیث کی تصحیح و تعلیل میں شیخین رحمہما اللہ کا منہج: ۱۷۲

صحیحین میں معلول روایات کا وجود: ۱۷۲

صحیحین کی احادیث منتقدہ اور منکرین حدیث: ۱۷۴

احادیث منتقدہ کے ذکر کرنے میں شیخین کے منہج سے متعلق چند سوالات: ۱۷۶

شیخین کی جانب سے "صحیحین" کی روایات پر حکم کی تصریح: ۱۷۶

"صحیحین" کی روایات منتقدہ کے ناقدین اور مدافعین: ۱۷۹

احادیث صحیحین پر تبعاً نقد کرنے والے محدثین: ۱۸۲

صحیحین کی احادیث منتقدہ کے مدافعین: ۱۸۲

حافظ ابن صلاح کے چار اصولی جوابات: ۱۸۵

۱۔ تصحیح و تضعیف کا اجتہادی امر ہونا: ۱۸۵

۲۔ متابعات اور شواہد میں ذکر کرنا: ۱۸۷

۳۔ اختلاط وغیرہ ضعف کا روایت لینے کے بعد طاری ہونا۔ ۱۸۸

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات: ۱۹۱

۱۔ احادیث منتقدۃ پر جوابات: ۱۹۱

۲۔ سند کے بعض رجال میں تبدیلی کی وجہ سے اختلاف: ۱۹۳

۳۔ بعض رواۃ کا کسی زیادۃ میں اپنے سے احفظ یا عدد میں زیادہ کے مقابلے میں متفرد ہونا: ۱۹۳

۴۔ کسی ضعیف راوی کا متفرد ہونا: ۱۹۴

۵۔ راوی کو وہم لاحق ہونا: ۱۹۴

متن کے الفاظ میں تبدیلی: ۱۹۴

متکلم فیہ رواۃ پر نقد کا جواب: ۱۹۴

۲۔ مخالفت ۱۹۶

۳۔ انقطاع ۱۹۶

راوی کا بدعتی ہونا: ۱۹۶

بدعت کی اقسام اور محدثین کے ہاں مبتدع کی روایت کا حکم: ۱۹۷

بدعت مکفرہ: ۱۹۷

بدعت مفسقہ: ۱۹۸

۱۔ مطلقا مقبول ۱۹۸

۲۔ مطلقا مردود ۱۹۸

۳۔ مبتدع کی روایت کے قبول میں تفصیل: ۱۹۹

تفصیل کے قائلین کے اقوال: ۱۹۹

حاصل کلام: ۲۰۱

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی مبتدعین کی روایات کو قبول کرنے کی وجوہات: ۲۰۱

راوی کا مجہول ہونا: ۲۰۲

تو گویا مجہول کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ ۲۰۲

مجہول العین کی تعریف: ۲۰۲

۲۔ مجہول الحال ۲۰۴

بعض مزید جوابات: ۲۰۵

حاصل بحث: ۲۰۶

احادیث کی تصحیح و تعلیل میں امام نسائی رحمہ اللہ کا منہج ۲۰۷

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا سکوت: ۲۰۷

سنن نسائی کے مجہول رواۃ: ۲۰۸

احادیث کی تصحیح وتعلیل میں امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۲۱۱

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے سکوت کا حکم: ۲۱۱

قول ثانی: ۲۱۲

قول ثالث: ۲۱۴

"سنن أبی داود کے احادیث کے مراتب: ۲۱۵

حاصل کلام: ۲۱۷

مسکوت عنہا روایات میں شدید ضعیف روایات کا وجود: ۲۱۸

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے سکوت پر علامہ منذری وابن القیم رحمہما اللہ کا سکوت: ۲۱۸

امام ابوداؤ رحمۃ اللہ علیہ کے سکوت کی وجوہات: ۲۱۹

احادیث کی تصحیح وتعلیل میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۲۲۲

احادیث کی تصحیح وتعلیل میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی اہمیت: ۲۲۲

حدیث کی تصحیح وتعلیل میں متساہل ہونے کا الزام اور اس کا جواب: ۲۲۲

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تحکیم کے مختلف ہونے کے اسباب: ۲۲۴

(۱) جامع الترمذی کے نسخوں میں اختلاف: ۲۲۵

(۲) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاحات سے عدم واقفیت: ۲۲۵

(۳) راوی حدیث یا روایت کے حکم میں اجتہادی اختلاف: ۲۲۵

حاصل کلام: ۲۲۶

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اصطلاح "حسن" کی مراد: ۲۲۶

متہم بالکذب نہ ہونے کی وضاحت: ۲۲۷

عدم شذوذ کی وضاحت: ۲۲۸

تعدد طرق کی وضاحت: ۲۲۹

"حسن صحیح" کی اصطلاح سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد: ۲۳۰

۱. تعدد اسانید پر محمول: ۲۳۰

اشکال: ۲۳۱

۲. معنی لغوی پر محمول۔ ۲۳۱

اشکال: ۲۳۲

۳. حدیث حسن اور صحیح میں عموم خصوص مطلق نسبت: ۲۳۲

اشکال: ۲۳۳

۴. حسن صحیح کا حدیث صحیح اور حسن کے مابین کا ایک درجہ ہونا۔ ۲۳۳

اشکال: ۲۳۴

۵. بعض کے نزدیک حسن اور بعض کے نزدیک صحیح: ۲۳۴

اشکال: ۲۳۴

۶. حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا جواب: ۲۳۵

تبصرہ: ۲۳۵

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی خاص اصطلاح میں بولا جانے والا لفظ "حسن" اصطلاحی لفظ "صحیح" کا منافی نہ ہونا: ۲۳۵

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث غریب کا تصور: ۲۳۷

(۱) غریب سنداً ومتناً: ۲۳۸

(۲)غریب متنا لاسندا: ۲۳۸

(۳)غریب سندا لامتنا: ۲۳۹

(۴)غریب بعض السند فقط: ۲۳۹

(۵)غریب بعض المتن فقط: ۲۴۰

حسن غریب سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد: ۲۴۰

۱-ابن سید الناس کا جواب: ۲۴۱

۲-انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا جواب: ۲۴۱

اشکال: ۲۴۱

۳-حافظ ابن حجر، بقاعی، سخاوی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کا جواب: ۲۴۲

اشکال: ۲۴۲

بعض دیگر اجوبہ: ۲۴۲

مذکورہ جوابات پر وارد اشکالات: ۲۴۳

ایک عمدہ جواب: ۲۴۳

ایک اشکال اور اس کا جواب: ۲۴۴

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا "موطا" میں حدیث کی تصحیح وتعلیل کا منہج ۲۴۵

احادیث کی تصحیح وتعلیل میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۲۴۶

۱: تصحیح احادیث میں جمہور محدثین کی موافقت: ۲۴۶

۲: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث کی تصحیح میں دیگر ائمہ پر اعتماد کرنا: ۲۴۷

۳: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا متعدد احادیث پر یکجا صحت کا حکم لگانا: ۲۴۷

حدیث کی تعلیل میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۴۷

راوی کے ضعف اور جہالت کی بناء پر روایت کی تعلیل:..... ۲۴۸

راوی کی اپنی ہی بیان کردہ روایت سے عدم معرفت کی بنیاد پر ضعف کا حکم لگانا:. ۲۴۸

راوی کا اختصار روایت میں خطاء کرنا:..... ۲۴۸

حدیث قرآن پاک یا سنت مشہورہ کے معارض ہو:..... ۲۴۹

باب چہارم

احادیث کی ترتیب میں محدثین کے مناہج

ترتیب احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:..... ۲۵۲

علو سند کی بناء پر تقدیم:..... ۲۵۳

ترتیب احادیث میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:..... ۲۵۳

ترتیب احادیث میں ارباب سنن اربعہ کا منہج:..... ۲۵۶

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترتیب احادیث میں منہج:..... ۲۵۸

موقوف اور مقطوع روایات میں محدثین کا منہج ۲۶۰

آثار صحابہ و تابعین پر مشتمل کتب پر ایک اجمالی نظر ۲۶۲

آثار صحابہ و تابعین پر مشتمل کتب کی اقسام:..... ۲۶۲

آثار مسندہ پر مشتمل کتب کی اقسام:..... ۲۶۲

آثار صحابہ و تابعین پر مشتمل ائمہ مذاہب کی کتب:..... ۲۶۲

مصنّفات اور کتب الآثار:..... ۲۶۲

حافظ ابن منذر نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ (ت ۳۱۸ھ) کی کتب:..... ۲۶۳

آثار پر مشتمل کتب سنن:..... ۲۶۵

آثار پر مشتمل تفاسیر:..... ۲۶۵

آثار مسندہ پر مشتمل کتب الاختلاف اور دیگر کتب: ۲۶۵

آثار غیر مسندہ پر مشتمل کتب: ۲۶۶

آثار صحابہ پر موجودہ دور کے مؤلفین کی کتب: ۲۶۶

آثار موقوفہ کے ذکر کرنے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۲۶۸

موقوف روایات میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۲۶۹

موقوف روایات میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۲۷۱

موقوف روایات میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۲۷۳

موقوف روایات میں امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۲۷۴

موقوف روایات میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۲۷۵

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اہل مدینہ کے اجتماعی تعامل کی حیثیت: ۲۷۸

موقوف روایات میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج ۲۸۰

تکرار، اختصار اور تقطیع حدیث میں محدثین کے مناہج ۲۸۲

تکرار حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۸۳

۱۔ حدیث کو حد غرابت سے نکالنا: ۲۸۴

۲۔ حدیث کے مختلف معانی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مختلف اسانید سے لانا: .. ۲۸۴

۳۔ احادیث کا مکمل اور مختصر مختلف طرح سے مروی ہونا: ۲۸۵

۴۔ احادیث کا مختلف الفاظ پر مشتمل ہونا: ۲۸۵

۵۔ وصل وارسال یا رفع ووقف میں تعارض ہونا: ۲۸۶

۶۔ سند میں رواۃ کی تعداد میں فرق ہونا: ۲۸۶

۷۔ حدیث معنعن میں سماع کی تصریح: ۲۸۷

تقطیع حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۸۷

اختصار حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۸۹

تکرار حدیث میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۹۰

حدیث کی تقطیع اور اختصار میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۹۲

تکرار حدیث میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۹۴

حدیث کی تقطیع اور اختصار میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۹۶

تکرار حدیث میں امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۹۶

تقطیع اور اختصار حدیث میں امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۹۷

تکرار حدیث میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۹۸

تقطیع اور اختصار حدیث میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۹۸

تکرار، اختصار اور تقطیع حدیث میں امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۲۹۹

تکرار، اختصار اور تقطیع حدیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۳۰۰

تکرار، اختصار اور تقطیع حدیث میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج: ۳۰۲

تراجم ابواب میں امام بخاریؒ کا منہج ۳۰۳

۱- تراجم ظاہرہ: ۳۰۴

۲- تراجم خفیہ: ۳۰۴

۳- تراجم مرسلہ: ۳۰۴

تراجم ظاہرہ میں امام بخاریؒ کا منہج: ۳۰۵

مثال: ۳۰۵

تراجم خفیہ: ۳۰۷

تراجم مرسلہ: ۳۰۹

تراجم ابواب میں امام بخاریؒ کے منہج کا خلاصہ:.....۳۰۹

استدلال کی مذکورہ انواع کا خلاصہ:.....۳۰۹

تراجم ابواب میں امام مسلمؒ کا منہج..... ۳۱۲

تراجم ابواب میں ارباب سنن اربعہ کا منہج ۳۱۳

تراجم ظاہرہ:.....۳۱۳

تراجم خفیہ: ۳۱۴

تراجم مرسلہ:.....۳۱۸

کتب محدثین کی خصوصیات وامتیازات

خصوصیات وامتیازات صحیح بخاری..... ۳۲۰

صحت روایات کا خصوصی اہتمام: ۳۲۰

امت کی جانب سے تلقی بالقبول: ۳۲۰

استنباط مسائل میں دقت نظری:..... ۳۲۰

۱: جمع روایات میں خصوصی اہتمام: ۳۲۰

۲: تراجم الابواب: ۳۲۰

۳: آیات قرآنیہ کے ذریعے اثبات احکام:.....۳۲۱

۴: آثار صحابہ سے تائید و تعیین:.....۳۲۱

۵: ثلاثیات صحیح بخاری:.....۳۲۱

فرق باطلہ کی تردید:.....۳۲۱

خصوصیات وامتیازات "صحیح مسلم" ۳۲۲

۱: متفق علیہ صحیح روایات کے جمع کا اہتمام: ۳۲۲

بالسنۃ روایات لانے کا اہتمام: ۳۲۲

۲: ترتیب و تنسیق کی عمدگی: ۳۲۲

۳: الفاظ تحمل و اداء میں فروق کی رعایت: ۳۲۲

۴: مرفوع روایات کے جمع کا اہتمام: ۳۲۳

۵: ضبط اسماء و الفاظ میں خصوصی اہتمام: ۳۲۳

۶: روایت باللفظ کا اہتمام: ۳۲۳

۷: مقدمہ صحیح مسلم: ۳۲۳

خصوصیات و امتیازات "سنن ابی داود" ۳۲۴

مستدلات فقہاء کے جمع کا اہتمام: ۳۲۴

حسن روایات کا بڑا ذخیرہ: ۳۲۴

مرفوع روایات پر اکتفاء: ۳۲۴

مشہور روایات لانے کا اہتمام: ۳۲۴

۱: اصح مافی الباب روایت کا اہتمام: ۳۲۴

۲: جمع احادیث میں اختصار کا اہتمام: ۳۲۴

۳: کسی فائدہ کے حصول کے لیے تکرار احادیث: ۳۲۴

۴: محل استشہاد واضح کرنے کے لیے اختصار روایات: ۳۲۵

۵: متروک رواۃ سے اجتناب: ۳۲۵

۶: ضعف احادیث کی وضاحت: ۳۲۵

سکوت ابو داؤد کی اہمیت: ۳۲۵

خصوصیات و امتیازات "جامع ترمذی" ۳۲۶

۱: کتاب کا بیک وقت جامع اور سنن ہونا: ۳۲۶

۲: تکرار احادیث سے اجتناب: ۳۲۶

۳: مستدلات فقہاء کا مجموعہ: ۳۲۶

۴: درجہ استناد کی وضاحت: ۳۲۶

۵: احادیث حسان کا ذخیرہ: ۳۲۶

۶: تعارف رواۃ: ۳۲۶

۷: حسن ترتیب و تسہیل تراجم ابواب: ۳۲۷

۸: معمول بہ روایات کے جمع کا اہتمام: ۳۲۷

۹: حدیث کے اخراج کا ایک انوکھا انداز: ۳۲۷

۱۰: علل ترمذی: ۳۲۷

خصوصیات و امتیازات "سنن نسائی" ۳۲۹

مستدلات فقہاء کے جمع کا اہتمام: ۳۲۹

استنباط مسائل میں دقت نظری: ۳۲۹

احادیث پر تفریعات: ۳۲۹

اقوال فقہاء اور فتاوی: ۳۲۹

محل استشہاد پر اکتفاء کرتے ہوئے اختصار احادیث: ۳۲۹

احادیث متعارضہ کی تخریج: ۳۲۹

فقہی ترتیب پر ابواب بندی: ۳۳۰

اختلاف متون و اسانید کی وضاحت: ۳۳۰

متون میں نقد و درایت: ۳۳۰

اسماء وکنی کی وضاحت: ۳۳۰

متصل ومسند روایات کا اہتمام: ۳۳۰

رجال پر کلام: ۳۳۰

اصطلاحات کا استعمال: ۳۳۰

خصوصیات وامتیازات "سنن ابن ماجہ" ۳۳۲

شاندار مقدمہ سے کتاب کی ابتداء: ۳۳۲

احادیث ضعیفہ کا ذکر: ۳۳۲

حسن ترتیب: ۳۳۲

عدم تکرار: ۳۳۲

زوائد کی کثرت: ۳۳۲

خصوصیات وامتیازات "موطأ امام مالک" ۳۳۳

صحیح روایات کے جمع کا اہتمام: ۳۳۳

مشہور رواۃ سے روایات لانے کا اہتمام: ۳۳۳

فقاہت مؤلف کی اہمیت: ۳۳۳

فقہی ابواب پر مرتب شدہ پہلی کتاب: ۳۳۳

احادیث متعارضہ میں ترجیح کا اہتمام: ۳۳۳

مسائل فقہیہ اور اجتہادات: ۳۳۴

بلاغات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ: ۳۳۴

خصوصیات وامتیازات "شرح معانی الآثار" ۳۳۵

کثرت اسانید کا اہتمام: ۳۳۵

نادر احادیث کا اجتماع: ۳۳۶

آثار صحابہ و تابعین اور اقوال ائمہ: ۳۳۶

رفع تعارض کے مختلف اسالیب: ۳۳۶

استنباط و استدلال میں دقت نظری: ۳۳۶

مؤلفین صحاحِ ستہ کے مشائخ ۳۳۷

معرفت شیوخ کا طریقہ کار: ۳۳۷

طول صحبت اور مستقل رفاقت کی محدثین کے ہاں اہمیت: ۳۳۸

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مکثر مشائخ ۳۳۹

امام بخاریؒ کے مکثر مشائخ کا پہلا درجہ: ۳۳۹

امام بخاری کے مکثر مشائخ کا دوسرا درجہ: ۳۴۰

امام بخاری کے شیوخ مکثرین کا تیسرا درجہ: ۳۴۰

امام مسلمؒ کے مکثر مشائخ ۳۴۱

امام نسائیؒ کے مکثر مشائخ ۳۴۲

امام ابو داؤدؒ کے مکثر مشائخ ۳۴۳

امام ترمذیؒ کے مکثر مشائخ ۳۴۴

امام ابن ماجہؒ کے مکثر مشائخ ۳۴۵

مشائخ تسعہ ۳۴۶

علامہ ذہبیؒ نے اس شعر میں انہیں جمع کیا ہے: ۳۴۶

لیکن اس میں ابو کریب رہ گئے لہذا ابدر ابن سلامۃ نے اس پر ذیل لکھا: ۳۴۶

پھر ابن ناصر الدین دمشقی نے انہیں یکجا یوں ذکر کیا: ۳۴۷

رواہ الجماعۃ کی اصطلاح ۳۴۸

امام بخاریؒ کے مکثر مشائخ ۳۵۰

(۱)دوسو سے زائد روایات والے شیوخ: ۳۵۰

سو سے زائد روایات والے شیوخ: ۳۶۲

امام بخاری کے پچاس سے زائد روایات والے شیوخ: ۳۷۲

امام مسلم کے مکثر شیوخ ۳۷۹

امام ابوداود کے مکثر مشائخ ۴۰۰

امام ترمذیؒ کے مکثر شیوخ ۴۱۴

امام ابن ماجہ کے مکثر مشائخ ۴۲۲

[مشائخ تسعہ] ۴۳۲

شيوخ الجماعة إلا البخاری: ۴۳۶

شيوخ الجماعةإلا مسلم: ۴۳۷

شيوخ الجماعة إلا النسائي: ۴۴۲

شيوخ الجماعة إلا أبي داود: ۴۴۵

شيخ الجماعة إلا الترمذي: ۴۴۵

شيخ الجماعة إلا ابن ماجة: ۴۴۵

پیش لفظ

کچھ عرصہ پہلے حضرت مولانا نور البشر صاحب مدیر معہد عثمان بن عفان کے ہاں بیٹھا تھا، محدثین کے مناہج کی اہمیت پر گفتگو ہو رہی تھی، بالخصوص درس نظامی کے دورہ حدیث میں جو کتب پڑھائی جاتی ہیں ان کے مؤلفین کے مناہج کی بات آئی تو مولانا صاحب نے فرمایا عربی زبان میں تو اس پر تحریرات موجود ہیں لیکن اردو زبان میں اس پر کوئی اچھی تحریر نظر سے نہیں گذری، اس وقت سے ارادہ تھا کہ اس پر ان شاء اللہ ایک تحریر لکھوں گا، پر عدیم الفرصتی آڑے آتی رہی، بہر حال مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا لکھ کر اسے مکمل کر لیا، پھر طبع میں بوجوہ تاخیر ہوتی رہی، اب بحمد اللہ تبارک وتعالی شائع ہونے کی نوبت آئی ہے۔

شروط ومناہج کے لکھنے میں میں نے اپنی ذاتی آراء سے کام نہیں لیا، حتی الامکان خود محدث کی تصریح یا کسی دوسرے معروف محدث وامام جو اس فن کے ماہر اور ان حضرات ائمہ کی کتب سے زیادہ واقف تھے ان کی تصریحات تلاش کر کے نقل کی ہیں۔

اس تلاش وتتبع میں بسا اوقات ایک پیرگراف لکھنے کے لئے مجھے ہزاروں صفحات دیکھنے پڑے۔ اس کی تین مثالیں عرض کرتا ہوں، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا تحویل سند میں منہج جو کتاب میں ایک یا دو پیراگراف میں مذکور ہے مجھے اس پر کوئی تصریح دستیاب نہ ہوئی تو میں نے اس کے لئے صحیح مسلم کو بالاستیعاب دیکھنا شروع کیا نیز اس کی شروحات کے ہزاروں صفحات کو کھنگالا کہ شاید کہیں کوئی جملہ اس سے متعلق مذکور ہو۔

اسی طرح امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے منہج پر ابتداء مجھے امانی الاحبار کے مقدمہ کے علاوہ کوئی کتاب دستیاب نہیں تھی تو شرح معانی الآثار کی شروحات نخب الافکار وغیرہ کو بہت اہتمام سے دیکھنے کی نوبت آئی۔

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا منہج کتاب لکھتے ہوئے بعض چیزوں کی تحقیق میں موطأ کی ضخیم شروحات دیکھنے کی ضرورت پیش آتی رہی۔

باقی جو شخص کتاب کا اہتمام سے مطالعہ کرے گا، ان شاءاللہ اس کے سامنے میری محنت واضح ہو جائے گی۔

الحمدللہ اکابر علماء کرام کو کتاب پیش کی گئی تو انہوں نے بہت خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا، وللہ الحمد والمنہ۔

اس کتاب کی طبع میں جن حضرات کی بھی معاونت شامل رہی میں سب کا شکر گزار ہوں، اللہ تعالی ان سب کو جزاء خیر عطا فرمائے، اور کتاب کو میرے اور ان سب کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔

عبداللہ اسلم غفرلہ

استاد علوم الحدیث جامعہ انوارالعلوم لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

- منہج، غرض اور شرط کے لغوی واصطلاحی معانی
- مناہجِ محدثین پر اطلاع کے فوائد ومقاصد
- مناہج وشروط محدثین معلوم کرنے کے ذرائع
- مناہجِ محدثین پر مطبوعہ کتب کا تعارف

مقدمہ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم!

اللہ تعالی نے اپنے دین متین کی حفاظت کے لئے ہر دور میں ایسے افراد پیدا کئے ہیں جنہوں نے مصادر شریعت یعنی: قرآن وسنت کے الفاظ ومعانی کے ضبط، ان کی تشریح وتفسیر کے لئے اپنی زندگیاں صرف کیں اور اپنی صلاحیتیں اس میں خرچ کیں۔

ان بابرکت افراد میں سے جن سے حفاظت حدیث کا کام لیا گیا چند لوگ ایسے بھی تھے جن کی کتب اپنی نمایاں خصوصیات اور صحت حدیث کے اعلی معیارات کی حامل ہونے کی وجہ سے ایسی نمایاں حیثیت کی حامل تھیں جس تک دوسروں کی رسائی نہ ہو سکی، اور انہیں امت کی جانب سے ایسا قبول عام اور رواج تام حاصل ہوا جس تک دیگر مؤلفین نہ پہنچ سکے۔ صحاح ستہ، امام مالک اور امام طحاوی رحمہم اللہ کی کتب ایسی کتب کی نمایاں مثالیں ہیں۔

کسی کتاب سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کے لئے اس کے مؤلف کی کتاب لکھنے سے کیا غرض تھی، اس کے پیش نظر کیا اہداف ومقاصد تھے، اس نے کتاب کی تالیف میں کن معیارات کو ملحوظ رکھا، اور جمع روایات وترتیب کتاب میں کن امور کا التزام کیا، یہ سب جاننا ضروری ہے۔

بعض حضرات کے بقول محدثین کے مناہج جانے بغیر ان کی کتب سے استفادہ کی کوشش کرنے والا اس نابینا کی طرح ہے جو کسی شہر میں داخل ہو جائے، اور ہر چیز کو ٹٹول ٹٹول کر معلوم کرے، اور مناہج پر مطلع فرد کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو آنکھوں سے دیکھتا ہو اور گلیوں اور راستوں سے پوری طرح واقف ہو، ظاہر ہے دونوں کے استفادہ میں زمین وآسمان کا فرق ہو جائے گا۔

یہ کتاب اسی غرض سے مرتب کی گئی ہے کہ ان معروف محدثین کے مناہج پر اطلاع آسان ہو جن کی کتب ایک عرصہ سے امت میں رائج اور داخل نصاب ہیں۔ اس کے تحت مقدمہ، محدثین کی شروط، اغراض، امتیازات، تصحیح وتعلیل وترتیب کتب میں ان کے مناہج، ان

حضرات کے شیوخ کا تعارف کافی کچھ شامل ہے، دورہ حدیث کے اساتذہ وطلباء کے لئے بالخصوص مفید ہے۔

منہج کا لغوی واصطلاحی معنی:

مناہج منہج کی جمع ہے، اسے منہاج اور نہج بھی کہتے ہیں، لغت میں اس کا معنی واضح راستہ ہے۔

ابن المنظور رحمۃ اللہ علیہ "لسان العرب"[1] میں لکھتے ہیں:

"المنهاج: الطريق الواضح".

فیومی رحمۃ اللہ علیہ "المصباح المنير"[2] میں لکھتے ہیں:

النهج: الطريق الواضح والمنهج والمنهاج مثله، ونهج وأنهج يستعملان متعديان.

یعنی: نہج کا معنی واضح راستہ ہے اور نہج اور انہج لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ [3] "لكل جعلنا منكم.... آیت کے تحت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ منہاج سے مراد واضح راستہ ہے۔

ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ [4] نے بھی نہج کا معنی صراط مستقیم سے کیا ہے، لہذا لغت میں نہج یا منہج کا معنی واضح اور سیدھا راستہ ہے۔

مختلف علوم کے مناہج کی اصطلاحی تعریف یہ کی گئی ہے:

«مناهج العلوم المختلفة: الطرق الواضحة التي سلكها علماؤها في معالجة قضاياها».

یعنی مختلف علوم کے مناہج سے مراد وہ واضح راستے ہیں جو ان علوم کے ماہر علماء کرام ان علوم سے متعلقہ امور کے حل میں اختیار کرتے ہیں۔

گویا ماہر فن اس علم وفن کے حصول واداء کرنے میں جو طریقہ کار اور طرزِ عمل اختیار کرتا ہے اسے اس کا منہج کہتے ہیں، لہذا علومِ حدیث کے منہج سے مراد وہ طرزِ عمل ہے جو محدثینِ کرام

(١) "لسان العرب": ٢/ ٣٨٣، دار صادر، بيروت، ط: الثالثة.

(٢) "المصباح المنير": ٢/ ٦٢٧، المكتبة العلمية، بيروت.

(٣) "معالم التنزيل": ٢/٥٨، ت: عبد الرزاق المهدي، دار أحياء التراث العربي، بيروت، ط: الأولى.

(٤) "النهاية في غريب الحديث والأثر": ٥/ ١٣٤، دار الكتب العلمية.

نے روایت اور درایت کے اعتبار سے احادیثِ مبارکہ کے تحمّل واداء کے سلسلے میں اختیار کیا ہے۔

بعض حضرات نے محدثین کے منہج کی اصطلاحی تعریف یوں ذکر کی ہے:

"الطرق التي يسلكها المحدثون في رواية الأحاديث، والتعليق عليها، وتصنيفها بحسب شروط معينة". (١)

یعنی وہ راستے (طرز عمل) جن کو محدثین نے اپنی طے کردہ شرائط کے مطابق روایت حدیث اور ان پر تعلیق وتصنیف کے لیے اختیار کیا ہے۔

اس تعریف میں روایتِ حدیث کی قید کے ساتھ تصنیف کی قید کا اضافہ بھی کیا گیا ہے؛ اس لیے کہ بعض اوقات روایت بطورِ تصنیف کے نہیں ہوتی، جیسا کہ احادیث کی باقاعدہ تدوین سے قبل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں تھا۔ پھر روایت میں تحمل واداء کے شفوی اور کتابی دونوں طریقے شامل ہیں۔

اور "بحسب شروط معينة" سے ان شرائط کی جانب اشارہ ہے جن کا محدث اپنی کتاب میں احادیث کے انتخاب کے وقت لحاظ کرتا ہے۔ اور "التعليق عليها" سے ان فقہی اور اسنادی فوائد کو شامل کرنا مقصود ہے جن کو محدثین صراحتاً یا اشارتاً اپنی کتب میں ذکر کیا کرتے ہیں۔

شرط کا لغوی معنی:

شرط عرف عام میں "ما يتوقف عليه وجود الشيء" یعنی وہ جس پر کسی شئ کا وجود موقوف ہو۔ (٢)

اس بات کو ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ (٣) نے یوں تعبیر کیا ہے کہ "الشرط إلزام الشيء والتزامه" کسی چیز کا لازم ہونا اور اس کو اپنے اوپر لازم کرنا۔

---

(١) "مناهج المحدثين العامة والخاصة": ص: ٢٠، دار البشائر الإسلامية.

(٢) "الكشاف في اصطلاحات الفنون ١/١٠١٤، مكتبة لبنان.

(٣) "لسان العرب": ٧/ ٣٢٩، دار صادر، بيروت، ط: الثالثة.

محدثین کی شروط سے مراد:

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ "شروط الأئمة" سے متعلق حافظ مقدسی اور حازمی رحمہما اللہ کے رسالوں پر اپنے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: یہ طے شدہ بات ہے کہ خبرِ واحد کی صحت و قبول کے لیے شرائط ہیں، مثلاً: راوی کا مسلمان ہونا اور عادل ہونا وغیرہ، ان شرائط کا خبرِ واحد میں پایا جانا اس کی صحت و قبول کے لیے ضروری ہے، اگرچہ ان میں سے بعض شرائط تو ائمہ حدیث و مجتہدین کے ہاں متفق علیہ ہیں، اور بعض ایسی ہیں جن میں ان کی آراء مختلف ہو گئیں اور ان میں متعدد اقوال ہو گئے، ان شرائط کے بیان کا مقام اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کی کتب ہیں۔

اور جب علماء کہتے ہیں: "شروط الأئمة الخمسة"، یا "شروط الأئمة الستة"، یا شرطِ بخاری، یا شرطِ شیخین تو اس صورت میں وہ شرائط کا متعارف معنی مراد نہیں لیتے، بلکہ ان کے ہاں اس صورت میں شرائط سے مراد ان ائمہ کے اپنی کتب میں تخریج کے لیے احادیث کو منتخب کرنے کی کیفیت سے متعلق مناہج ہیں، اور احادیث کے انتخاب میں انہوں نے جن باتوں کا التزام کیا ہے، شرائط سے وہ التزامات مراد ہوتے ہیں۔

(گویا ایک محدث اپنی کتاب میں احادیث کو لاتے وقت جب احادیث کے ایک بڑے مجموعے میں سے انتخاب کرتا ہے، تو اس انتخاب میں اس کے پیشِ نظر حدیث کے جو اوصاف ہوتے ہیں اور وہ پورا التزام و اہتمام کرتا ہے کہ اسی وصف کی حامل احادیث کو اپنی کتاب میں لاؤں گا، تو اس وصفِ خاص کے التزام کو اس محدث کی شرط کہتے ہیں) اور اسی میں ان محدثین کے اپنی کتب کے اغراض و اہداف بھی شامل ہیں۔

بعد ازاں شیخ ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ان حضرات میں سے کسی کی بھی شرائط منقول نہیں، اور یہ تو ان کی کتب کی جانچ پرکھ سے ہی معلوم ہو سکتی ہیں۔

اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حافظ ابن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات اپنے عموم پر نہیں ہے، اس لیے کہ ان ائمہ میں سے اکثر سے ایسے کلمات منقول ہیں، جن سے ان کی کتب کے موضوع و منہج کا علم ہو جاتا ہے، بلکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی صحیح کے مقدمہ میں اپنا منہج بیان کر دیا ہے، اسی طرح امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے اہل مکہ کی جانب خط اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی علل صغیر میں ایسا بہت کچھ ہے جن سے ان کی شرط و منہج اخذ کیا جاسکتا ہے، نیز ان حضرات میں سے بعض کی کتب کے نام کو دیکھنے سے بھی معلوم کیا جاسکتا ہے، صحیحین اور جامع ترمذی کے نام ان حضرات کی ان کی کتب میں شروط و مناہج پر فی الجملہ دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ "تحقيق إسمي الصحيحين وإسم جامع الترمذي" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔[1]

شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ اس تفصیل کے مطابق شروطِ محدثین کا دائرہ تھوڑا وسیع ہو جاتا ہے، مثلاً: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط میں کتاب کا جامع ہونا اور مسند احادیث کے جمع کرنے کا اہتمام بھی داخل ہو جائے گا جو کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے، شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے علامہ طاہر جزائری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "توجيه النظر" میں ان امور کو شرائطِ بخاری کے تحت ذکر کیا ہے۔

متقدمین کے ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ جب مطلق شرط فلان کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے، اس سے مراد وہ اضافی اور امتیازی شرائط ہوتی ہیں جو دیگر کتب پر ان حضرات کی کتب کے فائق ہونے کا باعث ہوتی ہیں۔

بہر حال یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی کتاب کی شرائط میں ہر وہ وصف داخل ہے جس کا مصنف نے احادیث کے انتخاب میں التزام کیا ہے، البتہ بعض اوصاف چونکہ معلوم و مشہور تھے، اس لیے اس عنوان کے تحت ان پر عموماً گفتگو نہیں ہوتی۔

مناہجِ محدثین اور شروط محدثین میں فرق:

محدثین کے مناہج اور ان کی شروط میں منطقی اصطلاح کے مطابق عموم و خصوص مطلق کا

(١) "ثلاث رسائل في علوم الحديث": ص: ٥٨، مكتب المطبوعات الإسلامية.

فرق ہے۔ مناہج کا دائرہ شروط سے وسیع ہے، اس میں شرائطِ محدثین کے علاوہ ترتیب و تقطیع وغیرہ دیگر بہت سے امور شامل ہیں، لہذا مناہج عام مطلق اور شروط خاص مطلق ہیں۔

غرض کا لغوی معنی:

ہدف، نشان، فیومی رحمۃ اللہ علیہ[1] لکھتے ہیں: "هدف ينصب، فيرمى إليه".

محدثین کی اغراض:

محدثین کی اغراض وہ مقاصد اور اہداف ہیں جن کا حصول تالیفِ کتب سے ان کے ہاں مطلوب ہوتا ہے۔

محدثین کے مناہج کی انواع:

محدثین کے مناہج کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ عام محدثین کے مناہج:

یہ وہ مناہج ہیں جن کی اتباع تمام یا اکثر محدثین نے طلبِ حدیث، ضبطِ حدیث اور روایت حدیث میں کی ہے۔

۲۔ خاص محدثین کے مناہج:

یہ ایسے مناہج ہیں جو ایسی شروط اور صفات کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں جن کا محدث نے اپنی کتاب میں التزام کیا ہو۔

---

(۱) "المصباح المنير": ۲/ ۴۴۵، المكتبة العلمية، بيروت.

مناہجِ محدثین پر اطلاع کے فوائد و مقاصد

۱۔ استفادہ میں سہولت:

محدثین کا طرزِ عمل جاننا ان کی کتب سے استفادہ کے لیے بے حد ضروری ہے، اور جو شخص کسی مؤلف کے مقصد اور طریقہ کار سے ہی واقف نہ ہو تو وہ اس کی کتاب سے کامل فائدہ کیسے حاصل کر سکتا ہے؟ لہذا کتبِ حدیث سے استفادہ کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب کے منہج سے واقف ہوں تاکہ استفادہ میں سہولت ہو۔

۲۔ تخریجِ حدیث میں مدد:

حدیث کی تخریج ایک مستقل موضوع ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ مؤلفین کے مناہج کا علم ہو تو تخریجِ حدیث کا کام بہت سہل ہو جاتا ہے، نتیجتاً تخریجِ حدیث سے متعلقہ جملہ فوائد حاصل ہوتے ہیں، ورنہ پورے ذخیرۂ حدیث سے احادیث کو تلاش کرنا آسان کام نہیں۔

۳۔ حدیث کا رتبہ معلوم کرنے میں سہولت:

محدثین کی شرائط معلوم ہوں تو ان کی کتب میں موجود احادیث کا رتبہ اور حکم معلوم کرنے میں سہولت ہوتی ہے، جیسا کہ شیخین رحمہا اللہ کی طرح حافظ ابن خزیمہ وابن حبان رحمہا اللہ نے بھی صحیح احادیث کو ہی جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، لیکن شیخین رحمہا اللہ کی اور ان دونوں حضرات کی جمع کردہ روایات میں رتبہ کے اعتبار سے فرق ہے؛ کیونکہ مؤخر الذکر دونوں حضرات حدیثِ حسن کو بھی حدیثِ صحیح کے زمرہ میں رکھتے ہیں۔ اب جسے اس بات سے واقفیت ہو گی وہ سمجھ لے گا کہ حافظ ابن خزیمہ و حافظ ابن حبان رحمہا اللہ کی ذکر کردہ ہر روایت صحیحین کے درجہ کی نہیں ہے۔

نیز ائمہ کے متشدد و متساہل ہونے سے بھی اس پہلو پر فرق پڑتا ہے، مثلاً حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں متساہل شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو متساہل شمار کیا گیا ہے، جبکہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے مقابلے میں محتاط قرار پاتے ہیں۔ کسی محدث

کے اس طرزِ عمل کا اثر ان کی جمع کردہ روایات میں ظاہر ہوتا ہے، لہذا اس نکتے کا لحاظ ضروری ہے۔

۴۔ طرق تحمل واداء معلوم کرنے میں سہولت:

محدثین کے ہاں حدیث کے تحمل واداء کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً سماع، عرض، مناولہ، اجازہ، وجادہ وغیرہ۔

بعض محدثین تو ان مختلف طریقوں سے حاصل شدہ روایات کو بیان کرنے کے لیے مختلف الفاظ لاتے ہیں، نیز حدثنا اور أخبرنا وغیرہ الفاظ میں بھی فرق کرتے ہیں، جیسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس کا پورا اہتمام کرتے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں صیغوں میں کسی خاص فرق کے قائل نہیں۔

اسی طرح متقدمین کے ہاں أنبأنا بھی حدثنا اور أخبرنا کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور متاخرین اسے صرف اجازتِ حدیث بیان کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، لہذا ان حضرات کے ان مختلف مناہج سے واقفیت احادیث کے تحمل واداء کے طریقے معلوم کرنے میں مدد دیتی ہے۔

۵۔ راجح ومرجوح اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ جاننے میں مدد:

محدثین کے منہج سے واقفیت سے راجح ومرجوح وغیرہ جاننے میں بھی مدد ملتی ہے، کیونکہ بعض محدثین جیسے امام ترمذی ونسائی رحمہا اللہ عام طور پر باب کے شروع میں احادیثِ معللہ لاتے ہیں، پھر ان میں علت کو بیان کرکے اس باب میں صحیح حدیث ذکر کرتے ہیں، جبکہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ کار اس کے بالکل برعکس ہے، وہ "أصح ما في الباب" روایت سے باب کی ابتدا کرتے ہیں۔

نیز ناسخ ومنسوخ اور مختلف احادیث میں جمع وتطبیق کا بھی علم ہوتا ہے، جیسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ مختلف طرق سے روایت کو اسی غرض سے لاتے ہیں۔

اسی طرح متعدد طرق سے احادیث لانے کی ایک وجہ کسی غریب لفظ کی توضیح یا کسی زائد لفظ سے کسی حکمِ فقہی پر استدلال یا متن حدیث میں ادراج کا بیان وغیرہ ہوتا ہے۔ مصنف کا منہج معلوم

ہو تو ان امور کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

۶۔ حفاظت حدیث پر اطمینان قلبی کا حصول:

جب طالبِ علم، محدثین کی محنتوں اور احادیث کے جمع و قبول کرنے میں ان کی احتیاط سے واقف ہوتا ہے تو احادیث کی حفاظت پر اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں انکارِ حدیث کے فتنہ کے اسباب میں سے ایک سبب محدثین کی جمعِ حدیث میں شرائط اور طرزِ عمل سے ناواقفیت بھی ہے۔

۷۔ محدثین کی محبت اور قدر و منزلت میں اضافہ:

محدثین کا اہتمام اور مجاہدہ جب سامنے آتا ہے تو ان کی قدر و منزلت جو پہلے سے دل میں موجود تھی، اس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

۸۔ محدثین کے طریقہ کار پر اشکالات کا دفعیہ:

بسا اوقات محدثین پر اپنی شرائط کی پابندی نہ کرنے کا اشکال وارد ہوتا ہے، لیکن تفصیلی منہج معلوم ہو تو ان اشکالات کا جواب معلوم ہو جاتا ہے، جیسے حافظ ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پر بعض ضعیف رواۃ سے روایت لانے پر اشکال کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ دراصل وہ حدیث میرے پاس بالکل صحیح سند سے بھی موجود ہوتی ہے، لیکن وہ سند نازل ہوتی ہے تو اسی روایت کو عالی سند سے نقل کر دیتا ہوں اور اس میں ضعیف راوی کا تحمل کر لیتا ہوں، نیز اسی جیسی بات امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اہلِ مکہ کی جانب اپنے خط میں تحریر کی ہے۔

جبکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس معاملے میں سند کے علو کی پرواہ نہیں کرتے اور صحیح سند کو ترجیح دیتے ہیں۔ اب جو شخص ائمہ محدثین کے اس طرزِ عمل سے واقف نہ ہو گا تو وہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ پر اپنی شرط کے خلاف روایت لانے کا اشکال کرے گا۔

۹۔ مخطوطات کی تحقیق میں مدد:

مصنف کے منہج کا علم ہو تو یہ اس کتاب کے مخطوط کی تحقیق میں بہت معاون ثابت ہوتا ہے،

کتبِ حدیث پر کام کرنے والے جانتے ہیں کہ اس کی اہمیت کیا ہے گذشتہ چند دہائیوں میں بے شمار نادر کتب، مخطوطات پر تحقیق کے بعد شائع ہوئی ہیں جن تک پہلے رسائی بہت دشوار تھی۔

۱۰۔ علمی اور منہجی فکر کی تربیت:

علمِ حدیث کے طالبِ علم کو مناہج کے جاننے کا ایک اہم فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی علمی اور منہجی فکر ائمہ کے مناہج کو دیکھ کر تربیت پاتی ہے، اور علوم کو مختلف اسالیب میں پیش کرنے کا ڈھنگ معلوم ہوتا ہے، گویا مناہجِ مختلفہ سے واقفیت اس کو اپنی کتب میں منہج قائم کرنے میں مدد دیتی ہے۔

۱۱۔ ائمہ کی شروط اور ان کے مراتب کی معرفت:

ائمہ کی شروط ایک مستقل موضوع ہے، محدثین کے طرزِ عمل سے واقفیت کے بعد شروط ائمہ کو پہچاننے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور ان کے مراتب کی معرفت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے علم میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔

مناہج وشروط محدثین معلوم کرنے کے ذرائع

محدثین کے مناہج اور شرائط معلوم کرنے کے تین ذریعے ہیں:

ا۔ مؤلف کی تصریح:

مؤلف اگر خود تصریح کردے کہ اس نے جمعِ احادیث میں کن امور وشرائط کا لحاظ رکھا ہے تو یہ اس مؤلف کے مقاصد و منہج کو پہچاننے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے، پھر اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

پہلی صورت:

مؤلف سے اس بارے میں کچھ منقول ہو، جیسے امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں جب عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمہ ماجشون رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پہنچی، جس میں مسائلِ فقہیہ جمع کیے گئے تھے تو دیکھ کر فرمایا: بہت اچھا کام کیا ہے، لیکن اگر میں یہ کام کرتا تو پہلے احادیث وآثار ذکر کرتا، پھر مسائل درج کرتا، پھر ان کے دل میں "موطأ" لکھنے کا خیال آیا اور اسی طرز پر "موطأ" کو مرتب کیا۔

یا جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے اس کتاب (صحیح بخاری) میں صحیح روایات ہی جمع کی ہیں اور جن صحیح روایات کو میں نے اس کتاب میں ذکر نہیں کیا وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

دوسری صورت:

یہ ہے کہ مصنف نے خود اپنی اس کتاب میں یا کسی دوسری جگہ اپنے منہج کی تصریح کی ہو، جیسے امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ مکہ کی طرف خط میں اپنی "سنن" میں اختیار کردہ منہج بیان کیا ہے۔ اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "مقدمہ" میں اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الجامع" کے آخر میں منسلک "کتاب العلل الصغیر" میں اس حوالے سے چند امور بیان کیے ہیں۔

۲۔کتاب کا نام:

بسا اوقات مؤلف اپنی کتاب کے نام میں اپنے منہج کی طرف اشارہ کر دیتا ہے، جیسے امام بخاری اور امام ترمذی رحمہا اللہ نے یہی انداز اختیار کیا ہے، چنانچہ "صحيح البخاري" کا پورا نام "الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه" اور سنن ترمذی کا پورا نام "الجامع المختصر من سنن رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعرفة الصحيح والمعلول وما عليه العمل" ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ نام میں ہی مصنف نے اپنے منہج کی وضاحت کر دی ہے کہ وہ اس کتاب میں کن امور کا لحاظ رکھنا چاہتے ہیں۔

۳۔کتاب کی جانچ پرکھ:

عموماً محدثین کی کتب میں مواد میں گہرے غور وفکر اور جانچ پرکھ کے ذریعے ان کا منہج معلوم کیا جاتا ہے۔ حافظ ابوالفضل ابن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "شروط الأئمة الستة" میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری و مسلم رحمہا اللہ اور کتبِ ستہ کے دیگر مصنفین رحمہم اللہ میں سے کسی سے منقول نہیں کہ انہوں نے کہا ہو کہ میں نے اپنی کتاب میں یہ شرط لگائی ہے اور میں اس طے شدہ شرط کے مطابق احادیث کی تخریج کروں گا، ان حضرات کی شرائط تو ان کی کتب کو پرکھنے اور ان میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتی ہیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

شیخین رحمہا اللہ نے "صحیحین" میں یا اپنی کسی دوسری کتاب میں کہیں بھی اپنی شرائط کی تصریح نہیں کی[1]، پھر بعد میں آنے والے حضرات نے ان ائمہ کی کتب میں غور وفکر کے ذریعے ان کی شرائط و مناہج کا تعین کیا اور اسی وجہ سے اس میں اختلافِ رائے بھی ہوا۔

---

(١) "تدريب الراوي" للسيوطي: ١/١٣٧، ط: دار طيبة.

مناہجِ محدثین کے موضوع پر مرتب کتب

کتبِ حدیث کی شرائط و مناہج پر لکھے گئے مواد کو چار قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) شروطِ ائمہ پر متقدمین کی لکھی گئی کتب:

۱- **"شروط الأئمة"** أبو عبدالله محمد بن إسحاق بن منده (ت۴۷۰ھ) یہ رسالہ "شروط الأئمة" کے موضوع پر سب سے قدیم تالیف شمار کیا جاتا ہے، اور ائمہ محدثین جیسے حافظ ذہبی، حافظ عراقی، حافظ ابن ملقن حافظ اور حافظ ابن حجر وغیرہ رحمہم اللہ کی کتب میں جابجا اس کے حوالے ملتے ہیں، خود حافظ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک شرح بھی لکھی تھی، یہ رسالہ اور اس کی شرح دونوں ہی کچھ عرصہ پہلے تک مفقود تھے، ترکی کے مکتبہ سلمانیہ میں اس کا ایک مخطوط تھا اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مکتبہ شیخ حماد انصاری سے دو مزید مخطوط نسخے عبدالرحمن بن عبدالجبار فریوائی کو دستیاب ہوئے، اس طرح اب یہ رسالہ موصوف کی تحقیق کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔

۲- **"شروط الأئمة الستة"** أبو الفضل محمد بن طاهرالمقدسي.

۳- "**شروط الأئمة الخمسة**" أبو بكر محمد بن موسى الحازمي".

٤- "**رسالة الإمام أبي داود إلى أهل مكة**"

یہ تینوں رسالے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت مفید تعلیقات کے ساتھ "ثلاث رسائل في علم مصطلح الحديث" کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔

"خصائص المسند" أبو موسی المدینی کی یہ کتاب شیخ احمد محمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے ساتھ مزید دو اور کتابوں کے ساتھ "ثلاثة كتب عن المسند" کے عنوان سے "مكتبة السنه" قاہرہ سے چھپ چکی ہے۔

(۲)کتبِ حدیث وشروحِ حدیث کے مقدمات:

١- مقدمة صحيح مسلم.
٢- "كتاب العلل للترمذي مع شرحه" ابن رجب الحنبلي.
٣- مقدمة فتح الباري.
٤- "مقدمة جامع الأصول" ابن الأثير.
٥- مقدمة لامع الدراري.
٦- مقدمة فيض الباري.
٧- مقدمة تحفة الأحوذي.
٨- مقدمة فتح الملهم.
٩- مقدمة إعلاء السنن وغيره.

(۳)اصولِ حدیث پر لکھی گئی کتب کے ضمن میں مناہجِ ائمہ پر گفتگو:

اصولِ حدیث پر لکھی گئی کتب کے ضمن میں بھی مناہجِ محدثین پر خاصی گفتگو ملتی ہے، جیسے مقدمہ ابن صلاح اور اس کی شروح، نیز اس پر لکھے جانے والی "ألفية العراقي" کی شروح میں "صحیح" کی بحث میں "صحيحين" اور صحیح احادیث پر مشتمل دیگر کتب جیسے "موطأ إمام مالک، صحيح ابن خزيمه، صحيح ابن حبّان، المستدرک للحاكم، مستخرجات" وغیرہ کے مناہج پر کافی گفتگو ملتی ہے اور "حسن" کی بحث میں "سنن الترمذي، سنن أبي داود، سنن النسائي، وسنن ابن ماجه" وغیرہ کے متعلق بھی کافی مواد درج ہے۔ اسی طرح حافظ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے "توضيح الأفكار" میں مفصل بحث کی ہے، نیز حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی "تدريب الراوي" اور "مصطلح الحديث" کی دیگر کتب میں بھی اس موضوع پر مواد ملتا ہے۔

موجودہ دور میں مناہج محدثین پر لکھی گئی کتب:

موجودہ اور قریبی دور میں محدثین کرام کے مناہج پر خاصی کتب لکھی گئیں، جن کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ وہ کتب جو صحاح ستہ یا دیگر متعدد محدثین کے مناہج پر لکھی گئیں ہیں۔

۲۔وہ کتب جو کسی مخصوص محدث کے منہج کو بیان کرنے کے لئے مرتب کی گئیں۔

اس فہرست میں موجود سب کتب مطبوعہ ہیں،جو کتاب مجھے دستیاب نہیں ہوئی اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

کسی طے شدہ دائرہ کے محدثین کے مناہج پر مشتمل کتب:

١- "الحِطّة في ذكر الصحاح الستة"

نواب صديق حسن خان قنوجى، مطبوعة بتحقيق على حسن الحلبى، دار الجيل بيروت.

٢- "منهاج المحدثين"

الدكتور سعد بن عبدالله الحميد: (منهج الصحاح الستة، صحيح ابن خزيمة، صحيح ابن حبان، مستدرک حاكم) مطبوعة دار علوم السنة.

٣- "الواضح في منهاج المحدثين"

الدكتور ياسر الشمالي. (منهج الصحاح الستة وموطأ إمام مالک) مطبوعة دارالحامد، عمان.

٤- "الفكر المنهجى عند المحدثين"

الدكتور همام عبدالرحيم السعيد: (منهج الصحاح الستة وموطأ إمام مالک) مطبوعة كتاب الأمة قطر.

٥- "المدخل في منهاج المحدثين، الأسس والتطبيق"

رفعت فوزى عبدالمطلب:(مناهج الصحابة والمتقدمين، والصحاح الستة وموطأ، ومسند الحميدى، و مسند أحمد) مطبوعة دارالسلام مصر.

٦- "مناهج المحدثين العامة والخاصة"

علي نايف البقاعي: مطبوعة دار البشائر الإسلامية.

(اس کتاب کی ترتیب انوکھی ہے، انہوں نے ہر محدث کے منہج کو علیحدہ علیحدہ ذکر کرنے کے بجائے پہلے تو محدثین کے مناہج بالخصوص ابن ماجہ کے علاوہ باقی کتب خمسہ کے مؤلفین کے

مناہج کو مختلف عنوانات کے تحت تقسیم کرکے بیان کیا ہے، مثلا ترتیب روایات، تقطیع روایت اور تکرار روایات وغیرہ مختلف عناوین قائم کئے ہیں، پھر ہر عنوان کے تحت ان سب کا منہج ذکر کرتے ہیں، اور اسے مناہج عامہ کا عنوان دیا ہے، پھر ہر کتاب کے اس خصوصی منہج کو جو دیگر کتب میں موجود نہیں علیحدہ سے مناہج خاصہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے)۔

۷- **"مناهج المحدثين العامة"** نور الدين عتر.

(ایک مختصر رسالہ ہے جس کا نام "لمحات موجزة في مناهج المحدثين العامة" بھی ذکر کیا گیا ہے، محدثین کے عمومی منہج سے متعلق قواعد ذکر کئے ہیں)۔

۸- **"مناهج المحدثين،حدودها ومصادرها وغاياتها".**

نور الدين عتر: مطبوعة دار أحياء التراث

(یہ بھی ایک مختصر سا رسالہ ہے)۔

۹- **"المحاضرات في مناهج المحدثين"**

الدكتور فتح الرحمن القرشي: مطبوعة الجامعة الإسلامية العالمية إسلام آباد.

یہ مناہج محدثین پر ایک جامع کتاب ہے جس میں کتب احادیث کی مختلف اقسام جیسے: مسانید، جوامع، سنن وغیرہ کو عنوان بنا کر ہر عنوان کے تحت اس اصطلاح کا تعارف اور متعلقہ کتب کا منہج ذکر کیا ہے۔

اس کتاب میں حدیث اور علوم الحدیث سے متعلقہ چوالیس کتب کا منہج ذکر کیا گیا ہے، اس حیثیت سے مناہج محدثین پر یہ ایک منفرد اور بہت جامع کتاب ہے، کہ بعض اوقات اس میں جن کتب کے منہج پر گفتگو ملتی ہے وہ اور کسی جگہ دستیاب نہیں ہوتی۔

۱۰- **"المعين في معرفة مناهج المحدثين"**

خالد بن قاسم الردادي: مطبوعة دار الناشر المتميز رياض و دار النصيحة مدينة منورة.

١١- "مناهج المحدثين في تقوية الأحاديث الحسنة والضعيفة".

مرتضى الزين أحمد محمد: مطبوعة مكتبة الرشد، الرياض.

اس کتاب کے نام سے ہی اس کا موضوع ظاہر ہے، یہ اس موضوع خاص پر ائمہ محدثین کی آراء جاننے کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔

١٢- "الحديث والمحدثون"

الدكتور محمد محمد أبوزهو: مطبوعة الرياسة العامة لإدارات البحوث العلمية الرياض.

اس میں انہوں نے مختلف ادوار میں تالیف کی گئی حدیث کی کتب کا تعارف کروایا ہے، اور اس کے ضمن میں مناہج محدثین پر گفتگو کی ہے۔

١٣- "الكشاف المبين عن مناهج المحدثين"

الدكتور أحمد يوسف حلبية: مطبوعة المكتبة المركزية، غزة فلسطين.

١٤- "مناهج المحدثين"

محمد بن تركي التركي: (منهج الإمام مالك، أحمد، ابن خزيمة، ابن حبّان، حاكم، طبراني) كلية التربية جامعة الملك سعود.

١٥- "في سبيل تاصيل مناهج المحدثين"

الدكتور صالح أحمد رضا.

١٦- "الضوء اللامع المبين عن مناهج المحدثين"

أحمد محرم الشيخ ناجي، المكتبة الشاملة.

١٧- "الأئمة الستة تراجمهم، مصنفاتهم، مناهجهم، شروطهم"

زيد عبد الوهاب بن عبدالعزيز،دار الإمام مالك.

کسی مخصوص محدث کے منہج پر مشتمل کتب:

وہ کتب جو کسی ایک محدث کے منہج کو بیان کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

"منهج صحيح البخاري" سے متعلقہ کتب:

۱- "منهج الإمام البخاري في تصحيح الأحاديث وتعليلها"

أبو بكر الكافي: مطبوعة دار ابن حزم بيروت.

۲- "عادات الإمام البخاري في صحيحه"

الشيخ عبدالحق بن عبدالواحد الهاشمي: مطبوعة مكتب الشؤون الفنية كويت.

۳- "الإمام البخاري محدثا وفقيها"

الدكتور الحسيني عبدالمجيد الهاشم: مطبوعة مصر العربية للنشر والتوزيع القاهرة.

٤- "الإمام البخاري إمام الحفاظ والمحدثين"

الدكتور تقي الدين ندوي المظاهري: مطبوعة دارالقلم دمشق.

تراجم ابواب میں امام بخاری کے منہج پر کتب:

۱- "المتواري على أبواب البخاري"

العلامة ناصرالدين ابن المنير (ت٦٨٣هـ).

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور شرح "فتح الباري" لکھی تو ان میں جن کتب سے استفادہ کیا ان میں سے ایک ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب بھی ہے، حافظ صاحب "هدى الساري" میں صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی اہمیت اور قدر و قیمت پر گفتگو کے بعد فرماتے ہیں: "ان تراجم میں سے اسکندریہ کے خطیب علامہ ناصر الدین احمد بن منیر رحمہ اللہ نے چار سو تراجم جمع کئے ہیں اور ان پر کلام کیا ہے، اور اس کا خلاصہ قاضی بدرالدین جماعہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، اور اس پر کچھ اضافہ جات بھی کئے ہیں۔

اور اس پر اہل مغرب میں سے محمد بن منصور بن حمامہ السجلماسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کام کیا ہے، لیکن وہ بہت زیادہ نہیں ہے، بلکہ ان کی کتاب میں کل سو کے قریب تراجم ہیں، اور اس کا نام انہوں نے "فكّ أغراض البخاري المبهمة في الجمع بين الحديث والترجمة" رکھا ہے۔

"فتح الباری" میں حافظ صاحب تراجم ابواب کے معاملے میں کثرت سے ابن المنیر رحمہ اللہ کی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں، لیکن خود یہ کتاب ایک زمانے سے نایاب تھی، دکتور فواد سزکین

نے اپنی کتاب "تاريخ التراث العربي" میں اس کے ایک مخطوطہ کا ترکی کے مکتبہ بایزید میں ہونے کا ذکر کیا ہے، جو آٹھویں صدیں ہجری کا تحریر شدہ ہے، پھر دکتور علی حسن علی عبدالحمید کو پاکستان سے علامہ معین سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا مخطوطہ دستیاب ہوا، جس پر ان کی مہر اور علامہ ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت بھی موجود ہے، یہ نسخہ ۱۱۴۵ھ میں لکھا گیا ہے، اس پر ان کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۹۰ء میں المکتب الإسلامی بیروت سے شائع ہو گئی۔

٢- "مناسبات تراجم البخاري"

الحافظ بدرالدين ابن جماعة (ت٧٣٣هـ). مطبوعة مكتبة دارالسلفية بمبمبئ.

یہ وہی کتاب ہے جس کا تذکرہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے خلاصہ کے طور پر کرتے ہیں، حافظ ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص کے علاوہ کتاب کی تنقیح و تہذیب کا کام بھی کیا ہے اور کچھ اضافے بھی فرمائے ہیں جس سے اس کی افادیت دوچند ہو گئی ہے، یہ کتاب بھی کچھ عرصہ پہلے تک نایاب تھی، اس کا ایک مخطوطہ جس پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی توقیع اور تصدیق موجود ہے اور ۸۲۳ھ کا لکھا ہوا ہے حلب کے مدرسہ احمدیہ میں موجود ہے، اسی کے مسودہ سے بتحقیق إسحاق بن إبراہیم السلفی الہندی شائع ہوئی ہے۔

٣- "فك أغراض البخاري المبهمة في الجمع بين الحديث والترجمة"

محمد بن منصور بن حمامة السجلماسى المغربي.

یہ کتاب تاحال مجھے دستیاب نہیں ہوئی۔

٤- "ترجمان التراجم"

العلامة ابن رُشيد السبتى الفهري: مطبوعة دارالكتب العلمية.

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے عبداللہ بن رشید السبتی الفہری کی ایک کتاب جس کا نام "ترجمان التراجم" ہے کی ایک جلد میسر آئی جو اسی مقصد سے لکھی گئی ہے، اس میں "كتاب الصيام" تک پہنچے ہیں، اگر کتاب مکمل ہوتی تو بے حد مفید ہوتی، اور ابھی بھی ناقص ہونے کے باوجود بہت مفید ہے۔

٥- "مناسبات أبواب صحيح البخاري بعض لبعض"

الحافظ أبوحفص عمربن رسلان البلقينی(ت٨٠٥ھ) مطبوعة بمطبعة عطاءات العلم، دمشق.

٦- "الأفاويق بتراجم البخاري والتعاليق"

قاضي عبد الرحمن البهكلي.(یہ کتاب مجھے دستیاب نہیں ہوئی۔)

٧- "الأمالي على أبواب البخاري"

النجّار أبو عبدالله محمد بن عثمان بن محمد النجّار.

(یہ کتاب بھی تاحال دستیاب نہیں ہوئی۔)

٨- "رسالة شرح تراجم أبواب البخاري"

شاه ولي الله دهلوي، مطبوعة دائرة المعارف النظامية.

٩- "الأبواب والتراجم لصحيح البخاري"

شيخ الحديث مولانا زكريا الكاندهلوي، مطبوعة دارالبشائر الإسلامية.

(یہ اس موضوع پر متقدمین کی کتب کو بڑی حد تک جامع ہے، بعد میں "كنز المتواري" کے نام سے صحیح بخاری پر حضرت شیخ الحدیث صاحب کی تالیفات کو جمع کر دیا گیا ہے، اس میں یہ بھی شامل ہے۔)

١٠- "الإمام البخاري وفقه التراجم في صحيحه"

نورالدين عتر، المكتبة الشاملة.

تعلیقات صحیح بخاری کے منہج پر کتب:

١- "تغليق التعليق"

الحافظ ابن حجر، المكتب الإسلامي، دار عمار.

حافظ صاحب نے اس کتاب کا اختصار "التشويق إلى وصل المهم من التعليق" کے نام سے کیا ہے، نیز صحیح بخاری کی وہ تعلیقات جو صحیح بخاری میں دوسری جگہ موصولا موجود نہیں وہ (١٦٠) احادیث ہیں، ان کے وصل پر ایک کتاب "التوفيق بتغليق التعليق" کے نام سے لکھی ہے۔

٢- "القاضي على تعليقات البخاري"

ابن مقصد العبدلي، دار نورالیقین.

صحیح مسلم کے منہج سے متعلقہ کتب:

١- "الإمام مسلم بن الحجاج حياته وصحيحه"

محمود فاخوري، مطبوعة وقفية الأمير غازي للفكر القرآني.

٢- "الإمام مسلم ومنهجه في صحيحه"

الدكتور محمد عبدالرحمٰن طوالبة، مطبوعة دار عمار.

٣- "عبقرية الإمام مسلم في ترتيب أحاديث مسنده الصحيح"

الدكتور حمزه عبدالله المليباري، مطبوعة دار ابن حزم.

٤- "منهج الإمام مسلم في ترتيب كتابه الصحيح ودحض شبهات حوله" ربيع بن هادى المدخلي، مطبوعة دار المنهاج.

(اس کتاب میں دکتور حمزہ عبداللہ ملیباری کی مذکورہ بالا کتاب پر نقد اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے منہج پر مفصل کلام ہے۔)

٥- "المدخل إلى صحيح مسلم بن الحجاج"

الدكتور محمد محمدي بن محمدجميل نورستاني، مطبوعة مكتبة شؤون الفنيه.

٦- "إتحاف السامع بمنهج الإمام مسلم في المسند الصحيح الجامع" نادر بن سعيد المبارك، مطبوعة دار ابن حزم.

یہ علامہ ابن القیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے جمع شدہ بہت قیمتی فوائد ہیں۔

٧- "منهج الإمام مسلم في نقد الرواة"

صفاء بنت خليل الصفدى، مطبوعة الجامعة الإسلامية غزة.

٨- منهج الإمام مسلم بن الحجاج في ذكر الأخبار المعلّلة من خلال كتابه المسند الصحيح".

أشور دهني، مطبوعة بوزارة التعليم العالى الجزائر.

٩- "من منهج الإمام مسلم في عرض الحديث المعلل في صحيحه"

الشيخ محمد عوامه: مطبوعة دارالیسر، دارالمنهاج.

مختصر پر بہت مفید رسالہ ہے۔

١٠- "منهج الإمام مسلم في صحيحه"

الدكتور أمين محمود القضاة،شرف محمود القضاة. مختصر پر جامع رسالہ ہے۔

سنن ابی داود کے منہج سے متعلقہ کتب:

١- "رسالة أبي داود إلى أهل مكة"

تعليق الشيخ زاهد الكوثري، مطبوعة مكتبة الأنوار قاهرة.

یہ علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر دو رسالوں کے ساتھ چھپا ہے، مختصر و مفید تعلیقات ہیں۔

٢- "رسالة أبي داود إلى أهل مكة"

تعليق الشيخ عبدالفتاح أبو غدة: مطبوعه مكتبة دار البشائر.

یہ مفصل اور بہت مفید تعلیقات ہیں۔ ثلاث رسائل کے تحت بہت عمدہ شائع ہوا ہے۔

٣- "رسالة أبي داود إلى أهل مكة"

تعليق محمد بن لطفي الصباغ، مطبوعة المكتب الإسلامي.

٤- "المدخل إلى سنن الإمام أبي داود"

محمد محمدي بن محمد جميل نورستاني مكتبة شؤون الفنيه.

٥- "أبوداود الإمام الحافظ الفقيه"

الدكتور تقي الدين ندوي المظاهري، دارالقلم دمشق.

اس کتاب میں سنن ابو داود کے منہج و خصائص پر عمدہ گفتگو ہے۔

٦- "الإمام أبو داود حياته وسننه"

محمد بن لطفي الصباغ، مجلة البحوث الإسلامية.

٧- "ماسكت عنه الإمام أبو داود مما في إسناده ضعف"

محمد بن هادي، المدخلي الجامعة الإسلامية، مدينة منورة.

سنن نسائی کے منہج سے متعلقہ کتب:

١- "الإمام النسائي ومنهجه في السنن"

عبد الهادي بن محمد روشو، دار ابن حزم.

٢- "الإمام النسائي وكتابه المجتبي"

عمر إيمان أبوبكر، مكتبة المعارف رياض.

٣- "المدخل إلى سنن النسائي"

الدكتور محمد محمدي بن محمد جميل نورستاني، المكتبة شؤون الفنية.

٤- "منهج الإمام عبدالرحمن النسائي في الجرح والتعديل وجمع أقواله في الرجال"

الدكتور قاسم علي سعد، دار البحوث للدراسات الإسلامية.

٥- "الرواة الذين ترجم لهم النسائي في كتابه الضعفاء والمتروكين وأخرج لهم في سننه"

عواد خلف، الجامعة الشارقة.

٦- "التعريف بالإمام النسائي والصناعة الحديثية في كتابه السنن"

سعد بن ضيدان السبيعي، المكتبة النور.

٧- "منهج الإمام النسائي في سننه الكبرى والمجتبى منها"

مشهور بن مرزوق بن محمد الحرازی. *مختصر رسالہ ہے۔*

سنن ترمذی کے منہج سے متعلقہ کتب:

١- "الإمام الترمذي ومنهجه في الجامع"

الدكتور عداب محمود الحمش، دار الفتح عمان.

٢- "منهج الإمام الترمذي في كتابه الجامع"

عبدالعزيز بن أحمد العباد، جامعة الكويت.

٣- "الإمام الترمذي والموازنة بين جامعه وبين الصحيحين"

الدكتور نورالدين عتر.

٤- "الإمام الترمذي الحافظ الناقد، فقيه السلف، وجامع السنن"

إياد خالد الطباع، دار القلم دمشق.

٥- "منهج الإمام الترمذي في نقد الحديث النبوي"

جامعة لإسكندرية.

٦- "منهج الإمام الترمذي في الحكم على الحديث بالحُسن في الجامع"

قبلي بن هني، جامعة وهران الجزائر.

٧- "حسن صحيح غريب عندالترمذي"

مريم عنان محمد البرش، جامعة الإسلامية غزة.

٨- في جامع الترمذي، حسن في جامع الترمذي، حسن غريب في جامع الترمذى دراسة حسن صحيح الترمذي".

یہ دراسات دار العلوم دیوبند کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے طلباء نے زیر اشراف مولانا نعمت اللہ اعظمی و مولانا عبد اللہ معروفی لکھے ہیں۔

٩- "السلسبيل فيمن تكلم فيه الترمذي بجرح أوتعديل"

محمد بن عبد الله الشنقيطي.

١٠- "عزالمعالي والمنازل لما في جامع الترمذي من الإسناد العالي والنازل".

محمد أكمل الدين، دار أحياء السنة.

سنن ابن ماجہ کے منہج سے متعلقہ کتب:

١- "الإمام ابن ماجه وكتابه السنن"

مولانا عبدالرشيد النعماني، مكتب المطبوعات الإسلامية.

٢- "المدخل إلى سنن الإمام ابن ماجة"

نورالدين بن عبدالسلام مسعي، مكتبة الشؤون الفنية.

٣- "منهج الإمام ابن ماجه"

فاضل بن خلف الحمادة الرقي، دار أطلس الخضراء.

٤- "سمات منهج ابن ماجه في سننه"

عائشة بنت فراج بن علي العقلا، جامعة أم القرى.

موطأامام مالک کے منہج سے متعلقہ کتب:

١- "الإمام مالك ومنهجه في الموطأ"

الدكتور عبدالعظيم خليل وعمر إدريس، جامعة كردفان سودان.

٢- "منهج الإمام مالك في الموطأ"

محمد بن محمد الحسن المورتاني، دار ابن حزم.

٣- "الإمام مالك وعمله بالحديث من خلال كتابه الموطأ"

محمد بن يحيي مبروك، دار ابن حزم.

٤- "المدخل إلى موطأ الإمام مالك بن أنس"

الشيخ أبو عاصم بشير، دار بن حزم.

٥- "المدخل إلى موطأ مالك بن أنس"

طاهر الأزهر خذيري، مكتبة شؤون الفنية.

شرح معانی الآثار للطحاوی کے منہج سے متعلقہ کتب:

١- **"الصناعة الحديثية في كتاب شرح معاني الآثار"**

خالد بن محمد محمود الشومان، مكتبة الرشد.

٢- **أبو جعفر الطحاوى وأثره في الحديث"**

عبد المجيد محمود، ايچ ايم سعيد كراتشي.

٣- **منهج الإمام الطحاوي في دفع التعارض بين النصوص الشرعية من خلال كتابه شرح مشكل الآثار"**

حسن بن عبدالحميد بن عبدالحكيم، الجامعة أم القرٰى.

اردو زبان میں مناہج محدثین سے متعلقہ چند کتب:

١- **"محدثین کے علمی کارنامے"**

مولانا تقی الدین ندوی صاحب، ادارہ مجلس نشریات اسلام کراچی۔

٢- **"محدثین عظام اور ان کی کتابوں کا تعارف"**

مولانا سلیم اللہ خان صاحب، مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی۔

٣- **"امام ابن ماجہ اور علم حدیث"**

مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب، مکتبۃ البشری کراچی۔

٤- **"اصول حدیث کے بعض اہم مباحث"**

مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب۔ الرحیم اکیڈمی کراچی۔

٥- **"حدیث اور فہم حدیث"**

مولانا عبد اللہ معروفی صاحب۔

٦- **"صحاح ستہ اور ان کے مصنفین"**

بلال عبد الحئ حسنی ندوی، سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی۔

باب اول

- شیخین رحمہما اللہ کی شروط
- ارباب سنن کی شروط
- امام مالک اور امام طحاوی رحمہما اللہ کی شروط

شیخین رحمہا اللہ کی شروط

شیخین یعنی امام بخاری و مسلم رحمہا اللہ نے صحیحین یا اپنی کسی دوسری کتاب میں تفصیل سے کہیں بھی اپنی شرط کا تذکرہ نہیں کیا کہ ہم اس شرط کے مطابق صحیحین میں احادیث لائیں گے۔ چنانچہ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اعلم أن البخاري ومسلما ومَن ذكرنا بعدهم لم يُنقل عن واحد منهم أنه قال: شرطت أن أخرج في كتابي مايكون على الشرط الفلاني، وإنما يُعرف ذلك من سَبْر كتبهم، فيعلم بذلك شرطُ كل رجل منهم".(۱)

یعنی امام بخاری و مسلم رحمہا اللہ اور جن کا ہم نے ان کے بعد تذکرہ کیا (یعنی صحاح ستہ کے باقی مؤلفین) ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں فلاں شرط کے مطابق احادیث کی تخریج کو شرط قرار دیا ہے۔ یہ تو صرف ان کی کتب کی جانچ پرکھ سے ہی پہچانی جاسکتی ہیں، لہذا اسی سے یعنی جانچ پرکھ سے ہی ان میں سے ہر ایک کی شرط معلوم کی جائے گی۔

اسی طرح علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شیخین رحمہا اللہ نے نہ صحیحین میں اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی کتاب میں اپنی شرائط کی تصریح کی ہے۔

یہاں شرط سے بظاہر صحت حدیث کے علاوہ اضافی شروط مراد ہیں ورنہ صحت حدیث کے اہتمام کی شرط تو ان حضرات سے منقول ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ما أدخلتُ في كتابي الجامع إلا ما صح، وتركتُ من الصِّحاح حتى لايطول.(۲)

یعنی میں نے اپنی اس کتاب جامع میں صرف صحیح روایت ہی شامل کی ہے، اور صحاح میں سے بہت ساری روایات میں نے طوالت سے بچنے کے لئے ترک کر دیں۔

اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے صرف اپنے نزدیک صحیح نہیں بلکہ اتفاقی طور پر صحیح روایات شامل کی ہیں۔

---

(۱) شروط الأئمةالستة، تحت ثلاث رسائل/ ۸۵.

(۲) "هدى الساري" ص: ۱۰، دار طيبة.

"قوله: ليس كل شيء عندي صحيحٌ وضعتُه هاهنا، إنما وضعت هاهنا ما أجمعوا عليه".(١)

اجماع محدثین سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ «ما أجمعوا عليه» سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی کیا مراد ہے؟ تو اس میں محدثین کی مندرجہ ذیل آراء پائی جاتی ہیں:

۱- محدثین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے اس اجماع واتفاق سے مراد ان کے اساتذہ کا اتفاق ہے، کہ ایک تو خود ان کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کی تھی اور ان کی رائے کے مطابق اس میں کمی بیشی کی تھی، چنانچہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا قول نقل کیا ہے:

"عرضتُ كتابي هذا على أبي زُرعة الرازي، فكل ما أشار أن له علةً تركتُه".(٢)

نیز حافظ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی «ما أجمعوا عليه» سے مراد چار حضرات کا اتفاق ہے: امام احمد بن حنبل، یحیی بن معین، عثمان بن ابی شیبہ، اور سعید بن منصور خراسانی۔(٣)

۲- ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی اس سے مراد یہ ہے کہ وہ روایات ذکر کروں گا جن میں صحت کی وہ شروط پائی جاتی ہوں جن پر محدثین کا اتفاق ہے، گو بعض روایات میں ان شروط کا ظہور بعض محدثین کے ہاں نہ ہوا ہو۔(٤)

۳- علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مراد وہ روایات ہیں جن میں نفس حدیث کی سند یا متن میں ثقات کا اختلاف نہ ہو (یعنی ثقات اس بات پر متفق ہوں کہ اس حدیث کی سند اور متن یہی ہے، صحت کے اعتبار سے اس کا درجہ کیا

---

(١) "صحيح مسلم": باب التشهد في الصلوٰة.

(٢) "صيانة صحيح مسلم من الإخلال": ص: ٦٨، دارالغرب، و"هدى الساري": ص: ٣٤٥.

(٣) "محاسن الإصطلاح"، ص: ٩١، و"تدرب الراوي" ص: ١٠٤، مكتبة الكوثر.

(٤) "مقدمة ابن صلاح" ص: ٢٦، و"تدريب الراوي " ص: ١٠٣، مكتبة الكوثر.

ہے؟ وہ بعد کی بات ہے) وہ مراد نہیں جن کی رواۃ کی توثیق میں اختلاف ہو۔(۱)

بہر حال حاصل کلام یہی ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ایسی صحیح روایت لاتے ہیں جس کی صحت پر کسی نہ کسی درجہ میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔

راوی اور مروی عنہ میں ملاقات کی شرط یا معاصرت پر اکتفاء:

ایک اور چیز جو شیخین کی شرط کے ان سے منقول نہ ہونے والی بات سے مستثنیٰ ہے، وہ حدیث معنعن کے بارے میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا راوی اور مروی عنہ میں معاصرت پر اکتفاء کرنا، جبکہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ممکن ہو، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ثبوت لقاء وسماع کو ضروری قرار دینا ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تو صراحتا اس بات کو اپنی "صحیح" کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے، اور محدثین کا اس پر اجماع بتلایا ہے، اور اس کے خلاف کے قائلین پر شدید الفاظ میں نکیر کی ہے، اور بہت سے حضرات علماء کے بقول ان قائلین ثبوت لقاء وسماع سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یا ان کے شیخ علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ یا یہ دونوں حضرات ہیں۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صراحتا تو اس شرط کا ذکر نہیں کیا، لیکن ان کی کتب بالخصوص «التاريخ الكبير» میں ان کے تصرفات اور احادیث میں علل کے تذکرے میں اس کا جگہ جگہ تذکرہ کرنا کہ یہاں فلاں راوی کا اپنے اس شیخ سے سماع ثابت نہیں، بتلاتا ہے کہ ان کے ہاں یہ شرط ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقد أظهر البخاري هذا المذهبَ في "التاريخ" وجَرى عليه في الصحيح، وهو مما يرجَّح به كتابه، لأنا وإن سلَّمنا ماذكره مسلم من الحكم بالاتصال، فلا يخفي أن شرط البخاري أوضحُ في الاتصال." (۲)

یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مذہب کا اظہار اپنی تاریخ میں کیا اور صحیح میں اسی پر

---

(۱) "تدريب الراوي" ص: ۱۰۴، مكتبة الكوثر.

(۲) "النكت على مقدمة ابن الصلاح" ص: ۶۶،دارالكتب العلمية.

چلے ہیں۔ اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کی وجہ سے ان کی کتاب کو "صحیح مسلم" پر ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے کہ اگر ہم یہ بات تسلیم کرلیں جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے (معاصرت پائے جانے کی صورت میں) اتصال کے حکم کی ذکر کی ہے، تو بھی یہ بات مخفی نہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط اتصال میں زیادہ واضح ہے۔

پھر بعض علماء نے جن میں حافظ ابن کثیر اور حافظ بلقینی رحمہما اللہ بھی شامل ہیں، اس لقاء وسماع کی شرط والی بات کو صحیح بخاری کی شرط قرار دیا ہے۔[1] لیکن بعض دیگر علماء نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ دوسری کتب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طرز عمل سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ ان کے ہاں صرف صحیح کی نہیں بلکہ صحت حدیث کی شرط ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس پر لکھتے ہیں:

"قلت: ادعى بعضهم أن البخاري التزم ذلك في جامعه لا في أصل الصحة، وأخطأ في هذه الدعوى، بل هذا شرط في أصل الصحة عند البخاري، فقد أكثَرَ من تعليل الأحاديث في تاريخه بمجرد ذلك".[2]

صحیح بخاری کے نام سے شرط بخاری کی تعیین:

کتاب کے نام سے بھی مصنف کی شرط و منہج کی تعیین کی جاتی ہے۔ صحیح بخاری کا پورا نام ہے:

"الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه".

اب اس نام سے صحت حدیث کے اہتمام کے علاوہ دو اور امور سامنے آتے ہیں:

ا۔ کتاب کا جامع ہونا:

یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر صرف حدیث کی کسی خاص صنف سے متعلق احادیث کا جمع کرنا نہیں تھا، بلکہ جمیع اصناف کی روایات لانے کا ارادہ تھا۔ گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے منہج میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ احکام وغیرہ کسی ایک صنف یا چند اصناف حدیث تک محدود نہیں رہیں

---

(١) "الباعث الحثيث"ص:٣١، و"محاسن الإصطلاح" دار الكتب العلمية.

(٢) "النكت على مقدمة ابن الصلاح": ص: ٢٣٠، دار الكتب العلمية.

گے، بلکہ حدیث کی آٹھوں اصناف سے متعلقہ روایات ذکر کریں گے۔

۲۔ مسند احادیث کے جمع کا اہتمام:

حدیث مسند سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے، مگر جمہور کے نزدیک اس سے حدیث مرفوع متصل مراد ہے۔

حدیث مرفوع سے مراد وہ حدیث ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، تقریر، ارادہ اور وصف وغیرہ کو بیان کرے۔

صحابہ و تابعین کے اقوال و فتاوی حدیث مرفوع میں نہیں آتے، جمع حدیث کے ابتدائی دور میں مرفوع احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے اقوال وغیرہ سب کتب احادیث میں شامل ہوتے، پھر مسانید کا زمانہ آیا تو اس میں مرفوع روایت ہوتی تھیں، لیکن صحیح، حسن اور ضعیف ہر طرح کی روایات شامل ہوتی تھیں۔

ایک دفعہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں موجود تھے تو انہوں نے فرمایا:

"لوجمعتم كتابا مختصراً لصحيح سنة النبي صلى الله عليه وسلم".

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں اتر گئی تو میں نے "الجامع الصحيح" کی جمع کا کام شروع کر دیا۔[1]

نیز فرماتے ہیں:

میں نے اس زمانے میں خواب دیکھا کہ گویا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا ہوں اور پنکھے سے آپ سے مکھیاں اڑا رہا ہوں۔ تو میں نے بعض معبّرین سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کذب کو دور کروگے، اس بات نے مجھے "الجامع الصحيح" لکھنے پر آمادہ کر دیا۔[2]

---

(۱) "هدى الساري":ص: ۸.

(۲)"المصدر السابق".

ان واقعات سے بھی ظاہر ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر صرف مرفوع احادیث کا جمع کرنا تھا۔

اور جہاں تک اتصال سند کی بات ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا غایت درجہ اہتمام کیا ہے، اور اصل کتاب میں احادیث متصلہ ہی لائے ہیں، منقطع روایات کو تراجم ابواب وغیرہ میں تبعا لائے ہیں، بلکہ گذشتہ بحث میں حدیث معنعن کے بارے میں جو لقاء کی شرط والی بات گذری ہے وہ درحقیقت اتصال سند سے ہی متعلق ہے، اور اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط اتصال روایت میں کتنی شدید ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مدار الحديث الصحيح على الاتصال وإتقان الرجال، وعند التأمل يظهر أن كتاب البخاري أتقن رجالا وأشد اتصالا".[1]

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط سے متعلق ان کی تصریح اور "تسمية الكتاب" سے تین چیزیں معلوم ہوئیں اور چوتھی بات ان کے تصرف اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے اس مسئلہ میں اختلاف سے معلوم ہو گئی۔

وہ چار چیزیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صرف صحیح احادیث کے جمع کا اہتمام۔

۲۔ مسند روایات کے جمع کا اہتمام۔

۳۔ کتاب کا حدیث کی مختلف اصناف کو جامع ہونا۔

۴۔ حدیث معنعن میں راوی اور مروی عنہ میں لقاء کی شرط۔

صحیح مسلم کے نام سے شرط مسلم کی تعیین:

صحیح مسلم کا پورا نام ہے: "المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل عن رسول الله صلى الله عليه وسلم"[2].

---

(۱)"هدى الساري":ص: ۱۸.

(۲)"مشارق الأنوار على صحاح الآثار" ص: ۱۰، ط: المكتبة العتيقة.

اس نام اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شروط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صرف صحیح احادیث کے جمع کا اہتمام۔

۲۔ صرف مسند یعنی مرفوع متصل روایات کے جمع کرنے کا اہتمام۔

۳۔ حدیث معنعن میں راوی اور مروی عنہ میں معاصرت پر اکتفاء کرنا جبکہ ان دونوں کی ملاقات ممکن ہو۔

اس کے علاوہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب بھی صحیح بخاری کی طرح حدیث کی مختلف اصناف کو جامع ہے، سوائے کتاب التفسیر کے کہ وہ "صحیح مسلم" میں مختصر ہے۔

صحت حدیث وغیرہ کے علاوہ شیخین کی امتیازی شروط کی تعیین:

مذکورہ بالا شروط تو معلوم و مشہور ہیں، اس لئے شرط شیخین کے عنوان کے تحت عموما ان پر گفتگو نہیں ہوتی، بلکہ وہاں عموما یہ بات زیر بحث ہوتی ہے کہ: صحیحین کو جو کتب حدیث میں ایک امتیاز حاصل ہے اور امت میں قبول عام نصیب ہوا ہے (جسے تلقی بالقبول سے تعبیر کرتے ہیں) تو وہ امتیاز جمع احادیث میں صحت حدیث کے علاوہ، ان کی ان کڑی شرائط کی بنیاد پر ہے، جن کا انہوں نے صحیحین میں اہتمام کیا ہے۔

اب وہ امتیازی شروط کونسی ہیں؟ اس بارے میں شیخین کی کوئی تصریح نہیں ملتی، پیچھے جو حافظ ابن طاہر المقدسی اور علامہ نووی رحمہما اللہ کے اقوال گذرے کہ شیخین سے ان کی شرط منقول نہیں، تو اس سے یہ اضافی شروط جو جمع کتاب میں ان حضرات کے پیش نظر تھیں، مراد ہیں۔

ان شروط کی تعیین ائمہ محدثین نے شیخین رحمہما اللہ کی کتب کی جانچ پرکھ اور ان کے طرز عمل کا بغور جائزہ لے کر کی ہے؛ اس لئے ان میں خاصا اختلاف ہو گیا اور مختلف اقوال سامنے آئے، اور تقریبا ہر قول پر کچھ نہ کچھ اشکال بھی کیا گیا؛ اس لئے بعض حضرات تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ درحقیقت شیخین رحمہما اللہ کے پیش نظر صرف صحیح احادیث کا جمع کرنا تھا، اس کے علاوہ کسی بھی چیز کو حتمی طور پر ان کی شرط قرار نہیں دیا جاسکتا کہ یوں کہا جائے کہ شیخین رحمہما اللہ نے اس بات کو شرط ٹھہرا کر احادیث جمع کی ہیں۔

صحت حدیث کے اعتبار سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ تقسیم:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" کے مقدمہ میں احادیث کو تین اقسام پر تقسیم کیا ہے:

۱۔ وہ روایات جو حفاظ اور متقن رواۃ سے منقول ہیں۔

۲۔ وہ روایات جو مستور اور حفظ وضبط میں درمیانے درجہ کے حامل رواۃ سے منقول ہیں۔

۳۔ ضعفاء اور متروکین سے مروی روایات۔

پھر فرمایا کہ جب وہ پہلی قسم کی روایات سے فارغ ہو جائیں گے تو دوسری قسم کی روایات لائیں گے اور تیسری قسم کی طرف توجہ نہیں کریں گے۔ (۱)

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی جو دو قسموں کی روایات لانے کا امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ارادہ ظاہر کیا تھا وہ اسی کتاب یعنی "صحیح مسلم" میں پورا کر دیا، یا پھر اس میں صرف پہلی قسم کی روایات لائے ہیں اور دوسری قسم کی روایات کے لئے مستقل کتاب لکھنا چاہتے تھے؟

تو اس سوال کے جواب میں علماء کی آراء مختلف رہی ہیں:

۱- امام حاکم نیشاپوری اور امام بیہقی رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب میں صرف پہلے طبقے کی روایات لائے ہیں، اور دوسرے طبقے کی روایات کے لئے وہ مستقل کتاب تالیف کرنا چاہتے تھے مگر اجل نے ان کو مہلت نہ دی۔ (۲)

۲- جبکہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پہلے طبقے کی روایات اصلا لائے ہیں، اور دوسرے طبقے کی روایات کو متابعت اور استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے۔ (۳)

متاخرین میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

(۱) "مقدمة صحيح مسلم":، ص: ۴.

(۲) **"المنهاج شرح صحيح مسلم"**: ۲۳/۱، ط: دار أحيار التراث.

(۳) **"أيضا"**.

وما قاله عياض، ظاهر جدا. [1]

جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ امام حاکم وامام بیہقی رحمہما اللہ کی موافقت میں ہیں وہ فرماتے ہیں: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کو اس وجہ سے اشتباہ ہوا کہ قسم ثانی کی روایات "صحیح مسلم" میں موجود ہیں، لیکن زیر بحث تو یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات سے ویسے ہی احتجاج (استدلال) کیا ہے جیسا کہ قسم اول سے کرتے ہیں؟

اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس قسم کی کسی بھی ایسی روایت کی تخریج نہیں کی جس میں وہ منفرد ہوں، اور پہلی قسم کی روایت کی انہوں نے بہر حال تخریج کی ہے چاہے ان کے راوی ان روایات کی نقل میں متفرد ہوں یا نہیں، اور دوسری قسم سے صرف ان رواۃ کی روایات لائے ہیں جن کا ان روایات میں تفرد قسم اول کی احادیث کی وجہ سے دور ہو چکا ہو، اسی طرح کبھی قسم ثانی کی وہ روایات بھی لاتے ہیں جن کے طرق کثیر ہوں جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہوں۔

اور یہ امر تو ان کی کتاب میں پوری طرح ظاہر وواضح ہے کہ اگر وہ قسم ثانی کی روایات کی اصول کتاب میں تخریج کرتے، بلکہ صرف متابعات میں بھی اگر (پورے اہتمام سے) ان کی تخریج کرتے تو ان کی کتاب کی مقدار موجودہ مقدار سے کئی گنا زیادہ ہوتی۔ [2]

پھر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض رواۃ کا بطور مثال تذکرہ کیا ہے کہ ان کی سب روایات امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نہیں لائے بلکہ قسم اول کی متابعت میں ہی کہیں لائے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو سند صحیح سے علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے کہ: امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد محمد بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تین کتابیں تصنیف کی تھیں: ایک تو وہ جسے لوگوں کے سامنے پڑھا یعنی یہ کتاب الصحیح، اور دوسری وہ جس میں عکرمہ واسحاق اور ان جیسے رواۃ تھے، اور تیسری ضعفاء پر مشتمل تھی۔ [3]

---

(١) "**تدريب الراوي**": ١٠٣/١، مكتبة الكوثر.

(٢) "**النكت**" لابن حجر: ص: ٤٣٤، مجلس علمي المدينة المنورة.

(٣) "**المرجع السابق**" و "**توضيح الافكار**" ص: ١٨٤، دار الكتب العلمية.

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: اس روایت سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ یہ تو اس غرض کے خلاف ہے جو خود امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ میں اپنی کتاب کی ذکر کی ہے، اور جس کی طرف امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے (کہ وہاں فرمایا کہ پہلی دو قسم کی روایات لاؤں گا اور تیسری قسم کی روایات کی طرف توجہ نہیں کروں گا)۔

بہر حال یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صحت حدیث کے علاوہ شیخین رحمہما اللہ کے ہاں اضافی شرط نہ ہونے کے قائلین:

حافظ ابو بکر محمد بن موسی حازمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ «شروط الأئمة الخمسة» میں گو طبقات کے ذریعے شیخین رحمہما اللہ کی شرط کی تعیین کی کوشش کرتے ہیں، لیکن آخر میں فرماتے ہیں:

"فقد ظهر بهذا أن قصد البخاري كان وضعَ مختصر في الحديث، وأنه لم يقصد الاستيعاب لا في الرجال، ولافي الحديث، وأن شرطه أن يُخرج ما صح عنده، لأنه قال: لم أخرج في هذا الكتاب إلا صحيحا، ولم يتعرض لأمر آخَر".(١)

یعنی اس (اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس والے واقعہ) سے یہ بات ظاہر ہو گئی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود حدیث میں ایک مختصر کتاب تالیف کرنا تھا، اور انہوں نے استیعاب کا قصد ہی نہیں کیا نہ تو رجال میں اور نہ ہی حدیث میں، اور ان کی شرط یہ تھی کہ وہ اس حدیث کو لائیں گے جو ان کے ہاں صحیح ہو گی، اس لئے کہ انہوں نے خود فرمایا کہ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیث کی تخریج کی ہے، اور وہ کسی دوسرے امر کے درپے نہیں ہوئے۔

اسی طرح امیر صنعانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب «توضيح الأفكار» میں شرط شیخین میں مشہور چار اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ولكنه لا يخفى بعد هذا كله: أن جعلَ شرطهما ما ذُكر من أحد الأربعة الأقوال، إنما هو تظنّن وتخمين من العلماء أنه شرط لهما، إذ لم يأت عنهما تصريحٌ بما شرطاه، نعم

(١) "شروط الأئمة الخمسة تحت ثلاث رسائل" ص: ١٦٣، مكتبة المطبوعات الإسلامية.

مسلم قد أبان في "مقدمة صحيحه" من يُخْرج عنه حديثه".(۱)

"یعنی اس سب کے بعد یہ بات مخفی نہیں کہ مذکورہ چاروں اقوال میں سے کسی ایک کو بھی ان دونوں حضرات کی شرط قرار دینا یہ تو صرف علماء کی جانب سے اندازہ لگانا اور گمان قائم کرنا ہے کہ یہ شیخین رحمہا اللہ کی شرط ہے، جبکہ خود ان سے اس کی تصریح منقول نہیں کہ انہوں نے یہ شرط لگائی ہو، ہاں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ضرور اپنے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ وہ کس طرح کے رواۃ سے احادیث لائیں گے"۔

مقدمہ مسلم میں جو رواۃ کے تین طبقات ذکر کئے ہیں اس کی طرف اشارہ ہے، اس سے بھی صحت حدیث کے اہتمام کے علاوہ کوئی اضافی شرط معلوم نہیں ہوتی۔

اسی وجہ سے قریبی دور کے محقق عالم مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہی تھا کہ صحت حدیث کے علاوہ شیخین رحمہا اللہ کے پیش نظر مزید کوئی شرط نہ تھی۔ انہوں نے اپنی کتاب اصول حدیث کے بعض اہم مباحث میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔

شرط شیخین رحمہا اللہ کی تعیین میں محدثین کے اقوال:

ائمہ محدثین نے اپنے استقراء اور "صحیحین" کے بغور جائزے کے ذریعے جن شروط کی تعیین کی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حافظ محمد بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (ت۵۰۷ھ) اپنے رسالہ «شروط الأئمة الستة» میں فرماتے ہیں: شیخین رحمہا اللہ صرف ان رواۃ سے روایت لاتے ہیں جن کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہو۔ گویا رواۃ کی ثقاہت پر اتفاق ان کے نزدیک شیخین رحمہا اللہ کی شرط ہے۔(۲)

۲۔ حافظ ابو بکر محمد بن موسی حازمی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

حافظ ابو بکر محمد بن موسی حازمی رحمۃ اللہ علیہ (ت:۵۸۴ھ) اپنے رسالہ «شروط الأئمة الخمسة» میں

---

(۱) "توضيح الأفكار": ص: ۱۰۷، دار الكتب العلمية.

(۲) "ثلاث رسائل": ص: ۸٦، ط:مكتب المطبوعات الإسلامية.

شیخین رحمہا اللہ کی شرط: عدالت، ضبط واتقان، اور شیخ کیساتھ طول ملازمت کی بناء پر قائم کردہ پانچ طبقات میں سے طبقہ اولی کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور طبقہ ثانیہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط قرار دیتے ہیں، مع اس کیفیت کی رعایت کے جس کا ان حضرات نے راوی کے مروی عنہ سے روایت کرنے میں التزام کیا ہے۔

نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ ایک تقریبی اندازہ ہے حتمی تعیین نہیں ہے۔[1]

۳۔ علامہ نووی، حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر، ابن دقیق العید رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے:

ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ شیخین رحمہا اللہ کے رجال ہی ان کی شرط ہیں، یعنی امام بخاری و مسلم رحمہا اللہ اعلی درجے کے اوصاف کے رواۃ کا انتخاب کرکے بس ان سے روایت لاتے ہیں، اور جن سے وہ حضرات اپنی کتاب میں روایت لے آئے بس وہ طے شدہ رواۃ ہی ان کی شرط ہیں۔

۴۔ حافظ ابو عبد اللہ الحاکم اور علامہ بیہقی رحمہا اللہ کی رائے:

ان کے مطابق شیخین رحمہا اللہ کی شرط یہ ہے کہ: ہر راوی سے روایت کرنے والے کم از کم دو راوی ہوں۔

نیز امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے «مستدرک علی الصحیحین» کے مقدمہ میں یہ بھی کہا کہ شیخین رحمہا اللہ کے رواۃ کے مثل (مانند) رواۃ سے میں اس کتاب میں احادیث لاؤں گا۔ گویا ان کے نزدیک یہ دو باتیں شرط ہیں:

۱۔ اس راوی سے کم از کم دو شخص روایت کرتے ہوں۔

۲۔ اوصاف میں شیخین رحمہا اللہ کے رواۃ کی مثل ہونا۔(۲)

حافظ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ شرط کا جائزہ:

ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب «شروط الأئمة الستة» میں لکھتے ہیں:

"شرط البخاری ومسلم أن يُخرجا الحديثَ المتفقَ على نَقَلته إلى الصحابي المشهور من

---

(۱) "ثلاث رسائل": ص: ۱۵۱، ط:مكتب المطبوعات الإسلامية.

(۲) "المستدرك على الصحيحين" ۲/۱، ط: دار المعرفة، بيروت.

غير اختلافٍ بين الثقات الأثبات".[1]

یعنی امام بخاری و مسلم رحمہا اللہ کی شرط یہ ہے کہ وہ اس حدیث کی تخریج کرتے ہیں جس کے کسی مشہور صحابی تک ناقلین کے ثقہ ہونے پر ائمہ اثبات کا اتفاق رائے ہو۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی تردید:

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وليس ما قاله بجيّدٍ، لأن النسائيَّ ضعّف جماعة أخرج لهم الشيخانِ أو أحدهما".[2]

یعنی حافظ ابن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی مضبوط بات نہیں کہی، کیونکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جماعت کی تضعیف کی ہے جن کی روایات شیخین یا ان میں سے کسی ایک نے روایت کی ہیں۔

امیر یمانی رحمۃ اللہ علیہ اس پر فرماتے ہیں:

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ تو صرف بطور مثال کیا ہے ورنہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے شیخین رحمہا اللہ کے رواۃ پر جرح میں اور حضرات مثلاً: امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی ان کے شریک ہیں، جیسا کہ اس فن کی کتب میں معروف ہے۔[3]

اس اشکال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ شیخین رحمہا اللہ نے اپنے زمانہ تک کے ائمہ کرام کے اتفاق رائے کا اہتمام کیا ہے، اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ تو شیخین رحمہا اللہ کے بعد کے ہیں، لہذا ان کی جرح مضر نہ ہوگی، کہ ظاہر ہے شیخین رحمہا اللہ نے یہ التزام تو نہیں کیا کہ بعد میں آنے والوں میں سے بھی کوئی ان رواۃ پر جرح نہ کرے گا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس جواب پر فرماتے ہیں:

اگر تو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف ان کے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ہے یا کسی معاصر سے نقل کی ہے تو پھر تو یہ جواب دیا جاسکتا ہے، اور اگر انہوں نے متقدمین میں سے کسی سے تضعیف نقل کی

---

(١) "شروط الأئمة الستة تحت ثلاث رسائل": ص: ٨٦، مكتب المطبوعات الإسلامية.

(٢) "شرح التبصرة والتذكرة": ١/١٢٦، دارالكتب العلمية.

(٣) "توضيح الأفكار": ص: ٩٨، دار الكتب العلمية.

ہے تو پھر یہ جواب درست نہ ہو گا، پھر فرماتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخین رحمہما اللہ سے متقدمین ائمہ سے بھی تضعیف نقل کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا جواب:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

البتہ یہ ممکن ہے کہ ابن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے یہ جواب دیا جائے کہ انہوں نے جو کہا شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اصل بنیاد وہی ہے، البتہ کبھی کبھی کسی امر عارض یا کسی دوسرے خارجی مرجح کی وجہ سے غیر متفق علیہ ثقات کی روایات انہوں نے لے لی ہیں۔[1]

یعنی ان حضرات کے پیش نظر تو یہی تھا کہ ایسے رواۃ سے روایات لیں گے جن کی ثقاہت متفق علیہ ہو اور کسی کو بھی ان کے ثقہ ہونے میں اختلاف نہ ہو، پھر کبھی کبھار مختلف فیہ رواۃ سے بھی نقل کر لیا، جبکہ دیگر قرائن سے اس روایت کو تقویت حاصل ہو گئی۔

شیخ عوّامہ حفظہ اللہ نے «حاشية التدريب» میں واقعات وشواہد کے ذریعے اس جواب کی تائید کی ہے۔

۵۔ ابو حفص میانجی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

شرط شیخین رحمہما اللہ کے بارے میں ایک قول ابو حفص میانجی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے جو انہوں نے اپنے رسالہ «ما لايسع المحدث جهله» میں ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"صحیحین" میں شیخین رحمہما اللہ کی شرط یہ ہے کہ صرف وہ حدیث ان میں درج کریں جو ان کے نزدیک صحیح ہو یعنی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا دو سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت کریں، اور ہر صحابی سے چار یا چار سے زیادہ تابعین، اور ہر تابعی سے چار سے زیادہ تبع تابعین راوی ہوں۔[2]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابو حفص میانجی رحمۃ اللہ علیہ کے اس دعوے پر لکھتے ہیں:

---

(۱) "النكت الوفية": ۱/۱۵۸، مكتبة الرشد، و"تدريب الراوي": ۲/٤٦٦، دار المنهاج.

(۲) "خمس رسائل في علوم الحديث" ص: ۲٦٦.

"وهو كلام مَنْ لم يُمَارس الصحيحين أدنى مُمَارسة، فلو قال قائلٌ: «ليس في الكتابين حديث واحد بهذه الصفة» لَمَا أبعد".(١)

یعنی یہ اس شخص کی بات ہے جس کو "صحیحین" کی ادنی ممارست بھی حاصل نہ ہو، اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ "صحیحین" میں اس صفت کی ایک حدیث بھی نہیں پائی جاتی تو یہ بات بعید نہیں۔

تو اس آخری قول کو تو حقیقت سے بعید ہونے کی وجہ سے کسی نے بھی قبول نہیں کیا، اس کے علاوہ باقی چار اقوال میں جمع و تطبیق بھی ممکن ہے، لہذا ہم ان کا اور ان پر وارد ہونے والے اشکالات کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

حافظ ابو بکر حازمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ شرط کا جائزہ:

حافظ ابو بکر محمد بن موسیٰ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے «شروط الأئمة الخمسة» میں پہلے صحیح حدیث کی شرائط ذکر کیں، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح کا استخراج کرنے والے ائمہ، عادل راوی اور اس کے شیوخ کے درمیان تعلق اور مناسبت کا بھی لحاظ رکھتے ہیں کہ بعض اوقات ایک راوی اپنے بعض شیوخ سے روایت کرنے میں تو ثقہ ہوتا ہے، اور بعض دیگر سے روایت میں ضعیف ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی ان دوسرے شیوخ سے روایت کو متابعت اور شواہد کے طور پر تو قبول کیا جاسکتا ہے، اصالتاً نہیں لے سکتے۔

(یعنی علی الاطلاق کسی راوی کی روایت کا درجہ متعین نہیں کرسکتے کہ ایک ہی راوی کے احوال مختلف ہو سکتے ہیں، اور مختلف اساتذہ کی صحبت اور ہمنشینی میں فرق کی وجہ سے ان سے روایت کے قوۃ وضعف میں فرق آسکتا ہے، اسی وجہ سے حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے اساتذہ کی رفاقت اور لمبے عرصہ تک ان کی خدمت میں رہنے کا بھی اعتبار کیا ہے کہ جن اساتذہ کے ساتھ زیادہ عرصہ سفر وحضر میں رہنے کا اتفاق ہوا آدمی ان کی روایات کو اچھی طرح سے پہچان لیتا ہے، اور

---

(١) "النكت" لابن الصلاح: ص: ٤٢، تدريب الراوي" ١/٧٠، ت: أبو قتيبة نظر محمد الفاريابي، ط: دار طيبة.

غلطی کا امکان کم ہو جاتا ہے، بنسبت ان اساتذہ کے جن سے ایک دوبار ملاقات کی نوبت آئی کہ وہاں غلطی کا امکان نسبتاً زیادہ ہے)۔

پھر حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے عدالت اور ضبط واتقان کیساتھ، اساتذہ کے ساتھ طول ملازمت اور عرصے تک رفاقت کو بنیاد بنا کر پانچ طبقات ذکر کئے ہیں اور بطور مثال امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے۔

ان کے ذکر کردہ طبقات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ وہ طبقہ جو عدالت اور حفظ واتقان میں اعلی درجے کا حامل ہے اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کیساتھ ایک لمبا عرصہ (سفر وحضر میں) ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے، لہذا ان کی احادیث کی پوری ممارست حاصل ہے۔ یہ طبقہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط اور بنیادی ہدف ہے۔

۲۔ وہ طبقہ جو عدالت میں تو پہلے طبقے کی طرح ہے، لیکن اپنے شیخ کیساتھ طول ملازمت وصحبت حاصل نہیں اور حفظ واتقان میں بھی پہلے طبقے سے کچھ کم ہے۔ یہ طبقہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط ہے۔

۳۔ وہ طبقہ ہے جو استاد کی رفاقت اور ساتھ رہنے میں پہلے طبقے کی طرح ہے، لیکن جرح کے اسباب اور اس کی آفات سے محفوظ نہیں ہے، یہ لوگ قبول اور ردّ کے درمیان دائر ہیں، یہ طبقہ امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ کی شرط ہیں۔

۴۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جرح وتعدیل کے اعتبار سے تو طبقہ ثالثہ کے رواۃ کی طرح ہیں، لیکن ان کی طرح استاد کے ساتھ زیادہ عرصہ رہنے کا اتفاق ان کو نہیں ہوا۔ (گویا جرح کے علاوہ قلت ممارست کا مسئلہ بھی ان کو درپیش ہے) یہ طبقہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط ہے۔

۵۔ وہ ضعفاء اور مجہولین کی جماعت ہے۔

ابواب فقہیہ پر احادیث مرتب کرنے والوں کے لئے ان لوگوں کی احادیث کی تخریج درست نہیں، مگر یہ کہ بطور متابعت اور شواہد کے ذکر کی جائیں (یعنی ان لوگوں کی روایات احکام پر استدلال کے معاملے میں صرف متابعت اور شواہد کے طور پر ہی لائی جاسکتی ہیں، اصالتاً نہیں ذکر

کی جاسکتیں) اور ایسے رواۃ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے کم درجے کی شرط والوں کے ہاں ہیں، شیخین رحمہما اللہ نے ایسے رواۃ سے روایت نہیں لی۔

پھر ان طبقات کی امثلہ ذکر کر کے لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی طبقہ ثانیہ سے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ طبقہ ثالثہ سے اور امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ طبقہ رابعہ کے مشہور رواۃ سے روایت لے لیتے ہیں، اور یہ عموماً کچھ اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے جو ایسا کرنے کا تقاضا کرتے ہیں۔

یہ سب ذکر کرنے کے بعد حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ حتمی طور پر اس کو صحاح ستہ کے مؤلفین کی شرط قرار نہیں دیتے، بلکہ ان حضرات کا جو معیار جمع احادیث میں تھا اس کا ایک تقریبی اندازہ قرار دیتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"وليس غرضي في هذا الباب ترتيبهم على وزن ما قد خرجوا في الصحاح، وإنما قصدي التنبيه والتعريف".(۱)

یعنی میرا مقصد اس بارے میں یہ نہیں کہ صحاح میں ان حضرات نے جو تخریج کی ہے وہ اسی ترتیب کے موافق ہے، میرا مقصد تو صرف تنبیہ کرنا اور آگاہ کرنا ہے۔

پھر آگے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"إنَّ قصد البخاري كان وضع مختصر في الصحيح، ولم يقصد الاستيعاب لا في الرجال ولا في الحديث، وإن شرطه أن يخرج ماصحّ عنده،لأنّه قال:«لم اخرج في الكتاب إلّا صحيحا» ولم يتعرضّ لشيء آخر".(۲)

یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود صحیح احادیث کی ایک مختصر کتاب کا تالیف کرنا تھا، استیعاب ان کا مقصود نہ تھا نہ رجال میں نہ حدیث میں، اگرچہ انہوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ جس حدیث کی بھی تخریج کریں گے وہ ان کے نزدیک صحیح ہوگی، اس لیے انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے اس

---

(۱) "شروط الأئمة الخمسة تحت ثلاث رسائل": ص: ۱۵۰–۱۶۳، مكتب المطبوعات الإسلامية.

(۲) "المصدر السابق":

کتاب میں جس حدیث کی بھی روایت کی ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے، اس کے علاوہ وہ کسی اور چیز کے درپے نہیں۔

گویا حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر حقیقی معنوں میں کوئی چیز شرط ہے تو وہ بس یہ ہے کہ جو روایت ان کے ہاں صحیح ہوگی وہ بس اس کی تخریج کریں گے (اور اس میں بھی استیعاب ان کے پیش نظر نہیں)۔

حافظ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کا حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ شرط پر اشکال:

اس پر حافظ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشکال کیا ہے کہ یہ اساتذہ کے ساتھ لمبے عرصے تک کی ہمنشینی جسے حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے بنیاد بنایا ہے یہ محل نظر ہے، کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک حدیث معنعن کے مسئلے میں معلوم ہو گیا کہ وہ ایک مرتبہ ملاقات کے ثبوت کو بھی کافی سمجھتے ہیں، اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ تو سرے سے ملاقات کے ثبوت کے بھی قائل نہیں، بلکہ صرف معاصرت کو ہی کافی خیال کرتے ہیں، جبکہ لقاء ممکن ہو تو یہ طول ملازمت والی بات جسے حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے بنیاد بنایا ہے ان حضرات کی شرط کیسے قرار دی جاسکتی ہے؟

"ولفظه: وأقرب الأقوال إلى شرطهما كلامُ الحازمي، لأنه فرَّق بين الشرطين إلا أنه يَرِد عليه أنه قال: شرط مسلم أن يخرج عن من هم في أعلى درجات الإتقان، ولازموا مَنْ أخذوا عنه ملازمة طويلة، أو عمن ليسوا في أعلى درجات الإتقان ولا لازموا مَنْ رَوَوا عنه ملازمة طويلة، فأفاد أن مسلما يشترط اللقاء إذ هو لازم الملازمة طويلةً كانت أو غير طويلة، وقد عرفتَ أن مسلما صرح بخلاف هذا، بل هو مهجن على من اشترطه، إلا أن يخص كلام الحازمي بغير ما رواه مسلم بالعنعنة، وفيه بعد هذا الحمل تأمل".(١)

حافظ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس اشکال کا کیا جواب دیا گیا ہے وہ تو میرے علم میں نہیں، البتہ یہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں "لقاء ولومرة" والی بات اقل ترین درجہ کی شرط ہے، یعنی یہ کم از کم درجہ ہے کہ ایک دفعہ تو ملاقات ہوئی ہو، اور وہ بھی حدیث معنعن میں

---

(١) "توضيح الأفكار": ص: ١٠٦، دار الكتب العلمية.

ہے، ورنہ عام طور پر اساتذہ کی ہمنشینی ان کے ہاں وجہ ترجیح ضرور ہوتی ہے، تو عام طور پر تو ان کا ہدف یہ پہلے دو طبقے ہیں، لیکن کہیں ایسا نہ ہو سکے تو اقل درجے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ملاقات اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ صرف معاصرت پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں، اور خود حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان طبقات کو شرط قرار دینے پر اصرار نہیں ہے، وہ تو کہہ رہے ہیں کہ یہ ایک تقریبی اندازہ اور (عمومی طرز عمل) ہے، کسی جگہ کسی وجہ سے اس کے خلاف ہو سکتا ہے، جیسا کہ حافظ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ان حضرات کا عمومی طرز عمل تو یہی ہے، البتہ کسی عارض یا مرجح کی وجہ سے اس کے خلاف کریں تو وہ الگ بات ہے۔ تو ایسا ہی حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے بھی کہا جا سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "صحيح بخاري" کی "صحيح مسلم" پر جو وجوہ ترجیح بیان کی ہیں وہاں ان کے کلام سے حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

"والوجه الثالث: أن الذين انفرد بهم البخاري ممن تُكلم فيه أكثرُهم من شيوخه الذين لقيهم وعَرَف أحوالهم واطلع على أحاديثهم فميزجيدَها من رديها، بخلاف مسلم فإن أكثر من تفرد بتخريج حديثه ممن تُكلم فيه من المتقدمين، وقد أخرج أكثر نُسَخِهم كما قدمنا ذكره".(١)

گو یہ کلام متکلم فیہ رواۃ کے بارے میں ہے، لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ احادیث کے انتخاب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شیوخ کی ہمنشینی اور طول ملازمت بھی پیش نظر تھی، واللہ أعلم بالصواب۔

ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری اور علامہ بیہقی رحمہما اللہ کی رائے:

امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المدخل إلى الإكليل" میں حدیث صحیح کی دس قسمیں ذکر کی ہیں، ان میں سے پانچ کو متفق علیہ اور پانچ کو مختلف فیہ قرار دیا ہے، جو پانچ قسمیں

---

(١) "النكت": لابن حجر: ص: ٦٥، دار الكتب العلمية.

ان کی رائے کے مطابق متفق علیہ ہیں، ان میں سے پہلی قسم وہ ذکر کی ہے جسے شیخین رحمہما اللہ نے روایت کیا ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

"فالقسم الأول من المتفق عليها: اختيار البخاري ومسلم، وهو الدرجة الأولى من الصحيح، ومثاله الحديث الذي يرويه الصحابي المشهور بالرواية عن الرسول صلى الله عليه وسلم، وله راويان ثقتان، ثم يرويه (عنه) التابعي المشهور بالرواية عن الصحابة، وله راويان ثقتان، ثم يرويه عنه(من اتباع التابعين)الحافظ المتقن المشهور، وله رواة ثقات من الطبقة الرابعة، ثم يكون شيخ البخاري أو مسلم حافظا متقنا مشهورا بالعدالة في روايته، فهذه الدرجة الأولى من الصحيح". (١)

یعنی متفق علیہ اقسام میں سے قسم اول وہ ہے جو امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی اختیار کردہ ہو، اور وہ حدیث صحیح کا پہلا درجہ ہے، اور اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے کوئی ایسا صحابی روایت کرے جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے میں مشہور ہو اور اس سے کم از کم دو ثقہ راوی روایت کرتے ہوں، پھر اس صحابی رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسا تابعی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرے جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرنے میں مشہور ہو، اور ایسا ہو کہ اس سے کم از کم دو ثقہ اشخاص روایت کرتے ہوں، اور اس تابعی سے کوئی ایسا تبع تابعی روایت کرے جو حافظ و متقن ہو روایت حدیث میں مشہور ہو اور اس سے چند ثقات روایت کرتے ہوں، پھر اس سے بخاری و مسلم رحمہما اللہ کے شیخ روایت کریں جو حافظ و متقن اور وصف عدالت سے متصف ہوں، تو یہ صحیح روایات کا اول درجہ ہے۔

نیز معرفۃ علوم الحدیث میں فرماتے ہیں:

"وصفة الحديث الصحيح أن يرويه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم صحابي زائل عنه إسم الجهالة، وهو أن يروى عنه تابعيان عدلان ثم يتداوله أهل الحديث بالقبول إلى وقتنا هذا كالشهادة على الشهادة". (٢)

---

(١) "المدخل إلى معرفة كتاب الإكليل": ص: ٧٣، دار ابن حزم.

(٢) "معرفة علوم الحديث": ص: ٢٤٢، دار ابن حزم.

اس کلام کے آخر میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کو شہادت علی الشہادت سے تشبیہ بھی دی ہے۔

تو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شیخین رحمہما اللہ ایسے رواۃ سے روایت لاتے ہیں جن سے (کسی بھی روایت کو) نقل کرنے والے دو ہوں تاکہ اس سے جہالت زائل ہو چکی ہو۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کی ان کے شاگرد علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے موافقت کی ہے، اور حافظ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔[1]

حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کی غلط فہمی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام «وله راويان ثقتان» سے حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھے کہ "له" کی ضمیر کا مرجع حدیث ہے، اس صورت میں مطلب یہ بنتا ہے کہ شیخین رحمہما اللہ کی شرط یہ ہے کہ ہر حدیث کے ہر طبقے میں کم از کم دو راوی ہوں، گویا امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر حدیث کا عزیز ہونا شیخین رحمہما اللہ کی شرط ہے۔ لہذا انہوں نے اپنے رسالہ «شروط الأئمة الخمسة» میں حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ بات منسوب کر کے پر زور تردید کی ہے، اور اس پر مثالیں قائم کی ہیں کہ "صحیحین" کی بہت سی روایات غریب ہیں۔[2]

لیکن بعد کے محققین جیسے حافظ ابن حجر، علامہ سخاوی و سیوطی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے وضاحت کی ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ واضح ہے کہ وہ روای کی بات کر رہے ہیں کہ ان کے خیال میں راوی ایسا ہونا چاہئے جس سے کم از کم دو ثقہ راوی روایت کرتے ہوں، گویا «وله أي لهذا الراوي راويان ثقتان» مراد ہے یعنی اس راوی سے فی الجملہ نقل کرنے والے دو ہوں۔

تو مقصود یہ نہیں کہ روایت عزیز ہو، بلکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ راوی مجہول شخص نہ ہو، بلکہ ایسا آدمی ہو جس سے کم از کم دو شخص روایت کرتے ہوں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس پر فرماتے ہیں:

---

(١) "توضيح الأفكار": ص: ١٠٤، دارالكتب العلمية.

(٢) "شروط الأئمة الخمسة تحت ثلاث رسائل": ص: ١٢٩، ط: المطبوعات الإسلامية.

"والظاهر أن الحاكم لم يرد ذلك، وإنما أراد: كل راو في الكتابين من الصحابة فمن بعدهم يشترط أن يكون له راويان في الجملة، لا أنه يشترط أن يتفقا في رواية الحديث بعينه عنه... ثم قال: وكم في الصحيحين من حديث لم يروه إلا صحابي واحد، وكم فيهما من حديث لم يروه إلا تابعي واحد، وقد صرح مسلم في "صحيحه" ببعض ذلك".(١)

کالشہادۃ علی الشہادۃ والی بات کا جواب:

لیکن یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام کے آخر میں «کالشهادة على الشهادة» کے الفاظ استعمال کئے ہیں، تو جیسے شہادت علی الشہادت میں تعدیل کرنے والوں کا دو ہونا ضروری ہے، تو حاکم جب اس سے تشبیہ دے رہے ہیں تو گویا ان کے ہاں ہر روایت میں رواۃ کا دو ہونا ضروی ہوا۔

حافظ صاحب نے اس اشکال کا جواب دو مرحلوں میں دیا ہے:

(۱) اولا تو یہ کہا کہ یہاں جو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے تشبیہ دی ہے وہ تعدد کے وصف میں تشبیہ نہیں دی، بلکہ اتصال ومشافہہ میں تشبیہ دی ہے۔

پھر اس پر چونکہ یہ اشکال وارد ہوتا تھا کہ اگر مشافہہ میں تشبیہ ہے تو بھی یہ تشبیہ درست نہ ہوگی، کیونکہ روایت میں تو اجازت کی صورت بھی ہوتی ہے جس میں مشافہہ کی ضرورت نہیں ہوتی، اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ تو اجازۃ کے قائل ہیں۔

آخر کار حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ یہ صرف اتصال میں تشبیہ ہے۔ یعنی یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جیسے شہادت علی الشہادت میں اتصال پایا جاتا ہے، ایسے ہی روایت میں بھی اتصال رواۃ ضروری ہے۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اس بارے میں مندرجہ ذیل ہیں:

"إلاّ أن قوله في آخر الكلام: "ثم يتداوله أهلُ الحديث كالشهادة على الشهادة" إن

---

(١) "النكت" لابن حجر: ص: ٢٤٠، بتحقيق ربيع بن هادى، ط: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة.

أراد به تشبيه الرواية بالشهادة من كل وجه فيقوَى اعتراضُ الحازمي، وإن أراد به تشبيها بها في الاتصال والمشافهة، فقد يُنتقض عليه بالإجازة، والحاكم قائل بصحتها، وأظنه إنما أراد بهذا التشبيه أصلَ الاتصال (والإجازة عند المحدثين لها حكم الاتصال) والله أعلم، ولا شك أن الاعتراض عليه بما في علوم الحديث أشد من الاعتراض عليه بما في المدخل، لأنه جعل في المدخل هذا شرطا لأحاديث الصحيحين".[١]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے ہر ہر روایت میں تعدد رواۃ کا شرط ہونا حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور لوگوں نے بھی سمجھا ہے، چنانچہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات بھی یہی سمجھے ہیں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ خود دوسرے مقام پر اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے۔

چنانچہ "نزهة النظر" میں فرماتے ہیں:

"وليس شرطا للصحيح خلافا لمن زعمه وهو أبو علي الجبائي من المعتزلة، وإليه يؤمي كلام الحاكم أبي عبدالله في علوم الحديث حيث قال...[٢]

اور "النكت" میں ہی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے شاید ابو محمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں حدیث صحیح میں اشتراط عدد والی بات دیکھی تھی، تو اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ محدثین سے یہ بات منقول نہیں۔

حافظ صاحب بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

"هذا إن كان الشيخ أراد بأنه لا يعرف التصريح به من أحد من أهل الحديث فصحيح، وإلا فذلك موجود في كلام الحاكم أبي عبد الله محمد بن عبد الله الحافظ في المدخل".[٣]

تو یہاں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی فرمارہے ہیں کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اشتراط تعدد

---

(١) المصدر السابق.

(٢) "نزهة النظر بتوضيح نخبة الفكر": ص: ٢٥، مكتبة البشرى.

(٣) "النكت" لابن حجر: ص: ٢٣٨، ت: ربيع بن هادى، ط: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة.

والی بات موجود ہے۔

کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی دور میں اس بات کے قائل تھے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ ہر ہر روایت میں اشتراط عدد کی بات کرتے ہیں، پھر مختلف کتب میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے تصرفات کو دیکھنے اور دیگر امور کے جائزے کے بعد ان کی رائے تبدیل ہو گئی، اور آخر کار حافظ صاحب اور دیگر محققین کے ہاں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا مفہوم یہی قرار پایا کہ: وہ فی الجملہ دو راوی ہونا مراد لے رہے ہیں نہ کہ ہر ہر حدیث میں راویوں کا دو ہونا۔ تو حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا سمجھنا بالکل بے بنیاد بھی نہیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

صحابی کے لئے بھی دو رواۃ کی شرط پر تبصرہ:

یہ بات تو واضح ہو گئی کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ شیخین رحمہما اللہ مجہول رواۃ کی احادیث اپنی ان کتب میں نہیں لاتے، لیکن یہاں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحابی کے لئے بھی دو رواۃ کا ہونا ضروری قرار دیا ہے، حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ سب کے سب عادل ہیں لہذا ان کے حق میں جہالت مضر نہیں۔ اور یہ خلاف واقعہ بھی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام گزر چکا ہے کہ "صحیحین" میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جن میں صحابی سے ایک ہی راوی ہے، اس طرح تابعی سے ایک راوی کی مثالیں بھی موجود ہیں (مگر وہ اصل کتاب میں نہیں تعلیقات میں ہیں) حافظ ابن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ « شروط الأئمة الستة » میں فرماتے ہیں:

شیخین رحمہما اللہ نہ تو یہ شرط لگائی ہے اور نہ ان دونوں سے کہیں منقول ہے کہ انہوں نے ایسا کہا ہو، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے محض گمان کی بناء پر ایک اندازہ قائم کر لیا تھا، اور اپنے خیال کے مطابق اسے شیخین رحمہما اللہ کی شرط قرار دے دیا۔

بجان من یہ شرط تو بہت اچھی ہے کاش ان کی کتب میں موجود بھی ہوتی، مگر ہم نے تو اس اصول کو جس کی بنیاد حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی ہے دونوں کتابوں میں ٹوٹتا ہوا پایا، پھر سات مثالیں "صحیحین" سے ایسی پیش کی ہیں جن میں صحابی سے صرف ایک ہی راوی ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ: ہم نے صرف اتنے پر اکتفاء کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ امام حاکم

رحمۃ اللہ علیہ نے جس قاعدہ کی بنیاد رکھی ہے، وہ محض بے اصل ہے، اور ہم اگر تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ شیخین رحمہما اللہ کے زمانہ تک صرف اسی قاعدہ کی تردید میں مثالیں پیش کریں تو «مدخل» سے بڑی تصنیف ہو جائے۔[1]

جہاں تک صحابی سے راوی کے ایک ہونے کی بات ہے وہ تو درست ہے، لیکن حافظ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے طبقہ میں بھی اس کی بہت سی مثالیں ہیں یہ قابل غور بات ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ «مقدمة فتح الباري» میں فرماتے ہیں:

"والشرط الذي ذكره الحاكم، وإن كان منتَقِضا في حق بعض الصحابة الذين أخرجا لهم، فإنه معتَبَر في حق من بعدهم، فليس في الكتاب حديثٌ أصلٌ من رواية مَنْ ليس له إلا راوٍ واحد قط".[2]

یعنی وہ شرط جس کا حاکم نے تذکرہ کیا ہے کہ شیخین رحمہما اللہ صرف اس راوی سے روایت لیتے ہیں جس سے روایت کرنے والے دو یا دو سے زیادہ ہوں، تو یہ شرط اگرچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں پوری نہیں اترتی، لیکن بعد والوں کے حق میں صادق آتی ہے کہ صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اصل متن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے طبقہ کے بعد کوئی روایت بھی کسی ایسے راوی سے نہیں جس سے روایت کرنے والا ایک ہی راوی ہو۔

گویا امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد والوں کے حق میں درست ہونا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے استقراء سے بھی ثابت ہے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملے میں جو دو رواۃ کی شرط والی بات ہے اس سے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع بھی حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

چنانچہ «فتح المغيث» میں وہ لکھتے ہیں:

"وقد وجدتُ في كلام الحاكم التصريحَ باستثناء الصحابة من ذلك، وإن كان مناقضا لكلامه الأول، ولعله رجع عنه إلى هذا فقال: الصحابي المعروف إذا لم نجد له راويا غير تابعي واحد معروف احتججنا به وصححنا حديثه، إذ هو صحيح علي شرطهما جميعا،

---

(١) "شروط الأئمة الستة تحت ثلاث رسائل": ص: ٩٩، مكتب المطبوعات الإسلامية.

(٢) "هدى الساري": ص٧.

فإن البخاري قد احتج بحديث قيس بن أبي حازم عن كلّ من مرداس الأسلمي وعدي بن عميرة، وليس لهما راو غيره، وكذلك احتج مسلم بأحاديث أبي مالك الأشجعي عن أبيه وأحاديث مجزأة بن زاهر الأسلمي عن أبيه.(١)

یعنی میں نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں صحابہ کی اس (تعدد والی شرط) سے استثناء کی بات بھی پائی ہے، اگرچہ وہ ان کے پہلے کلام کے برعکس ہے، شاید انہوں نے پہلے کلام سے اس بات کی طرف رجوع کرلیا، تو فرماتے ہیں: کسی معروف صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا جب ہمیں ایک معروف تابعی کے سوا کوئی نہ ملے، تو ہم نے اس کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، اس لئے کہ وہ شیخین رحمہما اللہ کی شرط کے مطابق صحیح ہے، کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ کی مرداس اسلمی اور عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہما سے روایت لی ہے، حالانکہ قیس رحمۃ اللہ علیہ کے سوا ان سے روایت کرنے والا کوئی نہیں، اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابومالک اشجعی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے والد سے اور مجزاۃ بن زاہر اسلمی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے والد سے روایت قبول کی ہے۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وحينئذ فكلام الحاكم قد استقام، وزال بما تَمَّمتُ به عنه الملام".(٢)

یعنی اب امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا کلام درست ہوگیا اور ان پر جو (صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے بھی دو رواۃ کی شرط لگانے کی وجہ سے) اشکال تھا وہ جاتا رہا۔

صحیحین میں طبقہ صحابہ کے بعد رواۃ وحدان کا وجود:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا گذشتہ کلام جس میں وہ فرمارہے ہیں:

"فليس في الكتاب حديثٌ أصلٌ من رواية مَنْ ليس له إلا راوٍ واحد قط".

سے معلوم ہوتا ہے کہ "صحیحین" میں طبقہ صحابہ کے بعد کوئی راوی ایسا نہیں جس سے نقل کرنے والے دو نہ ہوں۔

---

(١) "فتح المغيث": ٦٢/١، دارالكتب العلمية.

(٢) المصدر السابق.

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا خود ان کے دوسرے مقامات پر کلام کے خلاف ہے، کہ وہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی «مدخل» میں ذکر کردہ اقسام کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وأما قوله: «بأنه ليس في الصحيحين من رواية تابعي ليس له إلا راو واحد»، فمردود أيضا، فقد أخرج البخاري حديث الزهري عن عمر بن محمد بن جبير بن مطعم، ولم يرو عنه غير الزهري، في أمثلة قليلة لذلك.

وأما قوله: «إن الغرائب الأفراد ليس في الصحيحين منها شيء» فليس كذلك، بل فيهما قدر مئتي حديث قد جمعها الحافظ ضياء الدين المقدسي في جزء مفرد". (١)

مزید روایت الابناء عن الآباء کے بارے میں لکھتے ہیں:

"أما قوله: «إنه ليس فيهما من روايات من روى عن أبيه عن جده مع تفرد الابن بذلك عن أبيه»، فمنتقضٌ برواية سعيد بن المسيب عن أبيه عن جده، وبرواية عبد الله والحسن ابني محمد بن علي عن أبيهما عن علي ... وغير ذلك.وفي ذلك ما تفرد به بعضُهم، وهو في الصحيحين أو أحدهما".(٢)

اب یہاں حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود ایسے تابعین کی نشاندہی کر رہے ہیں جن سے ایک ہی راوی روایت کرتا ہے اور حافظ ضیاء الدین مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کے جس جزء کا تذکرہ کیا ہے وہ موجود نہیں، لیکن اس میں اگر دو سو افراد کی نشاندہی کی ہے تو یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ وہ سب طبقہ صحابہ سے ہی ہوں۔ پھر روایت "الأبناء عن الأباء" میں جو ابناء کا تفرد ہے وہ مستزاد ہے۔

تو یہاں حافظ صاحب کے کلام میں تعارض دیکھائی دیتا ہے إلا یہ کہ یہ کہا جائے کہ حافظ صاحب اکثر واغلب کے اعتبار سے یہ فرمارہے ہیں کہ بعد کے طبقہ میں ایسے افراد نہیں جن سے نقل کرنے والا ایک ہو، پر حافظ صاحب کے الفاظ "ليس في الكتاب حديثٌ أصلٌ من رواية مَنْ ليس له إلا راوٍ واحد قط" اس جواب کا ساتھ نہیں دیتے۔

باقی بعد کے طبقہ میں بھی ایسے رواۃ کا ہونا جن سے فی الجملہ نقل کرنے والا راوی ایک ہی ہو،

---

(١) "النكت" لابن حجر: ص: ٣٦٨-٣٦٩، بتحقيق ربيع بن هادى، ط: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة.

(٢) "المصدر السابق".

ان کا صحیحین میں وجود ایک حقیقت ہے۔

موجودہ دور کے ایک عرب عالم دکتور عداب الحمش نے "صحیحین" میں غرائب وافراد پر ایک کتاب «الغرائب والافراد في الصحيحين» کے نام سے لکھی ہے، فی الوقت وہ مجھے دستیاب نہ ہو سکی۔ بہر حال اس موضوع پر مزید کام کی ضرورت ہے۔

حافظ ابن صلاح، علامہ نووی، ابن دقیق العید، علامہ ذہبی، حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے کا جائزہ:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إن المراد بقولهم «على شرطهما» أن يكون رجال إسناده في كتابيهما".[1]

یعنی شیخین رحمہما اللہ کی شرط پر ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث کی سند کے رجال ان حضرات کی ان کتابوں میں موجود ہوں۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ سے لی ہے کیونکہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے جب «مستدرک حاکم» کا تذکرہ کیا ہے تو وہاں کہا ہے: "إنه أودعه مارآه على شرط الشيخين وقد أخرجا عن رواته في كتابيهما".[2]

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس کتاب «مستدرک» میں وہ روایات لائے ہیں جو ان کی رائے میں شیخین رحمہما اللہ کی شرط پر تھیں، اس طور پر کہ شیخین نے اپنی کتابوں «صحیحین» میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ روایت کے رواۃ سے احادیث کی تخریج کی ہے۔

گویا ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہ صرف یہ کہ شیخین رحمہما اللہ کے رواۃ ہی ان کی شرط ہیں، بلکہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ایسا ہی تھا کہ وہ شیخین رحمہما اللہ

---

(١) "شرح التبصره": ٢٨١/١، دارالكتب العلمية.

(٢) "شرح التبصره": ١٢٨/٢، دارالكتب العلمية.

کے رواۃ کو ان کی شرط سمجھتے تھے، اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ «مستدرک» میں انہی رواۃ سے روایت لانے کی کوشش کی ہے۔

یہی خیال ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے کہ وہ کسی روایت کے بارے میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ مثلاً شرط بخاری پر ہے، پھر اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی سند کا فلاں راوی تو صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے۔

گویا اعتراض کی بنیاد یہ بات ہوئی کہ ان کے ہاں شیخین کی شرط ان کے رواۃ ہیں، اور وہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی یہی خیال کرتے ہیں کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی تھی، اسی وجہ سے اس کے خلاف جب پاتے ہیں تو اعتراض کرتے ہیں۔

کیا حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شیخین کی شرط واقعی ان کی رواۃ تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے شیخین رحمہما اللہ کی شرط سے ان کی کیا مراد ہے وہ خود بتادیا تھا جس کی تفصیل گذر چکی، نیز «مستدرک» کے خطبہ میں بھی انہوں نے تصریح کی ہے کہ میں شیخین رحمہما اللہ کے رواۃ کے مثل رواۃ سے احادیث لاؤں گا۔ یہاں انہوں نے (مثل) کا لفظ استعمال کیا ہے، یہ نہیں کہا کہ انہی رواۃ سے لاؤں گا۔[1]

اسی وجہ سے حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کا اس بنیاد پر اعتراض کرنا کہ فلاں حدیث کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے شرط شیخین رحمہما اللہ پر کہا ہے جس کی سند میں فلاں راوی ہے جو "صحیحین" میں موجود نہیں، نقل کرکے فرماتے ہیں:

"وليس ذلک منهم بجيد، فان الحاكم صرح في خطبة كتابه «المستدرك»: بخلاف ما فهموه عنه، فقال: وأنا أستعين الله تعالى على إخراج أحاديث رواتها ثقاتٌ قد احتج بمثلها الشيخان أو أحدهما، فقوله «بمثلها» أي بمثل رواتها، لا بهم أنفسهم".[2]

---

(١) "المستدرک على الصحيحين" للحاكم: ١/٤٠، ت: أبو عبد الرحمن مقبل بن هادي الوادعي، ط: دار الحرمين.

(٢) "شرح التبصره": ١/١٢٨، دارالكتب العلمية.

حافظ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جب امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کوئی روایت شیخین رحمہما اللہ کے رجال کے علاوہ سے لا کر یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ شیخین رحمہما اللہ کی شرط پر ہے، تو اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک شیخین رحمہما اللہ کی شرط ان کے رجال نہیں ہیں، کیونکہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کو "صحیحین" سے بہت تعلق اور خاص ممارست ہے (کہ انہوں نے ان کتب کو بارہا دیکھا اور کھنگال ڈالا ہے) تو اس سب کے بعد یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کو شیخین رحمہما اللہ کے رجال ہی معلوم نہ ہوں۔[1]

خلاصہ یہ ہوا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تو ان حضرات کا اشکال درست معلوم نہیں ہوتا، لیکن اس سب سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ ان حضرات کی رائے میں شیخین رحمہما اللہ کی شرط ان کے رجال ہیں، اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو صراحتاً کہہ دیا، اور اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی «شرح نخبة» میں فرماتے ہیں:

"لان المراد به يعني بشرطهما رواتهما مع باقي شروط الصحيح".[2]

ان حضرات کے متعین رواۃ سے حدیث لانے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بہت سے رواۃ ایسے ہیں جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت لاتے ہیں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ان سے روایت نہیں لیتے۔ مثلاً حضرت عکرمہ مولی ابن عباس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی روایات لی ہیں جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ان سے روایت نہیں لیتے، اسی طرح بہت سے رواۃ ایسے ہیں جن سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت لیتے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ ناقابل قبول ہیں۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ «المدخل إلى معرفة المستدرك» میں لکھتے ہیں۔

"عدد من أخرج لهم البخارى ولم يخرج لهم مسلم بلغ ٤٣٤ شيخًا، وعدد من أخرج لهم مسلم، ولم يخرج لهم البخارى بلغ ٦٢٥ شيخًا".[3]

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کا ایک معیار بہر حال تھا جس کے

---

(١) "توضيح الأفكار": ص: ١٠٤، دارالكتب العلمية.

(٢) "نخبة الفكر مع نزهة النظر":ص: ٦٤، مكتبة البشرى.

(٣) "الشذ الفياح": ١/١٠٥، ط: مكتبة الرشد.

مطابق وہ رواۃ سے روایت لیتے تھے۔

طلب حدیث میں شہرت کی شرط:

شہرت سے مراد ایک تو وہ شہرت ہوتی ہے جس کی بناء پر راوی مجہول ہونے سے نکل جاتا ہے۔ یہاں وہ شہرت مراد نہیں ہے بلکہ شہرت سے مراد یہاں یہ ہے کہ وہ راوی اس بات میں معروف ہو کہ وہ حدیث حاصل کرنے کے لئے مشائخ کے پاس جاتا ہے اور لوگ اس سے روایت لینے کے لئے آتے ہیں۔

جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدینہ کے بہت سے نیک اور عبادت گزار لوگوں سے بھی روایت اس لئے نہیں لی کہ انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا بیان کر رہے ہیں، جبکہ ہم ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر ہجوم کئے رہتے تھے۔ (۱)

یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صرف اتنی بات کافی نہیں کہ بس کسی سے روایت سن لی اور آگے نقل کر دی اور کچھ پتہ نہیں کہ اس روایت میں کیا بات بیان ہوئی ہے، یعنی باقاعدہ طور پر نہ سیکھنے کی وجہ سے روایت سنی تو ہے لیکن اسے سمجھتا نہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ اس فن میں مہارت کی ضرورت ہے، اور وہ استاد سے سیکھے بغیر حاصل نہیں ہوتی، اس لئے ہم ماہر فن سے باقاعدہ سیکھنے کے لئے جاتے تھے۔

بعض حضرات محدثین جیسے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تو اس طلب حدیث میں شہرت کو حدیث کی صحت کی شرط قرار دیا ہے۔

عبد اللہ بن عون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لایؤخذ العلم إلا عمن شُهِد له بالطلب". (۲)

یعنی علم (حدیث) تو اسی سے حاصل کیا جائے گا جس کے بارے میں طلب کی شہادت موجود ہو۔

اور ابو الزناد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱) "المحدث الفاصل": ص: ۴۰۳، دار الفكر.

(۲) "مقدمة صحيح مسلم": ۷/۱.

"أدركت بالمدينة مئةً كلهم مأمون، ما يؤخذ عنهم الحديث، يقال: ليس من أهله".[1]

یعنی میں نے مدینہ میں سو آدمی ایسے پائے جو (جرح وغیرہ) سے مامون تھے، پھر بھی ان سے حدیث نہیں لی جاتی تھی، کہا جاتا تھا: یہ اس کے اہل نہیں ہیں۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"زاد الحاكم في «علوم الحديث» في شرط الصحيح: أن يكون راويه مشهوراً بالطلب، وهذه الشهرة قدر زائد علي مطلق الشهرة التي تخرجه من الجهالة".[2]

یعنی امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے «علوم الحديث» میں صحیح کی شرط میں یہ بات زیادہ کی ہے کہ اس کا راوی مشہور بالطلب ہو اور یہ شہرت زائد مقدار کی شہرت ہے، اس شہرت پر جو راوی کو جہالت سے نکال لے۔

مزید فرماتے ہیں کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شہرت بالطلب کی شرط لگانے میں عبد اللہ بن عون رحمۃ اللہ علیہ کے قول "لايؤخذ العلم إلا عمن شُهِد له بالطلب" سے استدلال کیا ہے۔

حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ حدیث صحیح کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فمنها: أن يكون الشخصُ بعد أن ثبَتَتْ عدالته وجانَبَ مايُنافي العدالة نحو السَّفَه وغيره، معروفاً عند أهل العلم بطلب الحديث وصرف العناية إليه".

یعنی شرائط صحت میں یہ بات بھی ہے کہ وہ شخص عدالت کے ثابت ہونے اور ان چیزوں سے جو عدالت کے منافی ہیں جیسے کہ حماقت (خست طبع) وغیرہ سے اجتناب کرنے کے بعد، اہل علم کے ہاں طلب حدیث اور اس کے حصول کے لئے کوشش صرف کرنے میں معروف ہو۔

جمہور محدثین رحمہم اللہ اسے صحت حدیث کی شرط تو تسلیم نہیں کرتے، البتہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسے شیخین رحمہما اللہ کی "صحیحین" میں قائم کردہ شرط قرار دیا ہے۔

---

(١) "**الكفاية في علم الرواية**" للخطيب: ص: ١٥٩، ط: المكتبة العلمية، المدينة المنورة.

(٢) "النكت" لابن حجر:٢٣٨، دارالراية.

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ «النکت» میں فرماتے ہیں:

"والظاهر من تصرف صاحبي «الصحيح» اعتبارُ ذلك، إلا أنهما حيث يحصل للحديث طرقٌ كثيرةٌ يستغنون بذلك عن اعتبار ذلك".(۱)

یعنی شیخین رحمہما اللہ کے تصرف سے اس شرط کا اعتبار کرنا ظاہر ہوتا ہے، البتہ جب حدیث کے متعدد طرق ہوں تو یہ حضرات اس کے (الشہرۃ بالطلب) کے اعتبار کرنے سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔

یعنی عام طور پر تو شیخین رحمہما اللہ اس شرط کو ملحوظ رکھتے ہیں، لیکن کہیں کثرت طرق کی وجہ سے اس کا اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ شہرت بالطلب کی شرط سے مقصود اس خدشہ سے حفاظت ہے کہ کہیں راوی کے ضبط میں کمی نہ ہو، اور یہ خدشہ کثرت طرق کی وجہ سے جاتا رہتا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی «تدريب الراوي» میں حافظ صاحب کا یہی کلام قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس سے بات مزید واضح ہو جاتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"قال شيخ الإسلام: والظاهر من تصرف صاحبي الصحيح اعتبار ذلك، إلا إذا كثرت مخارجُ الحديث فيَستَغنيان عن اعتبار ذلك، كما يُستَغنَى بكثرة الطرق عن اعتبار الضبط التام. وقال شيخ الإسلام: ويمكن أن يقال: اشتراط الضبط يغني عن ذلك، إذ المقصودُ بالشهرة بالطلب أن يكون له مزيدُ اعتناء بالرواية، لتَرَكَن النفسُ إلى كونه ضَبَط ما رَوَى".(۲)

شیخین رحمہما اللہ کا متعین رواۃ سے روایت لینے میں راوی اور مروی عنہ کے مابین روایت کی کیفیت کا لحاظ:

حافظ ابن صلاح، ابن تیمیہ، حازمی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی روایت کو محض اس وجہ سے کہ اس کے رواۃ شیخین کے رواۃ ہیں «على شرط

(۱) "النكت" لابن حجر:۲۳۸، دارالراية.

(۲) " تدريب الراوي": ۱۶۵/۱، دارالمنهاج.

الشیخین» نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس میں اس کیفیت کا التزام بھی ضروری ہے جو ان حضرات نے روایت لاتے وقت ملحوظ رکھی ہے۔

بسا اوقات راوی خود ثقہ ہوتا ہے، لیکن کسی مخصوص شیخ یا مخصوص وقت یا مخصوص شہر وعلاقے میں کی گئی اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے، اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ ایک راوی اور اس کا شیخ دونوں ثقہ ہیں اور بخاری و مسلم رحمہما اللہ کے رواۃ میں سے ہیں، لیکن اس راوی کی اس شیخ سے روایت کسی وجہ سے ضعیف سمجھی جاتی ہے۔

جیسے ہشیم بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شیخ زہری رحمۃ اللہ علیہ دونوں ثقہ اور بخاری و مسلم کے رجال میں سے ہیں، لیکن ہشیم رحمۃ اللہ علیہ کی زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت محدثین کے ہاں ضعیف سمجھی جاتی ہے، اور وجہ اس کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کے پاس زہری رحمۃ اللہ علیہ کی روایات جن کی تعداد تین سو کے قریب تھی ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھیں، اور وہ صحیفہ کسی وجہ سے ضائع ہو گیا، پھر وہ ان روایات کو زبانی بیان کرنے لگے تو اس میں ان سے غلطی ہو جاتی تھی۔

اسی طرح سفیان بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کی زہری رحمۃ اللہ علیہ سے یا داؤد بن حصین رحمۃ اللہ علیہ کی عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت صحیح بخاری میں نہیں ملے گی، حالانکہ یہ سب صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں۔

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ «شرح مسلم» کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"من حكم لشخص بمجرد رواية مسلم عنه في «صحيحه»: بأنه من شرط الصحيح عند مسلم، فقد غَفَل وأخطأ، بل ذلك يتوقف علي النظر في أنه كيف روي عنه، وعلى أيّ وجه روي عنه".(١)

یعنی جو شخص امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے کسی راوی سے صرف راویت کرنے کی وجہ سے یہ حکم لگادے کہ وہ راوی "صحیح مسلم" کی شرط کے مطابق ہے، تو اس سے غفلت اور خطاء ہوئی ہے، بلکہ یہ تو اس بات کو دیکھنے پر موقوف ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کس کیفیت پر

(١) "النكت" لابن حجر: ٢٧٥، عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة.

روایت لی ہے، اور کس بنیاد پر اس سے روایت کر رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے «النکت» میں «المستدرک للحاکم» پر تبصرہ کرتے ہوئے اس پر مفصل کلام کیا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ (فلاں حدیث شرط شیخین پر ہے) تو وہ کبھی تو شیخین رحمہما اللہ کے منہج کے موافق ہوتی ہے، اور کبھی موافق نہیں ہوتی۔

اس وجہ سے جس روایت کے بارے میں یہ کہا جارہا ہے کہ وہ شرط شیخین پر ہے اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں:

قسم اوّل:

اس حدیث کی سند جس پر شرط شیخین ہونے کا حکم لگایا جارہا ہے، صحیحین یا ان میں سے کسی ایک میں "علی صورۃ الاجتماع" موجود ہو، اور علل سے صحیح سالم ہو، تو یہ شیخین رحمہما اللہ کے منہج کے موافق ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ "علی صورۃ الاجتماع" کی قید سے ہم نے ایک تو اس صورت سے احتراز کیا ہے جس میں راوی اور اس کے شیخ دونوں سے "علی الانفراد" تو روایت ان حضرات نے لی ہو، لیکن اس راوی کی اس شیخ سے روایت نہ لی ہو، مثلاً سفیان بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کی زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت، کہ ان دونوں سے علیحدہ علیحدہ تو یہ حضرات روایت لائے ہیں، لیکن سفیان کی زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت انہوں نے نہیں لی، کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا زہری رحمۃ اللہ علیہ سے سماع ضعیف ہے نہ کہ باقی مشائخ سے۔ تو جب سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت آئے گی تو یہ نہیں کہا جائے گا یہ "علی شرط الشیخین" ہے۔

مزید فرماتے ہیں: اس طرح جب ایسی سند ہو جس کے ایک راوی سے شیخین میں سے کسی ایک نے روایت لی، اور دوسرے نے نہ لی ہو، مثلاً سماک بن حرب رحمۃ اللہ علیہ کی عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، تو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سماک سے روایت لیتے ہیں جب وہ ثقات سے نقل کریں، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان سے نہیں لیتے، اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نہیں لیتے جبکہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان سے روایت لے لیتے ہیں۔

تو ایسی حالت میں بھی یہ روایت شیخین رحمہا اللہ کی شرط کے مطابق نہ قرار پائے گی، کیونکہ "على صورة الاجتماع" یہ کسی کی شرط کے مطابق نہیں۔

اور علل سے سالم ہونے کی قید سے اس صورت سے احتراز کیا ہے: جب کوئی مدلّس یا آخر عمر میں اختلاط کے شکار راوی کی روایت ہو تو شیخین کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ وہ مدلسین کی عنعنہ والی روایت تب قبول کرتے ہیں جب کسی دوسری جہت سے ان کو اس کا مسموع ہونا محقق ہو جائے۔ اسی طرح مختلط کی اختلاط سے قبل کی روایت قبول کرتے ہیں۔

تو اس بناء پر کہ شیخین نے اس سے روایت لی ہے، اس راوی کی ہر روایت کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ "على شرط الشيخين" ہے یہ درست نہ ہو گا۔

قسم ثانی:

وہ سند حدیث ہے جس کے رواۃ سے تخریج بطور استدلال نہیں بلکہ شواہد، متابعات اور تعالیق میں ہے یا کسی دوسری روایت کے ساتھ ملا کر اس کی تخریج کی ہے۔

اور اس میں وہ صورت بھی داخل ہے جب کسی آدمی کی روایت لیتے تو ہیں، لیکن اس کی ہر روایت نہیں لیتے، بلکہ اس کی صرف وہ روایات لیتے ہیں جس میں وہ متفرد یا ثقات کے مخالف نہ ہو، اور جن روایات میں وہ متفرد یا مخالف ہو اس سے احتراز کرتے ہیں، جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے "العلاء بن عبدالرحمن عن أبيه عن أبي هريرة رضي الله عنه" والے نسخہ سے وہ روایات لی ہیں جن میں وہ متفرد نہیں ہیں، لہذا باقی نسخہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ بھی "على شرط مسلم" ہے درست نہ ہو گا۔[1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس مفصل بیان سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ رواۃ شیخین رحمہا اللہ کے علاوہ اس کیفیت کا لحاظ بھی جس پر شیخین رحمہا اللہ نے روایت لی ہے بہت ضروری ہے۔

---

(١) "النكت" لابن حجر: ص، ٨٢-٨٤، دارالكتب العلمية.

جمع و تطبیق:

درحقیقت ان سب اقوال میں کوئی تعارض نہیں، ان سب کو بآسانی جمع کیا جاسکتا ہے، اگر کوئی شخص شرط کا لفظ اس بناء پر استعمال نہیں کرتا کہ حتمی طور پر اس کی تعیین دشوار ہے، یا شیخین رحمہا اللہ کی طرف سے اس کی کوئی صراحت نہیں ہے، تو یہ بات بھی درست ہے۔

اور اگر کوئی شیخین رحمہا اللہ کے طرز عمل کو بغور دیکھ کر بذریعہ استقراء کوئی ایسا وصف معلوم کرلیتا ہے جو دیگر محدثین کے استقراء سے بھی درست ثابت ہوتا ہے، اور اس بناء پر وہ یہ خیال قائم کرتا ہے کہ یہ وہ امتیازی وصف ہے جس کی بناء پر شیخین رحمہا اللہ کی کتب کو دیگر کتب کے مقابلے میں امتیازی حیثیت حاصل ہوگئی، اور وہ اس کو شرط کا نام دیتا ہے اس خیال سے کہ ظاہر ہے یہ وصف اتفاقاً تو ان کتب میں نہیں پایا گیا، بلکہ شیخین رحمہا اللہ نے جمع کتاب میں ملحوظ رکھا ہوگا، تو اس بناء پر وہ اس کو شرط کہتا ہے تو یہ بات بھی غلط نہیں۔

پھر ان امتیازی شروط کی تعیین میں جو مختلف اقوال ہیں ان کو بھی بآسانی جمع کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب اوصاف شیخین رحمہا اللہ کی کتب میں موجود ہیں، مثلاً یوں کہا جائے کہ شیخین رحمہا اللہ اعلی اوصاف کی بنیاد پر متعین رواۃ سے احادیث لائے ہیں جو مندرجہ ذیل اوصاف کے حامل ہیں:

۱۔ شیخین رحمہا اللہ مجہول رواۃ سے روایت نہیں لاتے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طبقہ کے بعد عام طور پر ایسے راوی سے روایت نہیں لائے جس سے روایت کرنے والے کم از کم دو راوی نہ ہوں۔ (کماقال الحاکم وابن حجررحمہمااللہ)

۲۔ شیخین رحمہا اللہ کے رواۃ عدالت اور ضبط واتقان کے اعلی درجے پر ہوتے ہیں، اور ان کے اساتذہ کے ساتھ ان کی طول ملازمت بھی ان کے ہاں وجہ ترجیح ہوتی ہے (كما قال الحازمي رحمه الله)

۳۔ شیخین رحمہا اللہ کے رواۃ عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ثقاہت پر اعتماد ہوتا ہے، اور وہ طلب حدیث میں مشہور ہوتے ہیں، اگر اس کے خلاف کرتے ہیں تو کسی عارض یا مرجح (مثلاً دیگر طرق صحیحہ سے اس روایت کا معلوم ہونا) کی وجہ سے کرتے ہیں۔ (كما قال المقدسي وابن حجر رحمهمااللہ)

۴۔ شیخین رحمہما اللہ رواۃ سے روایت کو لیتے وقت روایت کی کیفیت کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی کتاب صحیح بخاری میں شروط دو طرح کی ہیں:

۱۔ شروط عمومیۃ مصرحّہ:

یعنی وہ عمومی شرائط جن کی کسی نہ کسی درجہ میں ان سے تصریح منقول ہے۔ وہ مندرجہ ذیل چار شرائط ہیں:

۱۔ صحت حدیث کا اہتمام۔

۲۔ کتاب کا جامع ہونا۔

۳۔ مسند احادیث کی جمع کا اہتمام۔

۴۔ حدیث معنعن میں راوی اور مروی عنہ میں لقاء کی شرط۔

۲۔ شروط امتیازیۃ استقرائیہ:

اور وہ بنیادی طور پر شیخین کے رجال سے متعلق ہے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رجال میں شرط اور ان کے مابین روایت کی کیفیت کا لحاظ۔

اور رجال بخاری مذکورہ بالا اوصاف کے حامل رواۃ ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی بنسبت راوی کی مروی عنہ سے ملازمت کو زیادہ ملحوظ رکھتے ہیں اور اس میں طبقہ اولی کے رواۃ ان کا بنیادی ہدف ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ:

۱۔ شرائط عمومیۃ مصرّحہ:

۱۔ صحت حدیث کا اہتمام

۲۔ مسند احادیث کے جمع کا اہتمام

۳۔ حدیث معنعن میں راوی اور مروی عنہ میں معاصرت پر اکتفاء جبکہ ان کی ملاقات ممکن ہو۔

شروط امتیازیۃ استقرائیہ:

اس کا تعلق بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے رواۃ اور ان کی اپنے شیوخ سے روایت کی کیفیت سے ہے۔ اور فرق رواۃ مسلم اور ان کے طبقہ کے مختلف ہونے سے ہو جاتا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ رواۃ کے طبقہ ثانیہ سے بکثرت روایات لاتے ہیں اور طبقہ ثالثہ سے بھی کبھی کبھار لے لیتے ہیں، گویا رجال میں ان کی شرط امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط سے قدرے نرم ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے «صحيح بخاري» کی «صحيح مسلم» پر پانچ وجوہ ترجیح ذکر کی ہیں ان میں اس فرق کو واضح کیا ہے، جس کا کچھ تذکرہ پیچھے گذر چکا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

***

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط

رجال میں شرط کے شدید ہونے کے اعتبار سے "صحیحین" کے بعد "سنن النسائي" کا نمبر آتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وفي الجملة: فكتاب النسائي أقل الكتب بعد الصحيحين حديثا ضعيفا، ورجلا مجروحا، ويقاربه كتاب أبي داود وكتاب الترمذي".(١)

اور ابو الحسن المعافری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

جب میں محدثین کی کتب کو دیکھتا ہوں تو جو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایات ہیں انہیں دیگر محدثین کی تخریج کی بنسبت صحت کے زیادہ قریب پاتا ہوں۔(٢)

ابو الفضل ابن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

میں نے سعد بن علی زنجانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی توثیق کی، تو میں نے کہا: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ تو ان سے حدیث نہیں لیتے، اس پر وہ کہنے لگے: اے بیٹے ابو عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی رجال میں شرط بخاری و مسلم رحمہا اللہ کی شرط سے بھی شدید ہے۔(٣)

خود امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب میں نے "سنن" جمع کرنے کا ارادہ کیا تو جن شیوخ کی روایات کے بارے میں میرے دل میں کچھ تردد تھا، میں نے ان کی روایات کو شامل کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالی سے استخارہ کیا، تو میرے دل میں یہی آیا کہ میں ان کو چھوڑ دوں، لہذا ان کی عالی اسانید کو چھوڑ کر میں نے اسانید نازلہ پر اکتفاء کر لیا۔(٤)

---

(١) "النكت" لابن حجر: ص ١٤٥، دار الكتب العلمية.

(٢) "المصدر السابق".

(٣) "المصدر السابق".

(٤) "المصدر السابق".

حافظ ابو طالب احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ جو امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں وہ فرماتے ہیں:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ جیسا صبر کون کر سکتا ہے؟ ابن لہیعہ کی ایک ایک روایت ان کے پاس تھی لیکن ان سے کچھ بھی روایت نہیں کیا۔[1]

صحیح روایات کے جمع کا اہتمام:

"سنن صغری" کے جمع کے وقت صحیح روایات کا انتخاب بھی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر تھا، جیسا کہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ «سير أعلام النبلاء» میں ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ جب انہوں نے «السنن الكبرى» لکھی تو امیر رملہ عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا: کیا یہ سب صحیح احادیث ہیں؟ تو انہوں نے کہا: نہیں۔ اس پر امیر نے کہا: تو ہمارے لئے صحیح روایات علیحدہ سے لکھ دیجئے، اس پر انہوں نے اس میں سے انتخاب کرکے «المجتبى من السنن» لکھی جو «سنن النسائي» کے نام سے «صحاح سته» میں داخل ہے۔

نیز امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں:

"كتاب السنن كله صحيح وبعضه معلول إلاأنه لم يبين علته، والمنتخب منه المسمي بالمجتبى صحيح كله".[2]

اسی بنیاد پر بہت سے حضرات محدثین نے "سنن نسائي" پر صحیح کا اطلاق کیا ہے۔

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أطلق الخطيبُ والسلفيُّ الصحةَ على كتاب النسائي".

اس پر اضافہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قلت: وقد أطلق عليه أيضا اسمَ الصحة أبوعلي النيسابوري، وأبو أحمد بن عدي، وأبو الحسن الدارقطني، وابن منده وعبد الغني بن سعيد، وأبو يعلي الخليلي وغيرهم. وأطلق الحاكم اسمَ الصحة عليه وعلى كتابَي أبي داود والترمذي كما سبق.

وقال أبوعبد الله ابن منده: الذين خرَّجوا الصحيح أربعة: البخاري ومسلم وأبو داود

---

(١) "المصدر السابق".

(٢) "النكت" لابن حجر:، ص ١٦٥، دارالكتب العلمية.

والنسائي، وأشار إلى مثل ذلك أبو علي ابن السَّكن".[1]

کیا «سنن نسائی» بخاری و مسلم کی طرح صرف صحیح روایات پر مشتمل ہے؟

شرط نسائی کے اشد ہونے سے متعلق ائمہ محدثین کے ان اقوال اور ان کی کتاب پر صحیح کے اطلاق اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تصریحات سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ: "سنن النسائي" صرف صحیح روایات پر مشتمل ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ "سنن النسائي" پر خطیب بغدادی اور سلفی رحمہما اللہ کی جانب سے صحت کے اطلاق پر اس کو ان کا تساہل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهذا تساهل، لأن فيها ما صرحوا بكونه ضعيفا أو منكرا أو نحو ذلك من أوصاف الضعيف".[2]

نیز حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقول الحافظ أبي علي ابن السكن، وكذا الخطيب البغدادي في كتاب السنن للنسائي«إنه صحيح» فيه نظر، «وإن له شرطا في الرجال أشد من شرط مسلم» غير مسلّم، فإن فيه رجالا مجهولين إما عينا أو حالا، وفيهم المجروح، وفيه أحاديث ضعيفة ومعللة ومنكرة، كما نبهنا عليه في الأحكام الكبير".[3]

یعنی حافظ ابو علی ابن السکن اور خطیب بغدادی رحمہما اللہ کا "سنن النسائي" کے بارے میں یہ قول کہ « وہ صحیح ہے » محل نظر ہے اور یہ بات کہ « ان کی رجال میں شرط امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط سے بھی شدید ہے » ناقابل تسلیم ہے، اس لئے کہ "سنن النسائي" میں مجہول رواۃ ہیں جو یا تو عین کے اعتبار سے مجہول ہیں اور یا حال کے اعتبار سے مجہول ہیں، اور اس میں احادیث ضعیفہ اور معللہ اور منکرہ موجود ہیں، جیسا کہ ہم کتاب "الأحكام الكبير" میں اس پر تنبیہ کر چکے ہیں۔

---

(١) "النكت" لابن حجر: ص: ١٦٤، دارالكتب العلميه.

(٢) "مقدمة ابن الصلاح": ص: ٤٠، دارالفكر.

(٣) "الباعث الحثيث": ص: ٣٨-٣٧، دارالكتب العلمية.

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کا قول فیصل:

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے بالکل مختلف صورتحال سامنے آتی ہے، تو علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ اس اختلاف رائے میں فیصلہ کن بات یہ فرماتے ہیں:

جن حضرات نے "سنن النسائي" وغیرہ پر صحت کا اطلاق کیا ہے تو وہ اغلب واکثر کے اعتبار سے ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"وتسمية الكتب الثلاثة (أعني كتابَ النسائي وأبي داود والترمذي) صِحَاحا إما باعتبار الأغلب، لأن غالبها الصحاح، والحسان وهي ملحقة بالصحاح، والضعيف فيها التحق بالحسن، فإطلاق الصحة عليها من باب التغليب".(١)

"سنن النسائي" وغیرہ کی احادیث کی تین اقسام:

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ «شروط الأئمة الستة» میں لکھتے ہیں کہ امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ، اور ان کے بعد والوں (یعنی امام نسائی، ترمذی رحمہا اللہ) کی کتب احادیث کی تین اقسام پر مشتمل ہیں:

۱۔ وہ صحیح احادیث جو "صحیحین" میں موجود ہیں، اس لئے کہ ان سنن کی اکثر روایات وہی ہیں جن کی شیخین رحمہا اللہ نے بھی "صحیحین" میں تخریج کی ہے۔

۲۔ وہ صحیح احادیث جو ان اصحاب سنن کی شرط کے مطابق ہیں، حافظ ابو عبد اللہ بن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

ابو داود ونسائی رحمہا اللہ کی شرط ایسے لوگوں کی احادیث لانا ہے جن کے ترک پر اجماع نہ ہو، جبکہ حدیث صحیح ہو، بایں طور کہ اس کی سند بغیر کسی قطع وارسال کے متصل ہو۔

۳۔ وہ احادیث ہیں جو کسی باب کی صحیح روایت لانے کے بعد ان صحیح احادیث کی ضد کے طور پر لائے ہیں (یعنی صحیح احادیث کے ساتھ اسی باب کی ضعیف حدیث کو اس لئے لاتے ہیں تاکہ صحیح حدیث سے موازنہ کر سکیں، اور صحیح روایت کی اصحیت اور راجح ہونا سامنے آئے) ان راویات کو

---

(١) "النكت" للزركشي: ص: ١١٩، دارالكتب العلمية.

لانے کا مقصد ان کی صحت کا قطعی حکم لگانا نہیں ہوتا، اور بسا اوقات تو ان روایات کی تخریج کرنے والا ان کی علت ایسے طور پر ظاہر کر دیتا ہے جسے اس فن کے اہل معرفت سمجھ لیتے ہیں۔

متکلم فیہ رواۃ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے احادیث لانے کے اسباب:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر صحیح احادیث کا جمع تھا جیسا کہ خود ان کے بیان سے معلوم ہو چکا تو پھر وہ اپنی سنن میں متکلم فیہ رواۃ سے روایات کیوں لائے؟

اس کا ایک جواب تو حافظ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ہو چکا، لیکن انہوں نے اس پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ باقاعدہ یہ سوال قائم کر کے اس کے تین جوابات ذکر کئے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں:

۱۔ ایک سبب تو یہ تھا کہ لوگ ان ضعیف روایات کی روایت اور ان سے استدلال کر رہے تھے، لہذا ان حضرات نے ان روایات کو لا کر ان کا سقم بیان کیا، تاکہ لوگوں کے ان کو روایت کرنے اور ان سے استدلال کی وجہ سے ان کے صحیح ہونے کا جو شبہ قائم ہو گیا ہے وہ شبہ زائل ہو جائے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی طرح اپنی کتب میں صحیح روایات لانے کی شرط کی تصریح نہیں کی، لہذا وہ صحیح احادیث کی بھی تخریج کرتے ہیں اور اس کی ضد بھی لاتے ہیں۔

۳۔ تیسری بات اس کلام کے قائل کو یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ ہم نے فقہاء اور دیگر سب علماء کو دیکھا کہ وہ فریق مخالف کے ادلہ کو بھی اپنی کتب میں ذکر کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ وہ ادلہ (صحیح نہ ہونے کی بناء پر) درحقیقت دلیل نہیں بن سکتے۔ تو ان محدثین کا یہ فعل (یعنی غیر صحیح روایات کا اپنی کتب میں ذکر کرنا) فقہاء کے اس فعل کی طرح ہے۔[1]

---

(۱) "شروط الأئمة الستة تحت ثلاث رسائل": ص ۹۲، مكتب مطبوعات الإسلامية)

حافظ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن سعد الباوردی رحمۃ اللہ علیہ سے جو نقل کیا ہے:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط یہ ہے کہ وہ ہر اس راوی سے روایت لاتے ہیں جس کے متروک ہونے پر اجماع نہ ہو، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے خود امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ بات نقل کی ہے۔

اب اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی شرط بہت وسیع ہے، کیونکہ بہت سے ایسے ضعیف رواۃ ہیں جن کے متروک ہونے پر اجماع بہرحال نہیں ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس پر فرماتے ہیں کہ: یہاں اجماع سے مراد اجماع عام نہیں ہے، بلکہ اجماع خاص مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ رجال پر نقد کرنے والے حضرات کے مختلف طبقات ہیں اور ہر طبقے میں متشددین بھی ہیں اور متوسطین بھی، مثلا:

پہلے طبقہ میں:

شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے نقد میں اشدّ ہیں۔

دوسرے طبقہ میں:

یحیی القطان رحمۃ اللہ علیہ اور عبد الرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور یحیی رحمۃ اللہ علیہ عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ سے اشدّ ہیں۔

تیسرے طبقہ میں:

یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور یحیی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بنسبت نقد میں زیادہ سخت ہیں۔

چوتھے طبقہ میں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں نقد میں اشدّ ہیں۔

تو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا "لایترک الرجل عندی حتی یجتمع الجمیع علی ترکہ" (سے مراد یہ ہے کہ میں صرف متشددین کی جرح کی وجہ سے راوی کو ترک نہیں کرتا، بلکہ متوسطین کی

رائے بھی ملحوظ رکھتا ہوں، اور جب متشددین ومتوسطین دونوں طرح کے نقاد کسی راوی کے ترک پر متفق ہو جائیں تو اس کو ترک کر دیتا ہوں) تو جب مثلاً کسی راوی کی ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ توثیق کر دیں اور یحیی القطان رحمۃ اللہ علیہ ان کی تضعیف کریں، تو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس کو ترک نہیں کرتے اس لئے کہ ان کو یحیی رحمۃ اللہ علیہ اور جیسے دیگر حضرات کی نقد میں شدت معلوم ہے۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ سب لکھ کر فرماتے ہیں:

جب یہ بات محقق ہو گئی تو وہ جو "متبادر إلى الذهن" یہ ہوتا تھا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بہت وسیع ہے تو یہ واضح ہو گیا کہ بات ایسے نہیں ہے، بلکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تو کتنے ہی رواۃ ایسے ہیں جن سے ابوداود رحمۃ اللہ علیہ وترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایات لائے ہیں، اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اجتناب کیا ہے، بلکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تو "صحیحین" کے رجال میں سے بھی ایک جماعت کی روایات کو لانے سے اجتناب کیا ہے۔

پھر حافظ صاحب نے سعد بن علی زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا بخاری ومسلم رحمہما اللہ کی شرط سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے اشد ہونے کا قول اور دیگر اقوال جو پیچھے گذر چکے ذکر کئے، پھر فرماتے ہیں:

"وفي الجملة: فكتاب النسائي أقل الكتب بعد الصحيحين حديثا ضعيفا ورجلا مجروحا، ويقاربه كتاب أبي داود وكتاب الترمذي".(١)

اس کے علاوہ پیچھے گذر چکا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ مثلاً امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے تیسرے طبقہ سے بکثرت روایات لاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں نے اپنے شیوخ کے ساتھ طول ملازمت (یعنی لمبے عرصہ کی ہمنشینی) تو حاصل ہے، لیکن نقد وجرح سے محفوظ نہیں ہیں، اور چوتھے طبقہ کے رواۃ کی روایات میں سے بھی انتخاب کر کے جو روایت صحیح پاتے ہیں، وہ لاتے ہیں۔ یا چوتھے طبقہ کی روایات متابعت وشواہد میں ذکر کرتے ہیں، اور جب انتخاب کا معاملہ آتا ہے تو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ان اصحاب سنن میں سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ رواۃ کے حالات کی گہری

---

(١) "النكت" لابن حجر: ص ١٤٥، دار الكتب العلمية.

تحقیق و جستجو سے کام لیتے ہیں۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ:

۱۔ دیگر کتب سنن کی طرح احکام کی روایات کے جمع کا اہتمام۔

۲۔ صحیح روایات کے جمع کا اہتمام ان کے پیش نظر ہے اور جہاں اس کے خلاف کرتے ہیں تو اس کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔

۳۔ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے بکثرت روایت لاتے ہیں، لیکن اس میں بھی عموماً صحیح روایت کا انتخاب کرتے ہیں، اور اگر متکلم فیہ رواۃ سے روایت لاتے ہیں تو ان میں بھی اس راوی سے روایت نہیں لیتے جس کے ترک پر ائمہ محدثین کا اجماع ہو۔

***

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کی شرط

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کی شرط بہت سی چیزوں میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کی طرح ہے، حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو طبقات ذکر کئے ہیں ان میں امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ بھی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تیسرے طبقہ کے رواۃ سے روایات بکثرت لاتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ تین طبقات کے تذکرہ کے بعد اور یہ ذکر کرنے کے بعد کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اصلا طبقہ اولی کی روایات سے استدلال کرتے ہیں اور طبقہ ثانیہ کی روایات میں سے انتخاب کرکے یا تو اسے قسم اول کی متابعت کے طور پر لاتے ہیں اور یا تب لاتے ہیں جب کثرتِ طرق وغیرہ کی وجہ سے اس کی صحت ان کے ہاں یقینی ہو۔

یہ ذکر کرنے کے بعد حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وهذا بخلاف أبي داود فإنه يخرج حديث هؤلاء في الأصول محتجا بها، ولأجل ذا تخلَّف كتابه عن شرط الصحة".(١)

یعنی: یہ ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کے طرز عمل کے خلاف ہے، کیونکہ وہ اس طبقہ کی احادیث کو اصول میں بطور استدلال لاتے ہیں، اسی وجہ سے ان کی کتاب شرط صحت تک نہیں پہنچتی۔

نیز حافظ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن سعد باوردی رحمۃ اللہ علیہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ نقل کرنے کے کے بعد کہ وہ ہر اس شخص کی روایت لے لیتے ہیں جس کے ترک پر اجماع نہ ہو فرماتے ہیں:

"وكذلك أبو داود السجستاني يأخذ مأخذه ويخرج الإسناد الضعيف إذا لم يجد في الباب غيره، لأنه أقوى عنده من رأي الرجال".(٢)

یعنی: ابو داود سجستانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرح (امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ) کے طرز عمل کو اختیار کرتے ہیں اور ضعیف سند کی تخریج بھی کرلیتے ہیں، جبکہ اس باب میں اس کے علاوہ روایت نہ ملتی ہو، اس

---

(١) "النكت" لابن حجر: ص: ٤٣٥، ط: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة.

(٢) "شروط الأئمة لابن منده، ص: ٧٣، مكتبة الملك فهد، رياض.

لئے کہ ضعیف حدیث بھی ان کے ہاں لوگوں کی رائے سے زیادہ قوی ہے۔

گویا امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط میں ذکر کردہ وجوہات کے علاوہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی ضعیف روایات لانے کی ایک مزید وجہ یہ سامنے آگئی کہ وہ چونکہ لوگوں کی آراء پر ضعیف روایات کو ترجیح دیتے ہیں، لہذا جب اس باب میں جب صحیح روایت دستیاب نہ ہو تو ضعیف روایت بھی لے آتے ہیں۔

اور یہ درحقیقت ان کے استاد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف ہے، جسے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔[1]

نیز امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اہل مکہ کی طرف خط میں اپنی "سنن" میں اختیار کردہ منہج ذکر کیا ہے، اس سے بھی ان کی شرط سے متعلق چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ا۔ حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

روينا عنه أنه قال: ذكرتُ فيه الصحيحَ وما يشبهه ويقاربه.[2]

یعنی ہمیں امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "میں نے اپنی اس کتاب میں حدیث صحیح اور جو روایات اس کے مشابہ اور قریب ہیں ذکر کی ہیں"۔

حافظ بقاعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو ان کے «اہل مکہ کی طرف رسالہ» کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن اس رسالہ کی موجودہ طبع میں یہ الفاظ بعینہ تو موجود نہیں، البتہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے «تاريخ بغداد» میں امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خطیب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ہی یہ قول نقل کیا ہے۔[3]

صحیح کے مشابہ سے مراد: حسن لذاتہ، اور مقارب سے مراد: حسن لغیرہ ہے۔[4]

۲۔ وہ "أصح ما في الباب" روایت لانے کا اہتمام کرتے ہیں، البتہ بعض مقامات پر علوّ سند

---

(١) "النكت" لابن حجر: ص: ٤٣٧، دار الراية.

(٢) "مقدمة بن الصلاح": ص: ٢٧، مكتبة رشيديه.

(٣) "تاريخ بغداد": ٥٧/٩، و"فتح المغيث": ٨٨/١، دار الإمام الطبري.

(٤) "منحة المغيث، ص: ١٨٦، دار البشائر.

کی رعایت کرتے ہوئے ایسی روایت لائے ہیں جہاں دوسری روایت کا راوی ضبط میں زیادہ اعلی درجے کا تھا، فرماتے ہیں کہ ایسے مقامات پوری کتاب میں دس سے زائد نہیں ہیں۔

پھر باب میں صحیح روایت نہ ہو تو ضعیف روایت بھی لے آتے ہیں، البتہ متروک رواۃ سے روایت نہیں لیتے، پھر ضعیف روایت میں جہاں کہیں ضعف شدید ہو تو اسے بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اور جس پر وہ سکوت کریں تو وہ ان کے ہاں صالح ہے۔

اب صالح سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی کیا مراد ہے، صالح للاحتجاج یا صالح للاعتبار؟

اس میں علماء کی دو رائے ہیں، نیز بہت سے مقامات پر ضعف شدید کے باوجود امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ سکوت فرماتے ہیں جس کی متعدد وجوہات ہیں، اس لئے سکوت ابی داود مطلقا حجت نہیں ہے۔

سکوت ابوداود پر کلام آگے منہج کی تفصیل میں آرہا ہے، جس میں صالح سے مراد کی تعیین اور سکوت ابی داود کی وجوہات وغیرہ پر مفصل گفتگو شامل ہے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ:

۱۔ احادیث احکام کے جمع کا اہتمام۔

۲۔ اصح فی الباب روایات کے جمع کا اہتمام جس میں صحیح وحسن روایات، اور اگر باب میں صحیح روایت نہ ہو تو ضعیف بھی لے آتے ہیں، لیکن جن رواۃ کے متروک ہونے پر اتفاق ہو ان سے روایت نہیں لیتے۔

مرسل روایت تب لاتے ہیں جب اس باب میں مسند روایت موجود نہ ہو، اور کوئی مسند اس مرسل کے خلاف بھی نہ ہو۔

۳۔ حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ طبقات کے مطابق تیسرے طبقہ سے بکثرت روایات لاتے ہیں، کبھی چوتھے طبقہ کی روایات بھی لے آتے ہیں۔

***

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط

کتاب کے نام سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کی تعیین:

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق سنن ترمذی کا پورا نام: «الجامع المختصر من السنن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعرفة الصحيح والمعلول وما عليه العمل» ہے۔[1]

اس نام سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے چند اہداف:

۱۔ کتاب کا حدیث کی مختلف اصناف کو جامع ہونا۔

۲۔ معلول احادیث کا صحیح روایات سے امتیاز اور ان میں موجود علل کی وضاحت۔

۳۔ معمول بہا روایات کو جمع کرنا۔

احادیث سنن ترمذی کی چار اقسام:

حافظ ابو الفضل طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ "سنن النسائي" اور "سنن أبي داود" کی احادیث کی تین قسمیں (جو پیچھے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے بیان میں گذر چکیں) ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

صرف ابو عیسی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب (احادیث کی) چار اقسام پر مشتمل ہے:

(۱) وہ قسم جو قطعی طور پر صحیح ہے، اور یہ وہ روایات ہیں جن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ان کی موافقت کرتے ہیں (یعنی صحیحین میں بھی وہ روایات مذکور ہیں)۔

(۲) وہ قسم جو شیخین رحمہما اللہ کے علاوہ ان ائمہ ثلاثہ (امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ وترمذی رحمۃ اللہ علیہ) کی شرط پر ہو جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔

(۳) وہ قسم جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کسی صحیح روایت کی ضد کے طور پر لائے ہیں اور اس کی علت بیان کی ہے، اور علت ذکر کئے بغیر نہیں چھوڑا۔

---

(۱) " تحقيق إسمى الصحيحين وجامع الترمذى": ص: ۵۷، مكتب المطبوعات الإسلامية.

(۴)وہ قسم ہے جس کے بارے میں وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف ان احادیث کی تخریج کی ہے جس پر بعض فقہاء کا عمل ہو۔

پھر فرماتے ہیں:

"وهذا شرط واسع، فإن على هذاالأصل كلُّ حديث احتج به محتجّ أوعمل بموجبه عاملٌ أخرجه، سواء صح طريقه أو لم يصح، وقد أزاح عن نفسه الكلام، فإنه شفى في تصنيفه وتكلم علي كل حديث بما يقتضيه".(۱)

یعنی یہ تو وسیع شرط ہے، اس لئے کہ اس اصول پر تو ہر وہ حدیث جس سے کسی بھی استدلال کرنے والے نے حجت لی ہے یا اس کے مقتضی پر کسی بھی عمل کرنے والے (فقیہ) نے عمل کیا ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تخریج کی ہے، چاہے اس کی سند صحیح ہو یا صحیح نہ ہو، اور خود اپنی ذات پر سے انہوں نے اشکال ختم کر دیا ہے کہ انہوں نے اپنی تصنیف میں ہر حدیث پر اس کے مناسب کافی وشافی کلام کیا ہے۔

(یعنی پہلی تین قسموں میں تو "سنن الترمذي"، "سنن أبي داود" اور "سنن النسائي" کی طرح ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی وجہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط میں وسعت پیدا ہو گئی، اور وہ غیر صحیح وضعیف روایات بھی اس بناء پر شامل ہو گئیں کہ کچھ فقہاء کے ہاں وہ معمول بہا تھیں)۔

معمول بہا روایات میں سے شدید ضعیف کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل:

حافظ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی بعض فقہاء کے ہاں معمول بہا ہونے کی بناء پر لے آتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی شدید ضعیف اور متہم ومتروک رواۃ بالخصوص جبکہ وہ اپنی روایت میں متفرد ہوں تو ان کی روایت نہیں لیتے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے آخر میں جو «كتاب العلل» ہے اس میں خود تصریح کی

---

(۱) "شروط الأئمة الستة تحت ثلاث رسائل": ص: ۹۳، مكتب المطبوعات الإسلامية.

ہے کہ شدید ضعیف روایت قابل حجت نہیں۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"فكل من روى عنه حديث ممن يتهم به أو يضعف لغفلته وكثرة خطئه، ولايعرف ذلك الحديث إلا من حديثه، فلا يحتج به".

اور ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ «شرح علل الترمذي» میں فرماتے ہیں:

والغرائب التي خرّجها فيها بعض المناكير، ولاسيما في كتاب الفضائل، ولكنه يبين ذلك غالبا ولايسكت عنه، ولا أعلمه خرّج عن متهم بالكذب متفق على اتهامه حديثا بإسناد منفرد، إلا أنه قد يخرج حديثا مرويا من طرق أو مختلفا في إسناده، وفي بعض طرقه متهم .....نعم قد يخرج عن سيء الحفظ وعمَّن غلب علي حديثه الوهم، ويبين ذلك غالبا، ولا يسكت عنه،وقد شاركه أبوداود في التخريج عن كثير من هذه الطبقة، مع السكوت على حديثهم كإسحاق بن أبي فروة وغيره.(١)

یعنی وہ غریب روایات جن کی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں تخریج کی ہے ان میں چند مناکیر بھی ہیں، بالخصوص کتاب الفضائل میں، لیکن عموما امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ان کو بیان کرتے ہیں، اوران پر سکوت نہیں کرتے، اور مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کسی متہم بالکذب راوی جس کے متہم ہونے پر اتفاق ہو، ان سے کوئی ایسی روایت لی ہو جس میں وہ راوی منفرد ہو، البتہ کبھی وہ ایسی حدیث لے آتے ہیں جو متعدد طرق سے مروی ہوتی ہے یا اس کی اسانید میں اختلاف ہوتا ہے اور اس کے کسی طریق میں متہم راوی ہوتا ہے۔

ہاں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کبھی سیء الحفظ اور جس کی حدیث پر وہم غالب ہو اس کی روایت لے آتے ہیں، اور عموما وہاں اس کے ضعف کو بیان کرتے ہیں اور سکوت نہیں کرتے، اور اس طبقہ سے روایت لانے میں امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ بہت سے رواۃ میں ان کے شریک ہیں اور وہ ان کی احادیث پر سکوت کر جاتے ہیں جیسا کہ اسحاق بن ابی فروہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قائم کردہ طبقات میں چوتھے طبقے کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط قرار

---

(١) "شرح علل الترمذی" لابن رجب حنبلی: ص: ٣٩٧، دارالسلام.

دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

درحقیقت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی شرط سے زیادہ بلیغ (یعنی اعلی) ہے؛ اس لئے کہ حدیث جب ضعیف ہو یا طبقہ رابعہ پر اس کی بنیاد ہو، تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ضعف کو بیان کرتے ہیں اور اس پر تنبیہ کرتے ہیں، تو وہ حدیث ان کے ہاں شواہد اور متابعات کے باب سے ہو جاتی ہے، اور ان کا اصل اعتماد اسی روایت پر ہوتا ہے جو دیگر جماعت محدثین کے ہاں بھی صحیح ہوتی ہے۔

حاصل کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ امام ترمذی کی کتاب چونکہ اس فن (یعنی علل کے بیان) پر مشتمل ہے اس لئے ان کی شرط کو ہم نے ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی شرط سے کم درجہ کی قرار دیا ہے۔[1]

حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کو ابلغ ہونے کے ساتھ ساتھ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی شرط سے کم درجہ کا قرار دیا، لیکن بعض حضرات اس بناء پر کہ یہ دونوں ہی طبقہ رابعہ کے رواۃ سے روایات بطور اعتبار (یعنی شواہد ومتابعات کے طور پر) لاتے ہیں، ان دونوں کی شرط کو مساوی قرار دیتے ہیں۔

شیخ نور الدین عتر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب «الإمام الترمذي والموازنة بين جامعه وبين الصحيحين» میں لکھتے ہیں:

"تساوي الكتابان من حيث التخريج عن الرجال، وبقي امتياز الترمذي بما ذكره الحازمي من أبلغيّة شرطه وتقدمه على أبي داود، لأنه ينبه على هؤلا الضعفاء ولا يسكت عنهم".[2]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ:

۱۔ کتاب کا احادیث کی مختلف اصناف کو جامع ہونا۔

---

(١) "شروط الأئمة الخمسة تحت ثلاث رسائل": ص: ١٥١، مكتب مطبوعات الإسلامية.

(٢) "الإمام الترمذي والموازنة بين جامعه وبين الصحيحين": ص: ٦٥-٦٦.

۲۔ رجال میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط۔

چونکہ معلل روایات کو واضح کرنا مقصود ہے، لہذا چوتھے طبقہ کے رواۃ سے بھی بکثرت روایات لاتے ہیں، اور ان کے ضعف پر عموماً تنبیہ کرتے ہیں، البتہ متفق علیہ متہم رواۃ سے روایت نہیں لیتے۔

۳۔ ان کے پیش نظر ان روایات کا جمع کرنا ہے جس پر کسی نہ کسی فقیہ کا عمل ہو۔

***

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی شرط

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب صحاح ستہ میں صحت کے اعتبار سے آخری نمبر پر ہے، امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ حافظ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ طبقات میں سے تیسرے اور چوتھے طبقہ کے رواۃ سے بکثرت روایات لاتے ہیں، اور طبقہ خامسہ جو ضعفاء، متروکین اور مجاہیل پر مشتمل ہے ان سے بھی روایت لے آتے ہیں، جبکہ اس باب میں اس کے علاوہ روایت نہ ملے۔

اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے پیش نظر احادیث فقہ کو جمع کرنا ہے، صحت حدیث کی شرط انہوں نے نہیں لگائی۔

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

میں نے رے ا شہر میں ایک قدیم جزء کے پشتے پر یہ حکایت دیکھی جسے حافظ ابوحاتم المعروف بخاموش رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا کہ ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے ابوعبداللہ (ابن ماجہ) رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا مطالعہ کیا تو اس میں بہت تھوڑی سی روایات ایسی پائیں جن میں ضعف تھا اور دس سے کچھ اوپر کا عدد مذکور تھا، یا اسی مفہوم کی کوئی بات تھی۔ (۱)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ «سیرأعلام النبلاء» میں امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں اسی جیسا قول نقل کرتے ہیں:

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس «سنن» کو امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ پر پیش کیا، انہوں نے اسے دیکھا تو فرمایا: میرا خیال یہ ہے کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھ آگئی تو یہ جوامع یا ان کی اکثریت معطل ہو کر رہ جائے گی (یعنی اس کتاب کی عمدگی اور جامعیت کی وجہ سے لوگوں کی کامل توجہ پھر اسی کتاب کی جانب ہو گی)۔

پھر فرمایا:

اس میں شاید پوری تیس احادیث بھی ایسی نہ ہوں گی جن کی سند میں ضعف ہے۔

---

(۱) "شروط الائمة الستة تحت ثلاث رسائل": ص: ۱۰۱، مكتب المطبوعات الإسلامية.

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کی صحت میں شک ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قلت: قد كان ابن ماجه حافظا ناقدا صادقا، واسع العلم، وإنما غض من رتبة «سننه» ما في الكتاب من المناكير، وقليل من الموضوعات، وقول أبي زرعة -إن صح- فإنما عني بثلاثين حديثا: الأحاديث المطرحة الساقطة، وأما الأحاديث التي لا تقوم بها حجة، فكثيرة، لعلها نحو الألف".(١)

یعنی ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، حافظ، ناقد، صادق اور وسیع علم کے حامل تھے، ان کی «سنن» کا رتبہ صرف اس لئے گھٹ گیا کہ جو اس میں مناکیر اور کچھ موضوعات بھی تھیں، اور ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اگر درست ہو تو اس سے مراد بالکل متروک اور ساقط درجے کی روایات ہیں، اور بہر حال وہ روایات جن سے حجت نہیں لی جاسکتی تو وہ تو بہت ہیں شاید ہزار کے قریب ہوں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وأما ما حكاه ابن طاهر عن أبي زرعة الرازي أنه نظر فيه، فقال «لعل لا يكون فيه تمام ثلاثين حديثا مما فيه ضعف» فهي حكاية لا تصح، لانقطاع سندها، وان كانت محفوظة فلعله أراد ما فيه من الأحاديث الساقطة إلى الغاية، أو كان مارأى من الكتاب إلاجزءاً منه فيه هذاالقدر، وقد حكم أبو زرعة على أحاديث كثيرة منه بكونها باطلة أو ساقطة أو منكرة، وذلك محكي في كتاب «العلل» لأبي حاتم".(٢)

یعنی جو ابن طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو دیکھا اور فرمایا کہ «اس میں شاید پوری تیس احادیث بھی ایسی نہ ہوں گی جن میں ضعف ہے» تو یہ ایسی حکایت ہے جو درست نہیں ہے سند کے انقطاع کی وجہ سے، اور اگر محفوظ بھی ہے تو شاید ان کی مراد انتہائی ساقط روایات ہیں، یا شاید انہوں نے کتاب کا صرف ایک ہی جزء دیکھا تھا (پوری کتاب نہیں دیکھی) اور اس میں اسی قدر ضعیف تھیں، درآنحالیکہ خود ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ ان میں سے بہت سی احادیث پر باطل یا ساقط یا منکر ہونے کا حکم لگا چکے ہیں، اور وہ ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب «العلل» میں مروی ہے۔

---

(١) "سيرأعلام النبلاء"، ترجمة ابن ماجة، ٢٧٩/١٣، ط: مؤسسة الرسالة.

(٢) "النكت" لابن حجر: ١/٤٨٦، دار الراية.

نیز فرماتے ہیں:

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ ایسے رجال سے روایات لانے میں متفرد ہیں جو کذب اور احادیث کے سرقہ میں متہم ہیں، اور ان کی بعض روایات صرف ان ہی رواۃ سے معروف ہیں، پھر اس کی چند مثالیں ذکر کیں۔[1]

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے «سنن ابن ماجه» کی چونتیس احادیث پر وضع کا حکم لگایا ہے، مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب «ماتمس إليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجة» میں ان میں سے ہر ہر حدیث کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب موضوع تو نہیں، لیکن ان کی اکثریت شدید ضعیف ضرور ہے، اور بعض ان میں صحیح اور حسن درجے کی بھی ہیں۔

محمد فواد عبد الباقی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق «سنن ابن ماجه» کی کل احادیث ۴۳۴۱ ہیں، جن میں سے "كتب خمسه" پر زوائد ۱۳۳۹ روایات ہیں، اور ۶۱۳ احادیث "ضعيف الإسناد"، اور ۹۹ "واهية الإسناد"، منكر یا "مكذوب" ہیں۔[2]

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ:

(۱) احادیث احکام کو فقہی ابواب پر مرتب کرنا۔

(۲) "سنن ابن ماجه" دوسری "سنن" سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس میں بہت سی ضعیف بلکہ بعض شدید ضعیف روایات بھی ہیں، اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ طبقہ ثالثہ اور رابعہ کے علاوہ طبقہ خامسہ کے رواۃ سے بھی روایات لے آتے ہیں۔

(۳) ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ضعف کے بیان کا اہتمام بھی نہیں کرتے، لہذا ان کی ذکر کردہ روایت بالخصوص وہ روایات جن میں وہ متفرد ہیں جانچ پرکھ کر ہی قبول کرنی چاہیے۔

---

(١) "المصدر السابق".

(٢) "سنن ابن ماجه" بترقيم محمد فؤاد عبدالباقي.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شرط

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ محدثین میں سے سب سے پہلے محدث شمار کئے جاتے ہیں، جنہوں نے مخصوص ضوابط ومعیارات کے تحت احادیث کو چھانٹ کر صحیح روایات کے جمع کرنے کا کام شروع کیا، پھر ان کی محنت وکوشش کا ثمرہ «موطأ» کی شکل میں سامنے آیا جس کی تہذیب وتنقیح میں انہوں نے چالیس برس صرف کئے تھے، اور مسلسل اس کی روایات کو چھانٹتے رہے یہاں تک کہ صرف پانچ سو کے قریب احادیث بچیں، جو روایات صحیحہ کا ایسا بہترین خلاصہ تھا جس کی صحت کے اطمینان کے علاوہ انہوں نے اسے کتاب اللہ، سنت ثابتہ اور اہل مدینہ کے عمل پر پرکھ لیا تھا۔

اسی لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ما في الأرض بعد كتاب الله أكثر صوابا من موطأ مالك بن أنس".[1]

یعنی کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔

گو بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات «صحيح البخاري» کے ظہور میں آنے سے پہلے فرمائی تھی، لیکن درحقیقت «صحيح البخاري»، «موطأ» امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اصح ہے، اس میں علماء کا اختلاف رہا ہے، اور کوئی مضبوط دلیل ایسی نہیں جس کی بنیاد پر «صحيح بخاري» کو فوقیت دی جائے۔

تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بنیادی شرط صحیح روایات کا جمع کرنا ہے، لہذا وہ روایت لیتے وقت رواۃ میں مندرجہ ذیل اوصاف ملحوظ رکھتے ہیں:

۱۔ رواۃ کا ثقہ ہونا:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ثقہ رواۃ سے ہی روایت لیتے ہیں۔

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی امام مالک پر رحم کرے کہ وہ رجال حدیث پر

---

(۱) "الاستذكار": ۱/۱۶۶.

تنقید کے معاملے میں کتنے شدید تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب کسی غیر معروف راوی سے روایت کریں تو وہ حجت ہے۔

حافظ یحی ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عبدالکریم ابوامیہ کے علاوہ ہر وہ راوی جس سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے وہ ثقہ ہے۔

بشر بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا تو فرمانے لگے: کیا تم نے اسے میری کتاب میں دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ تو فرمایا: اگر وہ ثقہ ہوتا تو تم اسے میری کتاب میں دیکھ لیتے۔ (۱)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے «التمهيد» میں ایک باب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی «موطأ» کی فضیلت میں قائم کیا ہے جس میں ایسے بہت سے اقوال درج کئے ہیں۔

۲۔ رواۃ کی طلب حدیث میں شہرت اور احادیث کی فہم کا لحاظ:

طلب حدیث میں شہرت کی شرط دیگر محدثین کے بھی پیش نظر رہی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: شیخین نے بھی اپنی کتابوں میں عموماً اس کا لحاظ کیا ہے، جیسا کہ پیچھے مفصل بیان ہو چکا۔ (۲)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کا لحاظ کرتے ہیں۔

مطرف بن عبد اللہ کہتے ہیں:

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم نے اپنے اس شہر (مدینہ) میں ایسے بہت سے صالح اور عبادت گزار مشائخ پائے، جن میں سے کسی سے بھی ہم

---

(۱) "المحدث الفاصل" للرامهرمزي" ص: ۴۱۰، دارالفكر، "التمهيد" لابن عبدالبرّ: ص: ۶۱ -۶۵، وزارة شؤون الإسلامية.

(۲) ص: ۵۵.

نے کبھی کوئی حدیث نہیں لکھی، میں نے عرض کیا: ابو عبد اللہ ایسا کیوں؟ تو فرمانے لگے: اس لئے کہ انہیں یہ تک معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کیا بیان کرتے ہیں، اور ہم ابن شہاب (زہری) رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر ہجوم کئے رہتے تھے۔[1]

نیز فرماتے ہیں:

چار آدمیوں سے علم حاصل نہیں کیا جائے گا، ان کے علاوہ سے حاصل کیا جائے گا:

۱۔ بے وقوف شخص سے علم نہیں لیا جائے گا۔

۲۔ خواہش پرست (مبتدع) جو لوگوں کو اپنی خواہش کی طرف بلاتا ہو۔

۳۔ جو شخص لوگوں سے گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو۔

۴۔ اس شیخ سے جو صالح و عابد ہو، لیکن جو بیان کرتا ہو اسے نہ سمجھتا ہو۔[2]

اس کلام سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں راوی کے فہم روایت کے ساتھ ساتھ طلب حدیث میں شہرت کا لحاظ بھی معلوم ہوتا ہے۔

نیز یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ مبتدعین کی روایت سے اجتناب کرتے ہیں۔

۳۔ غریب روایات سے اجتناب:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ فلاں شخص غرائب بیان کرتا ہے! تو فرمایا: میں اس سے متنفر ہوں، اور جب ان کو کہا جاتا کہ یہ حدیث آپ کے علاوہ کوئی نہیں بیان کرتا، تو اسے چھوڑ دیتے، اسی وجہ سے ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"إن مالكا كان من أشدّ الناس تركا لشذوذ العلم ولذلك صار إماما".[3]

یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ لوگوں میں علم (حدیث) کی شاذ باتوں کو سب سے زیادہ ترک کرنے والے تھے اور اسی وجہ سے وہ امام بن گئے۔

---

(۱) "المحدث الفاصل": ۴۰۳، دارالفكر.

(۲) "التمهيد": ۶۶/۱، تحت وزارة شؤون الإسلامية.

(۳) "التمهيد": ۶۵/۱، مطبوعة تحت وزارة شؤون الإسلامية.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ:

۱۔ صحیح روایات کا جمع کرنا۔

۲۔ ایسے رواۃ سے روایت لینا جو ثقہ ہو، طلب علم میں مشہور ہو، روایت کے ساتھ ساتھ درایت کے بھی حامل ہو اور مبتدع نہ ہوں۔

۳۔ غرائب سے اجتناب۔

***

شرح معانی الآثار میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط

کتاب کے نام سے شرط کی تعیین:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے مقدمہ میں اپنا ہدف یہ بیان کیا ہے کہ بعض لوگ احکام کی احادیث میں اختلاف کی وجہ سے احادیث میں تناقض کا دعوی کر رہے تھے جس کی وجہ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے رفقاء نے درخواست کی، تو انہوں نے احکام کی احادیث پر مشتمل ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ کیا جس میں احادیث مختلفہ میں تناقض کا وہم دور کیا جاسکے، ناسخ و منسوخ کا بیان کرکے، یا ان میں جمع و تطبیق کے ذریعے سے، یا جو راجح ہے اس کی مرجوح پر ترجیح کو واضح کرکے اختلاف کو رفع کیا جائے۔

اسی بناء پر ان کی کتاب کا نام جو خود امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے "شرح معاني الآثار المختلفة المروية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الأحكام" ہے۔[1]

اس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود احادیث مختلفہ میں تناقض کے وہم کو دور کرنا ہے، لہذا وہ مد مقابل کی روایات بھی لاتے ہیں، اور اس کے ضعف کو بیان کرتے ہیں، پس ان کی کتاب میں صحیح، حسن، اور ضعیف تینوں طرح کی روایات ملتی ہیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط میں ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا جائزہ:

ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اپنی "تاریخ" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"وروى الطحاوي، فأكثر، وكتب «مسنده» وهو جليل القدر، إلا أنه لايعدل الصحيحين، لأنّ الشروط التي اعتمدها البخاري ومسلم في كتابيهما مجمَع عليها بين الأمة كما قالوه، وشروط الطحاوي غير متفَق عليها كالرواية عن مستور الحال وغيره. فلهذا قُدّم «الصحيحان» بل وكتب السُّنة المعروفة عليه لتأخر شروطه عن شروطهم".[2]

یعنی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کثرت سے روایت کی ہے اور اپنی سند سے کتاب لکھی

---

(١) "نثرالأزهار": ١/٩،جامعه يوسفيه هنگو.

(٢) "مقدمة ابن خلدون":، ٢/ ١٨٣،دار يعرب.

ہے، اور وہ جلیل القدر کتاب ہے، لیکن «صحیحین» کے مساوی نہیں، اس لئے کہ وہ شروط جن پر بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی ہے امت میں متفق علیہ ہیں جیسا کہ محدثین نے کہا ہے، اور طحاوی کی شروط غیر متفق علیہ ہیں جیسا کہ مستور الحال وغیرہ سے روایت کرنا، لہذا «صحیحین» کو اس پر مقدم کیا گیا ہے، بلکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شروط معروف "کتب سنن" کے شروط سے کم درجہ کی ہونے کی وجہ سے ان کو بھی تقدیم حاصل ہے۔

ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات انصاف پر مبنی نہیں ہے، کیونکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اکثر ضعیف روایات عموما فریق مخالف کی حجّت کے لیے بیان میں لاتے ہیں، اور مقصود اس کا ضعف اور حجّت کی صلاحیت نہ ہونے کو بیان کرنا ہوتا ہے۔

اور یہی کام امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے، عجیب بات یہ ہے وہی روایات امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بلکہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ بھی لاتے ہیں، جبکہ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ تو بہت سے مقامات پر اس کا ضعف بھی بیان نہیں کرتے، اور ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ وہاں یہ اعتراض نہیں کرتے۔ اور نہ ہی ان رواۃ کو ان حضرات کی شرط قرار دیتے ہیں۔

اور یہاں مستور الحال سے محض روایت کرنے کی بناء پر مستور الحال سے روایت کرنے کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط بتلاتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ پر فن حدیث سے ناواقفیت کے الزام کی حقیقت:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ناقدین میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں، وہ «منهاج السنة» میں لکھتے ہیں:

"وَالطَّحَاوِيُّ لَيْسَتْ عَادَتُهُ نَقْدَ الْحَدِيثِ كَنَقْدِ أَهْلِ الْعِلْمِ؛ وَلِهَذَا رَوَى فِي "شَرْحِ مَعَانِي الْآثَارِ" الْأَحَادِيثَ الْمُخْتَلِفَةَ، وَإِنَّمَا يُرَجِّحُ مَا يُرَجِّحُهُ مِنْهَا فِي الْغَالِبِ مِنْ جِهَةِ الْقِيَاسِ الَّذِي رَآهُ حُجَّةً، وَيَكُونُ أَكْثَرُهَا مَجْرُوحًا مِنْ جِهَةِ الْإِسْنَادِ لَا يَثْبُتُ، وَلَا يَتَعَرَّضُ لِذَلِكَ، فَإِنَّهُ لَمْ تَكُنْ مَعْرِفَتُهُ بِالْإِسْنَادِ كَمَعْرِفَةِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِهِ، وَإِنْ كَانَ كَثِيرَ الْحَدِيثِ، فَقِيهًا

عَالِمًا".(١)

یعنی: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کو ویسے نہیں پرکھتے جیسے دیگر اہلِ علم پرکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے جب وہ «شرح معاني الآثار» میں متعارض احادیث روایت کرتے ہیں تو ان میں سے جو حدیث ان کے نزدیک قیاس کے لحاظ سے حجت ہو، وہ زیادہ تر اسے ترجیح دیتے ہیں، جبکہ ان میں سے اکثر سند کے اعتبار سے کمزور ہوتی ہیں اور وہ اس سے تعرض نہیں کرتے، کیونکہ انہیں دوسرے اہلِ علم کی طرح سند کی معرفت نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کثیر الحدیث، فقیہ اور عالم ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ تبصرہ سخت ناانصافی پر مبنی ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے «غيث الغمام» علامہ لکھنوی کی یہ تصنیف «غيث الغمام» در حقیقت کتاب «إمام الكلام فى القراءة خلف الإمام» پر حواشی ہیں، اور ایک قدیم نسخہ مجھے ملا ہے جس کے حاشیہ پر لکھائی خاصی باریک ہے) میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر شدید نکیر کی ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر مزید لکھتے ہیں:

کہ «الرسالة المستطرفة» میں علامہ کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ صالح فلانی رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول نقل کیا ہے کہ اگر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ویسے اہتمام کے ساتھ «موطأ» کو دیکھتے ٦ جس اہتمام سے «صحيح بخاري» کو دیکھا تو ان میں کوئی فرق نہ پاتے۔

مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ یہ قول نقل کرکے فرماتے ہیں:

یہی بات میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہتا ہوں کہ وہ اگر ویسے بغور «شرح معاني الآثار» کو دیکھتے جیسا کہ انہوں نے صحاح ستہ کو بغور دیکھا تو اس میں اور ان کتب میں فرق نہ پاتے، جیسا کہ ان سے پہلے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کر چکے ہیں (کہ وہ «شرح معاني الآثار» کو "سنن أبي

(١) "منهاج السنه": ٨/١٩٥.

داؤد" و"سنن الترمذی" کے درجہ میں رکھتے ہیں) حالانکہ وہ اس قدر متعنت اور تنقید میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں کہ انہوں نے صحیحین کی بعض احادیث کے بارے میں بھی موضوع ہونے کا دعوی کیا ہے، جیسا کہ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب «النكت على مقدمة ابن الصلاح» میں نقل کیا ہے۔ انتھی۔[1]

شرط طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ پر فوقیت دی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"وأما رُجحانه على نحو سنن أبي داود، وجامع الترمذي، وسنن ابن ماجه، ونحوها فظاهر لايشُك فيه عاقل، ولايرتاب فيه إلا جاهل، وذلك لزيادة ما فيه من بيان وجوه الاستنباطات وإظهار وجوه المعارضات وتمييز النواسخ من المنسوخات ونحو ذلك".[2]

یعنی: اس کی سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، اور سنن ابن ماجہ جیسی کتب پر فوقیت بالکل ظاہر بات ہے، اس میں کوئی بھی عقلمند شک نہیں کر سکتا، اور کوئی جاہل ہی اس میں شبہ کا شکار ہو گا، اور یہ فوقیت وجوہ استنباط کے بیان اور معارضہ کی مختلف وجوہات کے اظہار اور ناسخ روایات کی منسوخ سے تمیز وغیرہ باتوں کے اضافہ کی وجہ سے ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

اصول یہی ہے اور معرفت حدیث میں اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے، اور کتب مذکورہ میں یہ چیزیں نہیں ہیں جیسا کہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں، تو اگر کوئی مدعی بعض ضعفاء اور ساقط درجے کے رجال کی بنیاد پر اس کے مرجوح ہونے کا دعوی کرتا ہے تو اسے جواب دیا جائے گا کہ سنن مذکورہ بھی تو اس کی مثل روایات سے بھری ہوئی ہیں، بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ احادیث باطلہ اور موضوعہ سے خالی نہیں ہیں، اور احادیث ضعیفہ تو بہت ہیں۔[3]

---

(١) "ما تمس اليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجة": ص: ٦١-٦٦، دار أحياءالتراث قطر.

(٢) "نخب الأفكار": ١/٨٠، دارالمنهاج.

(٣) "المصدر السابق".

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باوجود اپنی شدت کے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کو «موطأ إمام مالک» پر ترجیح دی ہے۔[1]

مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے فیصلہ کن بات:

مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ «شرح معاني الآثار» کو "سنن أبي داود" کے مرتبے میں رکھتے ہیں، اور "سنن الترمذي" سے مقدم کرتے ہیں، چنانچہ «مقدمة فيض الباری» میں فرماتے ہیں:

"ويقربه (أي يقرب من سنن أبي داود) عندي كتاب الطحاوي المشهور ب-«شرح معاني الآثار» فإن رواته كلهم معروفون، وإن كان بعضهم متكلما فيه أيضا، ثم الترمذي..."[2]

یعنی میرے نزدیک "سنن أبي داود" کے قریب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے، جو «شرح معاني الآثار» کے نام سے مشہور ہے، اس لئے کہ اس کے رواۃ سب معروف ہیں اگرچہ ان میں بعض متکلم فیہ بھی ہیں، پھر ترمذی ہیں...

ان حضرات کی کتب کے رجال اور «شرح معاني الآثار» کے رجال کے موازنہ سے بھی حضرت کشمیری کی بات کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شروط کا خلاصہ:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کا خلاصہ دو باتیں ہیں:

۱۔ احادیث مختلفہ میں نسخ، جمع، یا ترجیح کے بیان کے ذریعے تناقض کے وہم کو دور کرنا۔

۲۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رجال میں شرط "سنن أبي داؤد" کی شرط کے قریب قریب ہے۔

***

(۱) "مقدمة أماني الأحبار" ص: ۶۳، اداره تاليفات اشرفيه.

(۲) "فيض الباری": ۵۳/۱، مكتبة رشيديه.

باب دوم

- تالیف کتب سے محدثین کی اغراض ومقاصد
- اغراض محدثین کا مفہوم اور ان پر اطلاع کے فوائد ومقاصد
- صحاح ستہ کے مؤلفین کی اغراض
- امام مالک اور امام طحاوی رحمہا اللہ کی اغراض
- موقوف اور مقطوع روایات میں محدثین کا منہج
- آثار صحابہ وتابعین پر مشتمل کتب پر ایک اجمالی نظر

تالیف کتب سے محدثین کی اغراض ومقاصد

غرض کا لغوی واصطلاحی معنی:

الغرض: الهدف الذي يُرمَى إليه، والجمع أغراض. (١)

محمد علی تھانوی صاحب اپنی کتاب «كشاف إصطلاحات الفنون» میں غرض کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"الغَرَض بفتح الغين والراء المهملة:مالأجله فَعَل الفاعلُ، ويسمى «علة غائية» أيضا أي الغرض هو الأمر الباعِثُ للفاعل على الفعل، فهو المحرّك الأول للفاعل، وبه يصير الفاعل فاعلا". (٢)

یعنی «غرض» وہ شئ ہوتی ہے جس کی وجہ سے فاعل کا فعل ہوتا ہے،اور اسے «علّت غائية» بھی کہتے ہیں یعنی غرض:وہ امر ہے جو فاعل کے فعل کا باعث بنتا ہے،تو وہ فاعل کے لئے محرّک اول کا درجہ رکھتا ہے،اور اسی سے فعل کا کرنے والا فاعل بنتا ہے۔

محدثین کی اغراض سے مراد:

وہ اسباب اور اہداف ہیں جو کتاب کی تالیف کا باعث ہوتے ہیں۔

مصنف کی غرض سے بھی اس کا منہج متعین ہوتا ہے، اور اغراض میں اختلاف کی وجہ سے شروط اور مناہج میں فرق آتا ہے، اس لئے کہ شروط تو اغراض کے حصول کے لئے قائم کی جاتی ہیں،اسی وجہ سے کبھی کسی غرض کو شرط کے عنوان سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں۔

لیکن در حقیقت وہاں یہ فرق ضرور ہوتا ہے کہ (شرط) احادیث کے انتخاب کے وقت کسی وصف کے التزام کا نام ہے، جبکہ (غرض) اس وصف سے موصوف مجموعہ روایات کا حصول ہے، گویا «التزام وصف» اور اس کے «نتیجہ وثمرہ» کا فرق ہوتا ہے۔

---

(١) "المصباح المنير" ٢/٤٤٥، ط: المكتبة العلمية.

(٢) "كشاف إصطلاحات الفنون" ص: ١٠٩٦، الجزءالثاني، سهيل أكيدمي.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض میں تین چیزیں شامل ہیں:

۱۔ صحیح اور مرفوع روایات کا جمع کرنا۔

جمع حدیث کے ابتدائی دور میں مرفوع احادیث اور صحابہ کرام و تابعین کے اقوال وغیرہ سب کتب احادیث میں شامل ہوتے تھے، پھر «مسانید» کا زمانہ آیا تو اس میں مرفوع روایت ہوتی تھیں، لیکن صحیح، حسن، ضعیف ہر طرح کی روایات شامل ہوتی تھیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں موجود تھے تو انہوں نے فرمایا:

«لوجمعتم كتابا مختصرا لصحيح سنة النبي صلى الله عليه وسلم»

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ بات میرے دل میں اتر گئی، تو میں نے «الجامع الصحيح» کی جمع کا کام شروع کر دیا۔[1]

نیز فرماتے ہیں:

میں نے اس زمانے میں خواب دیکھا کہ گویا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا ہوں اور پنکھے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکھیاں اڑا رہا ہوں، تو میں نے بعض معبرین سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا: تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کذب کو دور کرو گے، اس بات نے مجھے «الجامع الصحيح» لکھنے پر آمادہ کر دیا۔[2]

۲۔ احادیث سے فقہی مسائل کا استنباط:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری غرض احادیث سے مسائل فقہیہ اور احکام شرعیہ کا استنباط ہے، اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تقطیع اور تکرار سے کام لیتے ہیں۔ یعنی: بسا اوقات پوری حدیث ایک جگہ ذکر نہیں کرتے، بلکہ اس کے مختلف ٹکڑے مختلف مواقع پر حسب ضرورت ذکر کرتے

---

(۱) "هدى الساري" ص: ۸.

(۲) "المصدر السابق".

ہیں، اور اگر ایک حدیث سے کئی مسائل مستنبط ہوتے ہیں تو اسے متعدد جگہ پر لاتے ہیں، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا والی حدیث بیس مقامات پر ذکر کی ہے۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے یہ تراجم بعض مقامات پر بہت دقیق ہیں اور ترجمۃ الباب اور روایت میں مطابقت جاننے کے لئے گہرے غوروفکر سے کام لینا پڑتا ہے، اور ان سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تفقہ اور دقت نظری معلوم ہوتی ہے لہذا کہا جاتا ہے "فقه البخاري في تراجمه".

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض سے متعلق مذکورہ بالا تفصیل شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے «حجة الله البالغه» میں ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

"أولهم: أبو عبد الله البُخَارِيّ وَكَانَ غَرَضه تَجْرِيد الْأَحَادِيث الصِّحَاح المستفيضة الْمُتَّصِلَة من غَيرهَا، واستنباط الْفِقْه والسيرة وَالتَّفْسِير مِنْهَا، فصنف جَامعه الصَّحِيح، و وفى بِمَا شَرط".(١)

فرق باطلہ کی تردید:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر اس دور کے فرق باطلہ کی تردید بھی ہے، اس وجہ سے "كتاب الرد على الجهمية" وغیرہ کتب اور ابواب قائم کرتے ہیں، نیز کتاب کے آخر میں پھر کتاب التوحید لائے ہیں، البتہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک ضمنی مقصد ہے۔

***

(١) "حجة الله البالغه" ١/٢٥٨، دارالجيل بيروت.

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی غرض

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد صحیح احادیث کو دیگر روایات سے الگ کر کے جمع کر دینا ہے، استنباط احکام ان کی غرض میں شامل نہیں، چنانچہ وہ ایک موضوع کی احادیث کو اس کے تمام صحیح طرق کے ساتھ ایک جگہ مرتب شکل میں جمع کر دیتے ہیں، تاکہ متون کا اختلاف واضح ہو جائے، اور حدیث کی متعدد و مختلف اسانید ایک بہترین اور مرتب شکل میں سامنے آئیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز عمل سے کسی حدیث کے مختلف متون میں جو الفاظ کی کمی بیشی ہے اس پر اطلاع کے ساتھ ساتھ اس کی مختلف اسانید یکجا مل جاتی ہیں، جس سے اس کا درجہ متعین کرنا سہل ہو جاتا ہے، باقی استنباط احکام سے چونکہ ان کی غرض متعلق نہیں، لہذا اپنی کتاب کے تراجم ابواب بھی انہوں نے خود قائم نہیں کیے، بلکہ بعد کے لوگوں نے حواشی میں بڑھائے ہیں۔ ہمارے موجودہ ہندوستانی نسخے میں قائم کردہ عنوانات امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ثانيهم:مُسلم النَّيْسَابُورِي، توخّى تَجْرِيد الصِّحَاح الْمجمَع عَلَيْهَا بَين الْمُحدثين الْمُتَّصِلَة المرفوعة مِمَّا يستنبط مِنْهُ السّنة، وَأَرَادَ تقريبها إِلَى الأذهان وتسهيل الاستنباط مِنْهَا، فرتب ترتيبا جيدا، وَجمع طرق كل حَدِيث فِي مَوضِع وَاحِد، ليتضح اخْتِلَاف الْمُتُون وتشعُّبُ الأسانيد أصرحَ مَا يكون،وَجَمَع بَين المختلفات، فَلم يدَعْ لمن لَهُ معرفَة لِسَان الْعَرَب عُذرا فِي الْإِعْرَاض عَن السّنة إِلَى غَيرهَا".(١)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل اغراض سامنے آتی ہیں:

۱. مجمع علیہ صحیح روایات کا جمع کرنا۔
۲. ایسی متصل مرفوع روایات کا جمع کرنا جو استنباط سنت کے لیے بنیاد بن سکیں۔
۳. روایات کے متعدد طرق نیز متون کے مختلف الفاظ کو یکجا مرتب کرنا تاکہ استفادہ سہل ہو، اور متون میں کچھ اختلاف ہو تو وہ سامنے آسکے۔

---

(١) "المصدر السابق".

۴. اور اس سب سے مقصود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پوری وضاحت اور قوت کے ساتھ پیش کر دینا تا کہ ہر وہ فرد جو عربی زبان سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، اس کے لیے اس سنت کو ترک کر کے کوئی دوسری راہ اختیار کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

***

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کو ان کے متأخر ہونے کے باوجود رتبے میں «صحیحین» کے بعد شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ رجال پر نقد کے معاملے میں بسا اوقات شیخین سے بھی زیادہ شدت کرتے ہیں، اور اس کتاب کی تالیف کا سبب امیر رملہ کا حکم تھا جیسا کہ پیچھے تفصیل سے بیان ہو چکا، لہذا اس میں زیادہ تر صحیح روایات ہیں۔

باقی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقصد علل اسانید بیان کرنا ہے چنانچہ وہ احادیث کی علل خفیہ پر "هذا خطأ" کہہ کر متنبہ کرتے ہیں۔ پھر وہ حدیث لاتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح ہو، اس کے ساتھ استنباطِ احکام پر بھی ان کی نظر ہوتی ہے۔

***

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی غرض

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ائمہ عظام اور فقہاء کرام کے مستدلات کو جمع کرنا ہے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں بعض کم فہم لوگوں کو یہ شبہ ہونے لگا کہ ائمہ عظام اور فقہاء کرام حدیث میں مہارت نہیں رکھتے، تو امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء کے مستدلات جمع کئے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ثالثهم:أَبُو دَاوُد السجسْتانِي، وَكَانَ همُّته جمع الْأَحَادِيث الَّتِي اسْتدلَّ بهَا الْفُقَهَاء، ودارَتْ فيهم، وَبنى عَلَيْهَا الْأَحْكَامَ عُلَمَاء الْأَمْصَار، فصنَّف «سنَنه»، وَجمع فِيهَا الصِّحَاح وَالْحسن واللين والصالح للْعَمَل.قَالَ أَبُو دَاوُد: مَا ذكرت فِي كتابي حَدِيثا أجمع النَّاس على تَركه، وَمَا كَانَ مِنْهَا ضَعِيفا صرَّح بضعفه، وَمَا كَانَ فِيهِ عِلّة بَينهَا بِوَجْه يعرفهُ الخائض فِي هَذَا الشَّأْن، وَتَرْجَم على كل حديث بِمَا قد استنبط مِنْهُ عَالم، وَذهب إِلَيْهِ ذَاهِب، وَلذَلِك صرح الْغَزالِيّ وَغَيره بِأَن كِتَابه كَافٍ للمجتهد".(١)

البتہ چونکہ ان کا مقصود ان روایات کا جمع کرنا ہے جن سے فقہاء نے استدلال کیا ہے؛ لہذا وہ مسلم کی طرح صحیح روایات کے جمع کی پابندی نہیں کرسکے، لیکن "أصح ما في الباب" روایت لانے کی کوشش کرتے ہیں، اور ضعیف ومضطرب روایت پر بسا اوقات (قال أبوداود) کے عنوان سے کلام بھی کرتے ہیں۔

***

(١) "المصدر السابق".

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض

۱۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غرض تو ائمہ کے مذاہب اور اختلافات بیان کرنا ہے، اس میں وہ صحابہ و تابعین کے مذاہب اور فقہاء امصار کے مسالک اور ان کے ہاں معمول بہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔

۲۔ دوسری غرض اس باب میں مذکور روایات کی نشاندہی ہے جس کے لئے وہ ایک یا دو روایات کو بالتفصیل لاتے ہیں، اور باقی کی طرف (وفی الباب) سے اشارہ کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخین اور امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے طریقوں کو جمع کر دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"و رابعهم: أبوعِيسَى التِّرْمِذِيّ، وَكَأَنَّهُ اسْتحْسنَ طَرِيقَة الشَّيْخَيْنِ حَيْثُ بَينا وَمَا أبهما، وَطَرِيقَة أبي دَاوُد حَيْثُ جمع كل مَا ذهب إِلَيْهِ ذَاهِب، فجمع كلتا الطريقتين وَزَاد عَلَيْهَا بَيَان مَذَاهِب الصَّحَابَة وَالتَّابِعِينَ وفقهاء الْأَمْصَار.

فَجمع كتابا جَامعا وَاخْتصرَ طرق الحَدِيث اختصارا لطيفا، فَذكر وَاحِدا، وَأَوْمَأَ إِلَى مَا عداهُ، وَبَين أَمر كل حَدِيث من أَنه صَحِيح أَو حسن أَو ضَعِيف، أَو مُنكر، وَبَين وَجه الضعْف، ليَكُون الطَّالِب على بَصِيرة من أمره، فَيعرف مَا يصلح للاعتبار عَمَّا دونه، وَذكر أَنه مستفيض أَو غَرِيب، وَذكر مَذَاهِب الصَّحَابَة وفقهاء الْأَمْصَار، وسَمَّى من يحْتَاج إِلَى التَّسْمِيَة وكنى من يحْتَاج إِلَى الكنية، وَلم يدَعْ خَفَاء لمن هُوَ من رجال الْعلم، وَلذَلِك يُقَال: إِنَّه كَاف للمجتهد مُغنٍ للمقلد".(۱)

۳۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غرض علل احادیث کا بیان بھی ہے، اسی وجہ سے وہ بسا اوقات حدیث معلل سے ابتداء کرتے ہیں اور اسے مفصل ذکر کرتے ہیں، جبکہ اس باب میں مشہور حدیث کو ترجمۃ الباب میں یا وفی الباب کے تحت لاتے ہیں۔

---

(۱) "حجة الله البالغة" ۱/۲۵۸، دار الجيل بيروت.

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی غرض

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی غرض امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی غرض کے مشابہ ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ «سنن ابن ماجه» فقہی تبویب اور حسن ترتیب کے اعتبار سے دیگر کتب سے ممتاز ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"هو كتاب مفيد قوي التبويب في الفقه".(۱)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ حسن ترتیب اور اس ترتیب کی اغراض کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وهذا أحسن بالترتيب،حيث بدأ بأبواب اتباع السنة إشارة إلى أن التصنيف في جمع السنن أمر لا بد منه، وتنبيها للطالب على أن الأخذ بهذه السنن من الواجبات الدينية، ثم عقَّب هذه الأبواب أبواب العقائد من الإيمان والقدر؛ لأنها أول الواجبات على المكلف، ثم عقب بفضائل الصحابة؛ لأنهم مُبَلّغوا السنن إلينا فما لم يثبت عدالتم لا يتم لنا العلم بالسنن والاحكام".(۲)

یعنی یہ بہت اچھی ترتیب ہے کہ اتباع سنت کے ابواب سے ابتداء کی ہے، اس بات کی طرف اشارہ کے لئے کہ سنن کی جمع میں تصنیف کے لئے یہ ایک ضروری امر ہے (کہ سنن کے فضائل سے ابتداء کی جائے تاکہ ان پر عمل کا شوق اور جذبہ پیدا ہو) اور یہ طالب علم کو بھی متنبہ کرنا ہے کہ ان سنن کا حصول واجبات دینیہ میں سے ہے، پھر ان ابواب کے بعد عقائد کے ابواب میں سے ایمان اور قدر کے ابواب لائے ہیں، اس لئے کہ وہ مکلف پر سب سے پہلا واجب ہے، پھر اس کے بعد فضائل صحابہ لائے ہیں؛ اس لئے کہ ہم تک سنن پہنچانے والے تو وہی حضرات ہیں، تو جب تک ان کی عدالت ثابت نہ ہو گی ہم تک سنن واحکام کے علم کا حصول مکمل نہ ہو گا۔

***

(۱) "اختصار علوم الحديث".

(۲) "شرح سنن ابن ماجة" للسيوطي: ص: ۲، ط: قديمي كتب خانه كراتشي.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی غرض

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے، اور صرف احادیثِ مرفوعہ پر اکتفا کرنے کے بجائے اقوالِ صحابہ و تابعین بھی ذکر کیے ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مسند کے ساتھ ساتھ مرسل حدیث سے بھی احتجاج کرتے ہیں، اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وارد مسائل سے بھی استدلال کرتے ہیں، اہل مدینہ صحابہ و تابعین کے فتاویٰ سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں، بالخصوص اگر کسی مسئلہ میں فقہاء سبعہ کا اتفاق ہو جائے تو اسے اہتمام سے ذکر کرتے ہیں۔

امام صاحب نے احادیث نبویہ پر اکتفا کرنے کے بجائے اقوال صحابہ و تابعین کو اس لیے ذکر کیا، کیونکہ یہ اسلامی فقہی مصادر میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اس کے بغیر تفقہ فی الحدیث ممکن نہیں، امام صاحب کا مقصد صرف نصوصِ شریعت کی تدوین نہ تھا، بلکہ آپ نصوص سے مسائل کے استنباط و استدلال کے لیے ایک جامع طرز اُسلوب متعارف کروانا چاہتے تھے۔

***

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے مقدمہ میں کتاب لکھنے کی غرض خود بیان کی ہے جو پہلے بھی ذکر ہو چکی ہے کہ بعض لوگ احکام کی احادیث میں اختلاف کی وجہ سے احادیث میں تناقض کا دعوی کر رہے تھے، جس کی وجہ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے رفقاء نے درخواست کی تو انہوں نے احکام کی احادیث پر مشتمل ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ کیا جس میں احادیث مختلفہ میں تناقض کا وہم دور کیا جاسکے، ناسخ و منسوخ کا بیان کر کے یا ان میں جمع و تطبیق کے ذریعے سے یا جو راجح ہے اس کی مرجوح پر ترجیح کو واضح کر کے اختلاف کو رفع کیا جائے۔

کتب محدثین کے فوائد واغراض پر ایک جامع تبصرہ:

شیخ ابوالحسن سندھی صغیر صاحب «بهجة النظر فی شرح نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر» اپنے «ثبت» کے آخر میں فرماتے ہیں:

"من أراد كثرة الأحكام فعليه بسنن أبي داود، ومن أراد المطالب العاليه فصحيح البخاري، ومن أراد حسن سرد الروايات فصحيح مسلم، ومن أراد الاطلاع على الفنون الحديثية والفقهية فجامع الترمذي، وإن أراد علو المطلب مع حسن السرد مع خلوص الأحكام فسنن النسائي، وإن أراد مااشتمل على الفنون الكثيرة التي انفرد بها عن غيره من الكتب فسنن ابن ماجه، وإن نظر إلى جلالة المصنف وإمامته فموطأ مالك، وإن أراد أجمع كتاب دوّن في الإسلام مع جلالة مؤلفه فمسند أحمد، والله أعلم".

یعنی جو شخص کثرت احکام کا طلبگار ہے تو اس کے لئے سنن ابوداؤد ضروری ہے، اور جو مطالب عالیہ کا خواہش مند ہے تو صحیح بخاری، اور جو روایات کے (کثرت سے اور مسلسل طور پر) لانے کی خوبی چاہتا ہو تو صحیح مسلم ہے، اور جو فقہی اور حدیثی فنون پر مطلع ہونا چاہتا ہے، تو جامع الترمذی ہے، اور اگر عالی مطالب کے ساتھ ساتھ روایات لانے کی خوبی اور احکام پر استدلال بھی درکار ہو تو سنن نسائی، اور اگر ایسی کتاب چاہیے ہو جو بہت سے ایسے فنون پر مشتمل ہو جو دیگر کتب میں نہ ہوں تو سنن ابن ماجہ ہے، اور اگر وہ مصنف کی جلالت قدر اور امامت کو دیکھتا ہے تو "موطأ"

امام مالک ہے، اور اگر وہ دور اسلام میں تدوین شدہ حدیث کی سب سے جامع کتاب چاہتا ہے جبکہ اس کا مؤلف بھی جلیل القدر امام ہو تو مسند احمد بن حنبل ہے۔

بعض دیگر حضرات کا کلام:

علماء نے لکھا ہے: ہر حدیث پڑھنے والے کو سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ اس حدیث کے متعلق ائمہ رحمہم اللہ کیا کہتے ہیں اور ان کا مذہب کیا ہے؟ یہ بات ترمذی سے معلوم ہو گی۔ اس کے بعد جب مذہب معلوم ہو گیا تو اب ضرورت ہے کہ اس کی دلیل معلوم ہو، وہ وظیفہ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس کے بعد اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ کیسے مستنبط ہوا؟ یہ وظیفہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ وہ استنباطِ مسائل کا طریقہ دکھلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں، اس کے بعد جب احادیث سے مسائل مستنبط ہو گئے اور دلائل سامنے آ گئے تو ان دلائل کی تقویت کے لیے اسی مضمون کی دوسری حدیث کی بھی ضرورت ہوتی ہے، یہ کمی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پوری کرتے ہیں، اب آدمی مولوی ہو جاتا ہے۔

اب اس کے بعد اس کو محقق بننے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ یہ معلوم کرے کہ یہ حدیث جو مستدل بن رہی ہے، اس کے اندر کوئی علت تو نہیں، اس کا تعلق نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، اس کے بعد آدمی کو ایک مستقل بصیرت حاصل ہو جاتی ہے، اب اس کو چاہیے کہ وہ احادیث پر غور کرے اور خود دیکھے کہ اس حدیث کے اندر کوئی علت تو نہیں، کیوں کہ نسائی شریف کے اندر تو خود امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ساتھ دے رہے تھے اور بتلاتے جاتے تھے کہ اس حدیث میں یہ علت ہے، لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بغیر کسی کے مطلع کیے ہوئے خود احادیث کو پرکھے اور علل کو تلاش کرے، اس کے اندر معین ابن ماجہ ہے، کیوں کہ اس میں احادیث گڈمڈ ہیں اور کسی کے متعلق یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے، انہی اغراض کے پیش نظر ہمارے اکابر نے مذکورہ بالا ترتیب قائم فرمائی تھی۔[1]

---

(١) "سراج القاری، ج١، مقدمة الكتاب، ص:٥٣.

باب سوم

سند حدیث سے متعلقہ مباحث

- ❖ احادیث معلقہ لانے میں محدثین کے مناہج
- ❖ مرسل و منقطع روایات میں محدثین کا منہج
- ❖ حدیث کے متعدد طرق کے بیان اور ان کے اختصار میں محدثین کا منہج
- ❖ احادیث کی تصحیح و تعلیل میں محدثین کے مناہج

احادیث معلّقہ لانے میں محدثین کے مناہج

محدثین کے نزدیک روایت کو ایسے طور پر ذکر کرنا کہ سند کے شروع سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی محذوف ہو، تعلیق کہلاتا ہے۔

پھر زیادہ کی کوئی تحدید نہیں چاہے سند آخر تک محذوف ہو، تو اس میں وہ صورت بھی داخل ہے جہاں پوری سند کو حذف کر کے صرف متن ذکر کیا جاتا ہے۔

صحیحین کی بات کی جائے تو ان میں اصل یہی ہے کہ امام بخاری و مسلم رحمہا اللہ ایسی احادیث لائیں گے جن کی اسانید متصل ہوں گی، اور اصول کتاب میں شیخین نے اس کا التزام بھی کیا ہے، جیسا کہ پیچھے مفصل گزر چکا، البتہ متابعات میں یہ حضرات احادیث معلقہ لائے ہیں، بالخصوص امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تراجم ابواب میں مختلف علمی اغراض کے تحت کثرت سے معلق روایات لائے ہیں، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی معلق حدیث جو صحیح مسلم میں دوسری جگہ موصولا موجود نہ ہو صرف ایک ذکر کی ہے۔

***

معلق احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

صحیح بخاری کی تعلیقات دو طرح کی ہیں:

۱۔ وہ تعلیقات جو صحیح بخاری میں ہی دوسری جگہ موصولا موجود ہیں۔

۲۔ وہ تعلیقات جو صحیح بخاری میں دوسری جگہ موصولا موجود نہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس پر لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات میں سے اکثر وہ ہیں جنہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں دوسری جگہ موصولا ذکر کیا ہے، اور اختصار اور تکرار سے بچنے کے لئے تعلیقًا لائے ہیں۔ اور جن روایات کو دوسری جگہ موصولا نہیں لائے وہ ایک سو ساٹھ (۱۶۰) احادیث ہیں، جنہیں شیخ الاسلام (حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی تالیف لطیف مسمی "بالتوفیق" میں موصولا بیان کیا ہے۔ اور تمام تعلیقات ومتابعات اور موقوفات پر ایک جلیل القدر کتاب "تغليق التعليق" کے نام سے تحریر کی ہے، اور پھر اس سے اسانید کو حذف کر کے ایک اور کتاب لکھی جس کا نام "التشويق إلى وصل المهم من التعليق" رکھا ہے۔[1]

روایات موصولہ کو معلق لانے کی وجہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت اپنی صحیح میں یہ ہے کہ وہ بلا فائدہ کسی شئ کو مکرر نہیں لاتے، لہذا اگر کوئی متن حدیث متعدد احکام پر مشتمل ہو تو اسے ان احکام کے مطابق ابواب میں مکرّر لائے ہیں، اور جب اس کے جملوں کو علیحدہ کرنا ممکن ہو تو اسے علیحدہ کر کے مطلوبہ ٹکڑا ذکر کرتے ہیں، اور اس طرح کے تکرار میں بھی وہ اسناد کو مکرر نہیں لاتے، بلکہ اپنے شیوخ یا شیوخ کے شیوخ کو بدل دیتے ہیں (تاکہ وہ حقیقت کے اعتبار سے تکرار نہ رہے، بلکہ نئی حدیث کا ذکر کرنا ہو جائے)۔

پھر جب کسی حدیث کی سند (ان کی شرط کے مطابق) ایک ہی ہو اور حدیث متعدد احکام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مختلف ابواب میں ذکر کرنے نوبت آئے، تو وہاں متن کو یا سند کو مختصر کر دیتے ہیں۔

---

(۱) "تدريب الراوى" ۱/۷۶، دار ابن الجوزي.

لہذا جس روایت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جگہ موصولا ذکر کیا ہو، اس کو معلق لانے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے۔

تعلیقات صحیحین کا شیخین کی شرط پر ہونا ضروری نہیں:

یہاں اس بات کا ملحوظ ہونا بہت ضروری ہے کہ صحیحین کی تعلیقات کا وہ مرتبہ نہیں جو اصول کتاب میں مذکور روایات کا ہے، بہت سے حضرات کسی روایت کو صحیح بخاری میں دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق صحیح ہے، حالانکہ وہ معلق روایت ہوتی ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقات میں ضعیف روایات بھی ذکر کی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ابو الحسن القطان رحمۃ اللہ علیہ نے جزما کہا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات ان کی صحیح کی شرط پر نہیں ہیں۔[1]

البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تعلیقات میں بھی شدید ضعیف روایت نہیں لاتے، کیونکہ کتاب کو «صحیح» کے نام سے موسوم کیا ہے، اس لیے شدید ضعیف روایت کا تذکرہ اس میں مناسب نہ تھا، پھر ضعیف روایت بھی اگر لاتے ہیں تو ایسے طور پر کہ یا تو اس کے ضعف کا ازالہ تعدد طرق وغیرہ سے ہو چکا ہوتا ہے، یا کوئی اور وجہ ہوتی ہے، اور صیغہ تمریض سے عموما اس کے ضعف کی جانب اشارہ بھی کر دیتے ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

صیغہ جزم اور تمریض کے اعتبار سے معلّقات صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تقسیم:

پھر ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقات بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے:

ا۔ تعلیق جازم:

یعنی وہ تعلیقات جن کو نقل کرتے ہوئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جزم اور یقین کے الفاظ استعمال کئے ہیں جیسے:

---

(١) "النكت" لابن حجر: ص:٨٧، دارالكتب العلمية.

"قال فلان یا روىٰ فلان یا ذکر فلان" وغیرہ، اسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "التعلیق الجازم" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

۲. تعلیق ممرّض:

وہ تعلیقات جن کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایسے الفاظ سے لائے ہیں جن سے کمزوری اور ضعف ظاہر ہوتا ہے جیسے:

"رُوي عن فلان یا رُوي عن رسول الله ﷺ کذا، یا في الباب عن النبی ﷺ کذا" اسے "التعلیق الممرّض" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

تعلیق جازم کی اقسام:

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تلخیص کر کے «تدریب الراوي» میں تعلیق جازم کی چار قسمیں ذکر کی ہیں، جو کچھ مزید اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

۱۔ پہلی قسم:

وہ ہے جو صحیح بخاری کی شرط سے ملحق ہو، اور اس کو معلّق لانے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اختصار کی وجہ سے اس کی طرف اشارہ پر اکتفاء کر لیا جائے، یا راوی نے وہ روایت باقاعدہ سماع سے حاصل نہیں کی بلکہ اثناء مذاکرہ سنی، یا سماع میں کچھ شک تھا؛ اس لیے اصول میں لانا مناسب نہ سمجھا۔

۲۔ دوسری قسم:

وہ ہے جو ان کی شرط سے ملحق تو نہ ہو، لیکن دیگر کی شرط پر پوری اترتی ہو جیسا کہ کتاب الطھارۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ نبی اکرم ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی «صحیح» میں اس کی تخریج کی ہے۔

۳۔ تیسری قسم:

وہ روایت ہے جو حسن اور قابل حجّت ہو، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں یہ قول "قال

بهز بن حكيم عن أبيه عن جدّه: أللّٰه أحقّ ان يستحیٰ منه"ذکر کیاہے،یہ حدیث حسن مشہور ہے،اصحاب «سنن» نے اس کی تخریج کی ہے۔

۴۔چوتھی قسم:

وہ ہے جو ضعیف تو ہو لیکن رجال پر جرح کی وجہ سے نہیں بلکہ سند میں انقطاع یسیر کی وجہ سے۔

اسماعیل کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ انہوں نے وہ حدیث اس شیخ سے کسی ایسے شخص کے واسطے سے سنی ہوتی ہے، جو ان کے ہاں اس شیخ سے نقل کرنے میں ثقہ ہوتا ہے،اور وہ روایت بھی اس شیخ سے مشہور و معروف ہوتی ہے،اور یا اس وجہ سے کہ انہوں نے جن سے روایت سنی وہ ان کی کتاب کی شرط کے کے موافق نہیں ہوتا،لہذا وہ اس مقام پر مروی عنہ کا نام ذکر کرکے (قال فلان وغیرہ) سے تنبیہ کرتے ہیں،اس سے تحدیث نہیں بیان کرتے، جیسا کہ کتاب الزکاۃ میں ان کا قول ہے:

"وقال طاوس: قال معاذ بن جبل لأهل اليمن:ائتوني بعرض ثياب"اس کی اسناد طاؤس تک صحیح ہے، مگر طاوس کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔(لہذا قال طاوس قال معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہا)۔[1]

تعلیق مرض کا حکم:

وہ تعلیقات جن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صیغہ تمریض استعمال کیا ہے ضروری نہیں کہ وہ ضعیف ہی ہوں،بلکہ مختلف وجوہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صیغۂ تمریض لاتے ہیں۔خود ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:لأن مثل هذه العبارات تستعمل في الحديث الضعيف أيضا.[2]

---

(١) "المصدرالسابق" ١/٤٤٠.

(٢) "تدريب" ١/٧٨، دار ابن الجوزي.

صحیح روایات میں صیغہ تمریض لانے کی وجوہات:

علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول پر لکھتے ہیں:

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول«أيضا» سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بسا اوقات حدیث صحیح میں بھی چند وجوہات کی بناء پر صیغہ تمریض لاتے ہیں:

۱۔ یا تو اس وجہ سے کہ اس روایت کو انہوں نے روایت بالمعنی کے طور پر ذکر کیا ہوتا ہے۔ جیسے:

"ويذكر عن ابن عباس عن النّبيّ ﷺ في الرقي بفاتحة الكتاب".

اس روایت کو انہوں نے دوسری جگہ سند متصل کیساتھ ذکر کیا ہے، جس میں آتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت ایک بستی کے پاس سے گزری جس میں ایک آدمی کو سانپ نے ڈس لیا تھا، پھر سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے والی پوری روایت ذکر کی ہے۔

۲۔ اور یا اس وجہ سے بھی صیغہ تمریض لے آتے ہیں کہ وہ روایت ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی جیسے:

"ويذكر عن عبدالله بن السائب قال قرأ النبيﷺ المؤمنون في صلاة الصبح حتى ذا جاء ذكر موسى وهارون أخذته سلعة فركع".

یہ روایت صحیح ہے، اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے (اپنی صحیح میں) اس کی تخریج کی ہے۔[1]

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعض رواۃ کی وجہ سے اسے مسند انہیں لائے۔

۳۔ اور کبھی اس وجہ سے لاتے ہیں کہ صحیح کیساتھ اس روایت کو ملاتے ہیں جو صحیح نہیں ہوتی، تو ایسا صیغہ لاتے ہیں جو دونوں میں استعمال ہو سکے مثلاً طلاق (سے متعلق باب) میں فرماتے ہیں:

"ويذكر عن علي بن أبي طالب وابن المسيّب... "الخ

پھر تیئس (۲۳) کے قریب تابعین کا تذکرہ کیا۔

۴۔ کبھی صیغہ تمریض حدیث حسن کے بارے میں بھی لاتے ہیں۔ جیسے (کتاب) البیوع

(۱) "صحيح مسلم" ۳۹/۲.

میں فرماتے ہیں:

"ويذكر عن عثمان بن عفّان أنّ النبيّ ﷺ قال: "إذا بعت فكل وإذا ابتعت فاكتل".

اس حدیث کو دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن المغیرۃ کے طریق سے (اور وہ صدوق ہیں) حضرت منقذِ مولی عثمان رضی اللہ عنہ سے (اوران کی بھی توثیق کی گئی ہے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اس روایت کی حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے متابعت موجود ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی «مسند» میں لائے ہیں، مگر ان کی اسناد میں ابن لہیعہ ہیں، اور ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی «مصنف» میں عطاء عن عثمان کے طریق سے روایت کیا ہے، لیکن اس میں انقطاع ہے۔ بہر حال حدیث اِن عَواضد کی وجہ سے حسن کے درجہ کی ہے۔[1]

صیغہ تمریض سے مذکورہ ضعیف تعلیقات کی اقسام:

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صیغہ تمریض کیساتھ جو ضعیف تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی بھی دو صورتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ وہ ضعیف روایات جن کے ضعف کا ازالہ کرنے والی کوئی شئ موجود ہو، اسے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (ضعيف منجبر) سے تعبیر کیا ہے، اور اس کی مثال ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومثال التعليق الممرض الذى يكون إسناده ضعيفا فرداً لكنه انجبر بأمر آخر: قوله فى الوصايا: ويذكر أن النبيّ ﷺ قضى بالدين قبل الوصية".

پھر اس کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس روایت کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ابو اسحاق السبیعی رحمۃ اللہ علیہ کی حارث عن علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے، اور حارث ضعیف جدّا ہے، اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو غریب قرار دیا ہے، پھر اہل علم کا اس قول پر اجماع نقل کیا ہے، تو حدیث کو اجماع کے ذریعے تقویت حاصل ہو گئی۔

---

(١) "تدريب الراوى" ١/٨٠، دار ابن الجوزي.

۲۔ وہ ضعیف روایت جو ضعیف کے درجہ سے ترقی تو نہیں کرتی، اور کسی دوسرے سبب سے اس کے ضعف کا ازالہ بھی نہیں ہوتا، اس کے بعد عموماامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے ضعف کی تصریح کرتے ہیں، گویا اس روایت کو تردید کے لئے لاتے ہیں، اس کی مثال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کتاب الصلاۃ میں یہ قول ہے: ''ویذکر عن أبي هريرة رفعه ''لا يتطوع الإمام في مكانه'' ولم يصحّ.

اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں: گویا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول سے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ''ليث بن أبي سليم عن الحجاج بن عبيد عن إبراهيم بن إسماعيل عن أبي هريرة'' کے طریق سے تخریج کی ہے، اور لیث بن ابی سلیم ضعیف اور اس روایت میں متفرد ہیں، اور ان کے شیخ الشیخ مجہول ہیں۔[1]

پھر ایک مثال وہ ذکر کی جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (لایصحّ) کا قول لیا، اور وہاں درحقیقت روایت کے مرفوع ہونے کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔ (یہ اس بات کی ایک مثال ہے کہ کبھی محدثین مطلقا "لایصح" کہتے ہیں، اور مراد روایت کے رفع کی نفی ہوتی ہے، موجودہ دور میں تحقیق حدیث پر کام کرنے والوں کو یہ بات ملحوظ ہونا چاہئے)۔

حاصل کلام:

آخر میں حاصل کلام ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ان مثالوں سے یہ بات بالکل واضح اور ظاہر ہو جاتی ہے کہ تعلیق جازم میں سے ایک بڑی تعداد وہ ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔

اور صیغہ تمریض سے جو تعلیقات لائے ہیں، وہ اگر معرض احتجاج میں اور بطور استشہاد لائے ہیں تو وہ صحیح یا حسن یا ضعیف منجبر (یعنی حسن کے ضعف کا ازالہ کسی دوسرے سبب سے ہو چکا) ہے۔ اور اگر وہ روایت معرض ردّ میں لائے ہیں تو وہ ان کے ہاں ضعیف ہوتی ہے، اور ہم بیان کر

---

(۱) "ألنكت لابن حجر" ص: ۹۷، دار الكتب العلميه.

چکے کہ وہ اس کا ضعیف ہونا ذکر کرتے ہیں۔[1]

موقوف راویات کی تعلیقات کا حکم:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جو کچھ ہم نے ذکر کیا وہ سب مرفوع روایات سے متعلق تھا، اور موقوفات میں جو بھی روایت صحیح ہو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں صیغہ جزم استعمال کرتے ہیں، اگر چہ وہ ان کی شرط کے مطابق نہ ہو، اور جس میں ضعف و انقطاع ہو تو وہاں صیغۂ تمریض لاتے ہیں، اور جب مختلف شخصوں سے موقوف روایت نقل کرتے ہیں اور ان کی اسناد مختلف ہوں اور ان میں سے ایک صحیح اور دوسری ضعیف ہو، تو یہاں وہی راستہ اختیار کرتے ہیں جو کرنا چاہیے کہ صیغہ تمریض استعمال کرتے ہیں۔[2]

وہ تعلیقات جن کی نسبت ان کے قائل کی طرف نہیں کی گئی:

آخر کلام میں حافظ صاحب فرماتے ہیں:

یہ تمام گفتگو ان تعلیقات کے بارے میں تھی جن کی نسبت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صریح طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی طرف کی ہے، اور جن روایات کی نسبت انہوں نے قائل کی طرف نہیں کی (اور یہ وہ روایات ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب میں یہ صراحت کئے بغیر لائے ہیں کہ یہ احادیث نہیں) تو ان میں سے اکثر اگر چہ صحیح ہیں، لیکن ان میں ضعیف روایات بھی ہیں، جیسا کہ ان کا قول: "باب إثنان فما فوقهما جماعة".

لیکن یہ تعلیقات مذکورہ بالا اقسام میں سے کسی قسم کے تحت داخل نہیں، بلکہ یہ ایک مستقل قسم ہے جس کے جمع کرنے اور اس پر کلام کرنے کی ضرورت ہے، اس سے اور گذشتہ تعلیقات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ «صحيح بخاري» احادیث کی کتنی بڑی تعداد پر مشتمل ہے نیز اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت اطلاع اور احادیث احکام کی معرفت سامنے آتی ہے۔[3]

---

(١) "ألنكت لابن حجر، ص: ٩٨، دار الكتب العلميه.

(٢) "المصدر السابق".

(٣) "المصدر السابق".

***

معلق احادیث میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طرز عمل کے برعکس امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ معلّق روایات بہت ہی کم لائے ہیں۔ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

«صحيح مسلم» میں صرف ایک جگہ تیمم کے بارے میں حدیث معلّق آئی ہے کہ فرمایا: "وروى الليث بن سعد." پھر ابو جہیم حارث بن الصّمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی: "أقبل رسول الله ﷺ من نحو بئر جمل". اور مزید دو جگہ حدود اور بیوع میں دو روایتوں کو متصلا نقل کرنے کے بعد انہی روایتوں کو لیث بن سعد سے معلّق نقل کیا ہے۔ اور چودہ مقامات ایسے ہیں جہاں کوئی حدیث متصلا نقل کی اور پھر فرمایا:

"ورواه فلان".[1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان چودہ مقامات کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ یہ درحقیقت ۱۳ مقامات ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ایک روایت مکرر شمار ہوئی ہے، اس لئے چودہ کا مغالطہ ہوا۔[2]

***

(١) "تدريب الراوى" ص ١/٧٦، دار ابن الجوزي قاهره.

(٢) "النكت" ص: ٩٩، دارالكتب العلمية).

مرسل روایات کے لانے میں شیخین کا منہج

مرسل روایت سے مراد وہ روایت ہوتی ہے: جس میں تابعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، فعل یا تقریر وغیرہ براہ راست نقل کرے، مثلاً سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا....

تو یہاں صحابی رضی اللہ عنہ کے واسطہ کا محذوف ہونا تو یقینی ہے، اور اس بات کا احتمال بھی ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی تابعی بھی محذوف ہو، کیونکہ عین ممکن ہے کہ نقل کرنے والے تابعی نے اپنے کسی رفیق تابعی سے وہ روایت سن کر نقل کی ہو۔

بہر حال حدیث مرسل، منقطع کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، اور اس کی سند چونکہ متصل نہیں ہوتی اور اتصال سند «صحیحین» کی روایات میں شرط ہے، لہذا شیخین اصول کتاب میں تو مرسل روایات نہیں لائے ہیں، البتہ متابعات میں لائے ہیں۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شیخین رحمہا اللہ کو مرسل سے استدلال مقصود نہیں تھا، تو ان کو لانے کی کیا ضرورت تھی؟

تو حافظ ابن حجر اور علامہ سیوطی رحمہا اللہ وغیرہ حضرات نے اس سوال کا جواب دیا ہے۔

صحیحین میں مرسل روایات کے موجود ہونے کی وجہ:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ «هدى الساري» میں لکھتے ہیں:

"حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے جزء جس کا نام انہوں نے «جواب المتعنت» رکھا ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ آپ خوب سمجھ لو کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث کو اپنی کتاب میں متعدد مواضع میں لاتے ہیں، لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک ہی روایت بعینہ اسی سند اور انہی الفاظ سے دو جگہ پر لائیں، وہ تو اسے دوسرے طریق سے لاتے ہیں ان مقاصد کے حصول کے لئے جو ہم ذکر کریں گے، اور اللہ ہی ان کی مراد کو بہتر جانتا ہے۔

پھر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان وجوہات کا تذکرہ کیا جن کی بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ متعدد

طرق سے روایت لاتے ہیں اور اس میں فرمایا:

"ومنها أحاديث تعارض فيها الوصل والإرسال، ورجح عنده الوصلُ فاعتمده، وأورد الإرسال مبنها على أنه لا تأثيرله عنده في الوصل".[1]

یعنی ان میں سے وہ روایات بھی ہیں جن میں وصل اور ارسال میں تعارض ہو، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وصل راجح ہو، تو انہوں نے اسی پر اعتماد کیا ہے، اور مرسل روایت اس بات پر تنبیہ کے طور پر لائے ہیں کہ ان کے نزدیک اس روایت کی وجہ سے وصل متأثر نہیں ہوتا؛ کیونکہ ان کے ہاں وہاں وصل ہی راجح ہے، اور مرسل کا تذکرہ بس یہ بتانے کے لئے ہے کہ اس کے وصل وارسال میں اختلاف پایا جاتا ہے انتھی۔

اور حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ «صحیح مسلم» میں احادیث مرسلہ کے موجود ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقع في صحيح مسلم أحاديث مرسلة، فانتُقِدت عليه، وفيها ما وقع الإرسال في بعضه، فأما هذا النوع فعذره فيه أنه يورده محتجا بالمسند منه، لابالمرسل، ولم يقتصر عليه، للخلاف في تقطيع الحديث، على أن المرسل منه قد تبين اتصاله من وجه آخر".[2]

یعنی صحیح مسلم میں احادیث مرسلہ بھی آئی ہیں، اور اس بناء پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پر تنقید ہوئی ہے، اور ان مرسل روایات میں وہ روایات بھی ہیں جن کی بعض اسانید میں ارسال ہے۔

اس نوع کی روایات لانے میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا عذر یہ ہے کہ وہ اس مسئلے میں مسند سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں نہ کہ مرسل سے، اور صرف مسند پر اکتفاء اس لئے نہیں کرتے کہ احادیث کی تقطیع میں اختلاف ہے (گویا مسند روایت میں وہاں تقطیع یا کوئی اور وجہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے صرف مسند پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ مرسل بھی ذکر کرتے ہیں) نیز اس مرسل کا متصل ہونا بھی کبھی دوسرے طریق سے واضح ہوتا ہے۔

---

(١) "هدى الساري" ١/٢٥، دارالرسالة العالمية.

(٢)"تدريب الراوى" ١/٢٦.

مزید فرماتے ہیں:

"وفيه من هذاالنمط نحو عشرة أحاديث، والحكمة في إيراد ما أورده مرسلا بعد إيراده متصلا إفادة الاختلاف الواقع فيه".[1]

یعنی صحیح مسلم میں اس طرح کی احادیث دس کے قریب ہیں، اور جس حدیث کو متصل لا چکے، پھر اسے مرسل لانے کی حکمت اس اختلاف کا بیان کرنا ہے جو اس کے وصل وارسال میں ہے۔

نورالدین عتر رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"وأما الشيخان فإنهما يخرجان ما صح وصله ورفعه، لا ما ترجح انقطاعه أو وقفه، وقد يخرجان في بعض الأحيان الحديث على وجهين: الإرسال والوصل، أو الوقف والرفع، فيخرجانه أولا من طريق صحيح متصل ثم يذكران المرسل في المتابعات والشواهد والمعلقات، إشارةً للخلاف في الحديث وأنه صحيح لا يضره الخلاف، بل يكون المرسل مقويا للمتصل بعد أن ثبتت صحة الوصل والرفع".[2]

یعنی شیخین رحمہما اللہ صرف اس روایت کی تخریج کرتے ہیں جس کا وصل ورفع ان کے ہاں راجح ہوتا ہے نہ کہ اس روایت کی جس کا انقطاع یا وقف راجح ہو، اور بعض اوقات وہ حدیث کو ارسال اور وصل یا وقف اور رفع دونوں طرح سے لاتے ہیں، تو پہلے صحیح، متصل روایت کی تخریج کرتے ہیں، پھر مرسل کو متابعات، شواہد اور معلقات میں ذکر کرتے ہیں، اس حدیث میں اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے، اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ روایت صحیح ہے، اور یہاں اختلاف مضر نہیں ہے، بلکہ جب وصل اور رفع ثابت ہو جائے تو پھر وہ مرسل بھی اس متصل روایت کو تقویت ہی پہنچاتی ہے۔

اس پر کچھ مثالیں ذکر کرنے کے بعد دکتور نور الدین عتر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے

---

(١) "المصدر السابق".

(٢) "الإمام الترمذي و الموازنة بين جامعه وبين الصحيحين" ١٣٧،١٣٦، لجنة التأليف والنشر بجامعة الأزهر.

شیخین رحمہما اللہ پر جو اشکال ہوتا ہے کہ جب مرسل روایت جمہور محدثین کے ہاں ضعیف ہے، تو پھر شیخین احادیث مرسلہ ومنقطعہ کی تخریج کیسے کرتے ہیں؟ تو اس مذکورہ بالا تفصیل سے اس اشکال کا جواب معلوم ہو جاتا ہے، کہ وہ اصل احتجاج حدیث مسند سے کرتے ہیں اور مرسل کا تذکرہ اس روایت میں اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کرتے ہیں۔[1]

صحیحین میں موجود مرسل روایات کی مقدار:

اور اس سب کے باوجود «صحيحين» میں مراسیل کا وجود بہت کم ہے، صحیح مسلم میں صرف دس احادیث مرسلہ ہیں جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان دس میں سے بھی صرف ایک حدیث ایسی ہے جو دوسرے طریق سے موصولا مذکور نہیں ہے، اور وہ حضرت ابو العلاء بن الشخیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

"كان رسول الله صلي الله عليه وسلم ينسخ حديثه بعضه بعضا، كما ينسخ القرآن بعضه بعضا".[2]

اس ایک روایت کے علاوہ جہاں بھی وہ مرسل روایات لاتے ہیں، وہاں پہلے مسند روایات سے استدلال کرتے ہیں اور مقصد ان کا اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے، اور ظاہر ہے اس صورت میں اصل حدیث کو اس مرسل روایت سے کوئی ضرر نہیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

***

(١) "المرجع السابق".

(٢) "صحيح مسلم" رقم الحديث: ٣٤٤، كتاب الحيض، باب إنما الماء من الماء.

غیر موصول روایات میں ارباب سنن اربعہ کا منہج

ارباب سنن اربعہ نے اپنی کتب میں یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ موصول احادیث ہی ذکر کریں گے، لہذا سنن اربعہ میں مرسل اور منقطع روایات بھی ملتی ہیں۔ اور ان حضرات کا غیر موصول روایات لانے کی کچھ وجوہات اور متعین مقاصد ہوتے ہیں۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ جب مرسل یا منقطع روایت لاتے ہیں تو اہتمام سے اس کا مرسل یا منقطع ہونا بیان کرتے ہیں، حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

"يبين المنقطع كقوله في حديث مخرمة بن بكير عن أبيه: «مخرمة لم يسمع من أبيه شيئا»، وفي حديث لأبي عبيدة عن أبيه عبدالله بن مسعود«أنه لم يسمع من أبيه شيئا».....ومن ذلك كقوله عقب حديث للزهري عن ابن عمر في صلوة الخوف: «الزهري سمع من ابن عمر حديثين ولم يسمع هذا منه".(۱)

اسی طرح مرسل روایات کے بعد ان کے مرسل ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ويبين المرسل كقوله في حديث لجرير عن منصور عن ربعي عن حذيفة رفعه«لا تقدموا الشهر»: أرسله الحجاج بن أرطاة عن منصور بدون حذيفة..."(۲)

یہ امثلہ ذکر کرنے کے بعد حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ بکثرت منقطع پر مرسل کا اطلاق کرتے ہیں، نیز بسا اوقات قرائن وغیرہ مرجّحات کی بناء پر مرسل کو متصل پر ترجیح بھی دیتے ہیں۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اس بارے میں درج ذیل ہیں:

"وكثيرا مايسمي المنقطع مرسلا، كقوله عقب حديث لطلحة بن زيد الأنصاري عن حذيفة:«هذا الحديث عندي مرسل، وطلحة لا أعلمه سمع من حذيفةشيئا، وغير العلاءبن المسيب–يعني: راويه عن عمرو بن مرة عن طلحة، قال فيه: عن طلحة عن

(۱) "بغية الراغب المتمني في ختم رواية ابن السني" ص: ۷۳–۷۱، مكتبة العبيكان.

(۲) "المصدرالسابق".

رجل عن حذيفة» غير أنه كثيرا مايرجح المرسل على المتصل مع القرينة وغيرها من المرجحات له".[1]

***

(١) "المصدر السابق".

مرسل و منقطع روایات میں امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے اہل مکہ کی طرف خط لکھا اس میں اپنی کتاب میں مرسل روایات سے استدلال کا اصول ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"فاذا لم يكن مسنَد ضدُّالمرسل، ولم يوجد المسنَد فالمرسل يحتجّ به، وليس هو مثل المتصل في القوة".(١)

یعنی جب مرسل کے خلاف کوئی مسند حدیث نہ ہو اور اس باب میں مسند روایت نہ ملے تو مرسل سے استدلال کیا جائے گا، البتہ وہ قوت میں متصل کی مثل نہ ہو گی۔

پھر اپنی «سنن» میں مراسیل لانے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وإن من الأحاديث في كتاب «السنن» ماليس بمتصل، وهو مرسل ومدلس، وهو إذا لم توجد الصحاح عند عامة أهل الحديث على معنى أنه متصل، وهو مثل الحسن عن جابر، والحسن عن أبي هريرة، والحكم عن مقسم عن ابن عباس، وليس بمتصل، وسمع الحكم من مقسم أربعة أحاديث.

وأما أبوإسحاق عن الحارث عن علي فلم يسمع أبو إسحاق من الحارث إلا أربعة أحاديث، ليس فيها مسند واحد".(٢)

یعنی کتاب السنن میں موجود احادیث میں سے بعض احادیث ایسی بھی ہیں جو متصل نہیں اور وہ مرسل اور مدلس روایات ہیں، اور وہ تب لائی گئی ہیں جب جمہور محدثین کے ہاں صحیح قرار پانے والی روایات بایں معنی کہ وہ متصل السند ہوں (اس باب میں) نہ پائی جائیں، اور وہ حسن (بصری رحمۃ اللہ علیہ) کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور حسن رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور حکم رحمۃ اللہ علیہ کی مقسم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کردہ روایات جیسی روایات ہیں، درانحالیکہ وہ متصل نہیں کہ حکم رحمۃ اللہ علیہ کا مقسم رحمۃ اللہ علیہ سے سماع صرف چار روایات کا ہے، اور رہی بات أبو إسحاق عن حارث عن علي والی سند کی تو ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے

---

(١) "ثلاث رسائل" ص: ٣٣، مكتب اللمطبوعات الإسلاميه.

(٢) "ثلاث رسائل" ص: ٤٨،٤٩، مكتب المطبوعات الإسلامية.

حارث رحمۃ اللہ علیہ سے چار ہی احادیث سنی ہیں، جن میں مسند کوئی نہیں ہے۔

سنن ابی داود میں مراسیل کی مقدار:

پھر مراسیل کی کتاب میں مقدار پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وعدد كتب هذه السنن (أي الأجزاء) ثمانية عشر جزء مع المراسيل، منها جزء واحد مراسيل، وما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم من المراسيل منها ما لا يصح ومنها ما هو مسند عند غيري، وهو متصل صحيح، ولعل عدد الذي في كتبي من الأحاديث قدر أربعة آلاف وثمان مئة حديث، ونحو ست مئة حديث من المراسيل.[1]

یعنی اس سنن کے اجزاء کی تعداد مراسیل سمیت اٹھارہ جزء ہیں ان میں سے ایک جزء مراسیل کا ہے، اور جو مراسیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان میں سے بعض وہ ہیں جو صحیح (کے درجہ کی) نہیں ہیں، اور بعض وہ ہیں جو میرے علاوہ کسی دوسرے (محدث) کے ہاں مسند اموجود ہے اور وہ متصل صحیح ہے، اور شاید میری کتب میں احادیث کی مقدار چار ہزار آٹھ سو ہیں، اور چھ سو کے قریب مراسیل ہیں۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے پتا چلتا ہے کہ «كتاب المراسيل لأبي داود» جو مستقل طور پر طبع شدہ ملتی ہے، وہ بھی درحقیقت «سنن أبي داود» ہی کا ایک جزء ہے، بعض لوگ اسے مستقل کتاب خیال کرتے ہیں، حالانکہ اگر «كتاب المراسيل» کو مستقل کتاب شمار کرلیا جائے تو پھر «سنن أبي داود» میں مراسیل کی تعداد بہت کم رہ جاتی ہے۔

دکتور یاسر شمالی نے اپنی کتاب «الواضح فی مناهج المحدثين» میں سنن ابی داؤد کی ان مراسیل کی تعداد جو دوسرے مقام پر مسند اموجود نہیں چھتیس (۳۶) بتائی ہے، اور جو دوسری جگہ مسند اموجود ہیں، ان کی تعداد چونسٹھ (۶۴) بیان کی ہے۔[2] اور شیخ شعیب الأرناؤوط کی ترقیم کے مطابق (كتاب المراسيل) کی احادیث کی تعداد ۵۴۴ ہے، تو یہ مجموعہ تقریبا امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کے

---

(١) "ثلاث رسائل" ص: ٥١،٥٢، مكتب المطبوعات الإسلامية).

(٢) "ألواضح في مناهج المحدثين" ص: ٢٤٨، مكتبة الحامد.

ذکر کردہ عدد کو پہنچتا ہے۔

البتہ یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ بھی دیگر متقدمین کی طرح منقطع پر بھی مرسل کا اطلاق کرتے ہیں، اور دکتور یاسر شمالی کا ذکر کردہ عدد ان احادیث مرسلہ کا ہے جس میں تابعی صحابی کے واسطہ کے بغیر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ الفاظ استعمال کرے۔

***

مرسل و منقطع روایات میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

دکتور نورالدین عتر رحمۃ اللہ علیہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مرسل و منقطع روایت میں منہج پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"المرسل في كتاب الترمذي: وهو كثير في الجامع، وقد وجدناه بالاستقراء يشمل نوعين من أنواع الحديث:

الأول:

مرسل التابعي، وهو المشهور عند المحدثين في استعمال المرسل.

والثاني:

المنقطع.... والحديث المنقطع في كتاب الترمذي تطلق عليه عدة عبارات تفيد الانقطاع، فأحيانا يقول فيه "مرسل" وأحيانا يستعمل اللفظ الشائع لدى المحدثين وهو "المنقطع " وكثيرا ما يقول: إسناده ليس بمتصل". (١)

یعنی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں مرسل: اور وہ جامع ترمذی میں بکثرت ہے اور ہم نے استقراء سے یہ معلوم کیا ہے کہ یہ انواع حدیث میں سے دو نوعوں کو شامل ہے:

اول:

مرسل تابعی اور یہ وہی ہے جو محدثین کے ہاں لفظ مرسل کا مشہور استعمال ہے۔

ثانی:

منقطع حدیث، منقطع پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں مختلف ایسی عبارات کا اطلاق کیا گیا ہے جو انقطاع (کی خبر) کا فائدہ دیتی ہیں، تو کبھی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں «مرسل» کہتے ہیں اور کبھی محدثین کے ہاں معروف لفظ استعمال کرتے ہیں اور وہ «منقطع» ہے اور بسا اوقات یوں کہتے ہیں: «إسناده ليس بمتصل».

---

(١) "الإمام الترمذي والموازنة بين جامعه وبين الصحيحين" ص: ٢٠٠-١٩٩، جامعة الأزهر.

مرسل و منقطع روایات میں امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

حافظ ابن نقطہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب «التقييد لمعرفة رواة السنن والمسانيد» میں ابن طاہر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

"قال ابن طاهر :ولعمري إن كتاب أبي عبدالله ابن ماجه من نظرفيه علم مزية الرجل من حسن الترتيب، وغزارة الأبواب، وقلة الأحاديث، وترك التكرار، ولايوجد فيه من النوازل، والمقاطيع، والمراسيل، والرواية عن المجروحين إلا قدر ما أشار إليه أبو زرعه".(١)

یعنی ابن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: بجان من جو کوئی ابو عبد اللہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کو (بغور) دیکھ لے گا تو وہ اس شخص کی حسن ترتیب اور کثرت ابواب اور قلت احادیث اور ترک تکرار کی بناء پر خصوصی امتیاز کو جان لے گا، اور اس کتاب میں نو وارد مسائل پر فتاوی اور احادیث کے ٹکڑے مراسیل اور مجروح رواۃ سے روایت نہیں پائی جاتی مگر اسی مقدار کے بقدر جس کی جانب حافظ ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔

گویا ابن طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول «سنن ابن ماجه» میں منقطع و مرسل روایت بہت قلیل مقدار میں پائی جاتی ہیں۔

***

(١) "التقييد" ٢٨٢/١، مطبوعة تحت وزارة الأوقاف قطر.

بلاغات ومرسل روایات میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

بلاغ اس روایت کو کہتے ہیں جس میں مؤلف یہ کہے:«بلغنی عن فلان».

بلاغ اس اعتبار سے تعلیق کے مشابہ ہے، کہ دونوں میں ابتداء سند محذوف ہوتی ہے، اور اس اعتبار سے کہ عموما اس میں دو راوی پے در پے محذوف ہوتے ہیں، ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد مصطلح الحدیث پر اکثر لکھنے والوں نے اسے حدیث معضل کے تحت ذکر کیا ہے۔

بہر حال یہ حدیث منقطع کی ایک صورت ہے، اور حدیث منقطع ضعیف کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب «موطأ» میں روایت لانے میں اپنی شدت احتیاط کے باوجود بکثرت بلاغات اور مرسل روایات کیوں لائے جو محدثین کے ہاں ضعیف احادیث کی اقسام میں شمار ہوتی ہیں؟

متقدمین کی کتب میں مرسلات وبلاغات کے پائے جانے کی وجہ:

درحقیقت ائمہ متقدمین کے دور میں کذب اور نفسانی خواہشات کی پیروی اور بدعات کی ویسی ترویج نہ تھی جو بعد کے حضرات محدثین نے دیکھی، لہذا ان بعد میں آنے والے حضرات نے منقطع ومرسل روایات کو لینے سے انکار کر دیا، اور اتصال سند کی قید کو ضروری قرار دیا، ورنہ متقدمین فقہاء مرسلات سے بلاتردد استدلال کیا کرتے تھے، البتہ رواۃ کی ثقاہت ان کے پیش نظر ضرور ہوتی تھی، چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قبول روایت میں اپنی سخت شرائط اور شدت احتیاط کے باوجود مرسل روایات کو قبول کرتے ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہیں، اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی روایت لینے میں اپنی انتہائی درجہ کی احتیاط اور رواۃ کی پوری جانچ پرکھ اور شہرۃ طلب جیسی شرائط کے باوجود مرسل روایات کو نہ صرف حجت سمجھتے ہیں، بلکہ بقول حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کہ جب ارسال کرنے والا ثقہ ہو تو ان کے ہاں متصل اور مرسل میں کوئی فرق نہیں۔

چنانچہ وہ"مقدمة التمهيد" میں فرماتے ہیں:

"وَأَصْلُ مَذْهَبِ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ وَالَّذِي عَلَيْهِ جَمَاعَةُ أَصْحَابِنَا الْمَالِكِيِّينَ أَنَّ مُرْسَلَ الثِّقَةِ

تَجِبُ بِهِ الْحُجَّةُ وَيَلْزَمُ بِهِ الْعَمَلُ كَمَا يَجِبُ بِالْمُسْنَدِ سَوَاءً".(۱)

تو گویا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسند اور مرسل دونوں میں حجت ہونے کے اعتبار سے فرق نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ «موطأ» میں مرسل روایات اور بلاغات کثرت سے لائے ہیں۔

اور بعض حضرات محدثین رحمہم اللہ نے تو مبالغہ کرتے ہوئے مرسل کو مسند پر ترجیح بھی دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی ارسال کرتا ہے وہ گویا خود واسطہ (یعنی وہ راوی جو محذوف ہے اس) کے درست ہونے کی ذمہ داری اٹھاتا ہے، چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وبالغ بعضهم فقواه على المسند، وقال: من أسند فقد أحالک، ومن أرسل فقد تكفل لک".(۲)

بہر حال جمہور محدثین رحمہم اللہ کے ہاں مرسل روایات اور بلاغات انقطاع سند کی وجہ سے حدیث ضعیف کی اقسام میں شمار ہوتی ہے۔

***

(۱) "التمهيد" ۱/۲.

(۲) "تدريب الراوی" ۱/۱۰۴، دارالكتب العلمية.

«موطأ» مالک کی بلاغات ومرسلات کا حکم

البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مرسلات وبلاغات کا معاملہ دووجہ سے قدرے مختلف ہے:

ا۔ علماء محدثین کے تتبع سے معلوم ہوا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بلاغات ومراسیل دوسرے مقامات پر مسند اموجود ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب «التمهيد» میں چار روایات کے علاوہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ان بلاغات کی اسانید جمع کرکے ذکر کی ہیں، البتہ چار روایات کے بارے میں یہ کہا کہ مجھے ان کی اسانید نہیں مل سکیں، پھر ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ان چار بلاغات کے وصل پر ایک رسالہ «وصل البلاغات الأربعة في الموطأ» کے نام سے لکھا ہے، جس میں ان چار بلاغات کی اسانید ذکر کی ہیں، یہ رسالہ پہلے شیخ عبداللہ بن محمد بن صدیق عماری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہوا تھا، پھر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے مزید اضافہ جات کے ساتھ دارالبشائر الإسلاميه سے «خمس رسائل في علوم الحديث» کے تحت طبع ہوا ہے۔

۲۔ محدثین کے استقراء سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بلاغات ومرسلات میں جو رواۃ مذکور نہیں ہوتے ہیں (یعنی سند کے محذوف حصہ میں) وہ ثقہ رواۃ ہوتے ہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان روایات کو جانچ پرکھ کے بعد پوری ذمہ داری سے نقل کرتے ہیں، اور اسی بناء پر کہ ان کو ان روایات کی صحت پر پورا اعتماد ہوتا ہے ان کو معرض استدلال میں ذکر کرتے ہیں۔

چنانچہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"كَانَ مَالِك لَا يُبَلِّغُ مِنَ الْحَدِيثِ إِلَّا مَا كَانَ صَحِيحًا، وَإِذَا قَالَ: «بَلَغَنِي» فَهُوَ إِسْنَادٌ صَحِيحٌ".(۱)

یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صرف صحیح احادیث ہی کو بطور بلاغ ذکر کرتے ہیں، اور جب وہ کہتے ہیں «بلغني» تو وہ صحیح سند ہوتی ہے۔

---

(۱) "شرح الزرقاني على موطأ مالک" ۳۹۶/۴، الثقافة الدينية قاهره، و"ترتيب المدارك" ۱۶۵/۱، مطبعة فضالة.

علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مالک عن رجل عن سعید بن المسیب أحب إلی من سفیان عن رجل عن إبراهیم، فإن مالکا لم یکن یحدث إلا عن ثقة". (۱)

یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کسی شخص کا نام ذکر کئے بغیر اس کے واسطہ سے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کریں یہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے بنسبت اس کے کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح کسی شخص سے (نام کی تصریح کے بغیر) ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کریں، کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صرف ثقہ رواۃ سے ہی حدیث بیان کرتے ہیں۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے متعدد روایات نقل کیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کے علاوہ اس وقت کچھ نقل نہیں کیا، پھر فرمانے لگے: "مراسیل مالک أصح من مراسیل سعید بن المسیب، ومن مراسیل الحسن، ومالك أصح الناس مرسلا". (۲)

یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مراسیل سعید بن مسیب اور حسن بصری رحمہما اللہ کی مراسیل سے زیادہ صحیح ہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مرسل روایات میں تمام لوگوں سے زیادہ صحیح نقل کرنے والے ہیں۔

یحیی بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مرسلاتُ مالك صحاح .... وقال: كان أصحابنا يقولون مرسلات مالك إسناده". (۳)

یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مرسلات صحیح روایات ہیں... اور فرمایا ہمارے اصحاب کہا کرتے تھے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مرسلات ان کی مسانید ہی ہیں۔ (یعنی قوت میں مسانید جیسی ہی ہیں یا دیگر مقامات پر مسند اموجود ہیں)۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے رواۃ کی ثقاہت کے علاوہ (مراسیل موطأ) کی تقویت کی ایک اور وجہ

---

(۱) "ترتیب المدارک وتقریب المسالک" ۱۶۵/۱، مطبعة فضالة-المحمدية، المغرب.

(۲) "المصدر السابق".

(۳) "المصدر السابق".

بھی ذکر کی ہے اور وہ عواضد و قرائن کے ذریعے سے تقویت ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"قلت: ما فيه من المراسيل فإنها مع كونها حجة عنده بلا شرطٍ، وعند من وافقه من الأئمة على الاحتجاج بالمرسل، فهي أيضا حجة عندنا، لأن المرسل عندنا حجة إذا اعتضد، وما من مرسل في الموطأ إلا وله عاضد أو عواضد،كما سأبين ذلك في هذا الشرح، فالصواب إطلاق أن الموطأ صحيح لا يستثنى منه شيء".(١)

یعنی «موطأ» میں جو مراسیل ہیں وہ ان ائمہ کے ہاں حجت ہونے کے ساتھ ساتھ جو بلا کسی شرط کے مرسل کو حجت مانتے ہیں ہمارے ہاں بھی حجت ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک مرسل کو جب کسی عاضد (تقویت دینے والی شئ) کے ذریعے تقویت ہو جائے تو وہ ہمارے ہاں بھی حجت ہے، اور «موطأ» میں کوئی بھی مرسل ایسی نہیں جس کے لئے عاضد یا متعدد عواضد موجود نہ ہوں، جیسا کہ میں اس شرح میں بیان کروں گا، لہذا درست بات یہی ہے کہ «موطأ» کو مطلقا صحیح قرار دیا جائے اور کچھ بھی مستثنیٰ نہ کیا جائے۔

اب ان ائمہ محدثین کی شہادت کے بعد ظاہر ہے کہ «موطأ» کی بلاغات و مرسلات کا معاملہ مختلف ہو جاتا ہے، اور ان کو محدثین کے اس عمومی قاعدہ کے تحت مرسل یا بلاغ ہونے کی بناء پر ضعیف نہیں کہا جا سکتا۔

موطأ مالک میں بلاغات لانے کی وجوہات:

پھر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو درست ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مرسل روایات سے حجت لینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے، اس لئے مرسل روایات لے آتے تھے، لیکن اگر وہی روایات دیگر مقامات پر مسند اموجود تھیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں مسند اکیوں نہیں ذکر کیا؟

تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے «النکت» میں "أول من صنف فی الصحیح المجرد" کی

---

(١) "تنوير الحوالك" ص: ٨، مكتبة الثقافية.

بحث میں «صحيح البخاري» اور «موطأ مالک» میں فرق ذکر کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عموماً یہ روایات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مرسلاً ہی سنی تھیں، لہذا انہیں مرسلاً ہی نقل کر دیا، وہ فرماتے ہیں:

"والفرق بين ما فيه من المقطوع والمنقطع وبين ما في البخاري من ذلك واضح؛ لأن الذي في الموطأ من ذلك هو مسموع لمالك كذلك في الغالب، وهو حجة عنده وعند من تبعه".(١)

لیکن اس کے جواب میں شیخ صالح الفلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وفيما قاله الحافظ: من الفرق بين بلاغات "الموطأ ومعلقات البخاري" نظر، فلو أمعن النظر في "الموطأ" كما أمعن النظر في "البخاري" لعلم أنه لا فرق بينهما، وما ذكره من أن "مالكاً" سمعها كذلك غير مُسَلَّم، لأنه يذكر بلاغات في رواية يحيى مثلا، أو مرسلا، فيرويه غيره عن مالك موصولا مسندا".(٢)

یعنی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے «موطأ» کی بلاغات اور معلقات بخاری میں جو فرق بیان کیا ہے وہ محل نظر ہے، اگر حافظ صاحب «موطأ» کو بھی اسی طرح بغور دیکھتے جیسا کہ «صحيح البخاري» کو دیکھا تھا تو معلوم کر لیتے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، اور ان کا یہ کہنا کہ ان (مرسل) روایات کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے ہی (مرسلا) سنا تھا نا قابل تسلیم بات ہے، اس لئے کہ اگر وہ مثلاً یحیی کی روایت میں کوئی بلاغ یا مرسل ذکر کرتے ہیں، تو یحییٰ کے علاوہ دیگر نقل کرنے والے اسے موصولا مسند اروایت کر رہے ہوتے ہیں۔

شیخ صالح الفلانی رحمۃ اللہ علیہ کی بات اپنی جگہ درست ہے، لیکن پھر بھی اس بات کا احتمال تو موجود ہے کہ بعض روایات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تک موصولا نہ پہنچی ہوں، اس لئے جیسے ان کو پہنچی تھیں ویسے ہی نقل کر دیں۔

---

(١) "النكت" لابن حجر، ص ١/٢٧٦، عمادة البحث العلمي.

(٢) "الرسالة المستطرفة" ص: ١١، دار الكتب العلمية.

اس کے علاوہ بھی تتبع سے چند وجوہات سامنے آتی ہیں، مثلا:

ا۔ اختصار:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کبھی کسی فقہی مسئلہ پر استدلال کے لئے کوئی ایسی روایت لاتے ہیں جس کو «موطأ» میں یا «موطأ» کے علاوہ کسی دوسری جگہ مسند اذکر کر چکے ہوں، تو اختصار کی غرض سے «بلغني» کہہ کر ذکر کر دیتے ہیں۔

مثلا: "باب قضاء الاعتكاف" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رمضان میں اعتکاف کا ارادہ چھوڑ کر شوال میں اس کی قضاء کا تذکرہ ہے، اس روایت کو مسند اذکر کیا ہے۔

پھر اسی باب میں آگے فرماتے ہیں:

«بلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أراد العكوف في رمضان ثم رجع فلم يعتكف...[1]

۲۔ متفرق احادیث کا جمع کرنا:

ایک سبب بلاغات میں ذکر کرنے کا یہ بھی ہوتا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک ہی واقعہ میں وارد شدہ متفرق روایات کو جمع کر کے مکمل قصہ نقل کرتے ہیں، اور اس کو بلاغ کے طور پر نقل کرتے ہیں، کیونکہ وہ ایک روایت نہیں ہوتی بلکہ مختلف روایات کا مجموعہ ہوتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد غسل و تدفین کی کیفیت ذکر کی ہے۔

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

هذا الحديث لا أعلمه يروى على هذا النسق بوجه من الوجوه غير بلاغ مالك هذا، ولكنه صحيح من وجوه مختلفة وأحاديث شتى جمعها مالك.[2]

یعنی میرے علم کے مطابق یہ روایت اس طرح (مجموعی طور) سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی

---

(۱) "موطأ" رقم الحديث: ۱۱۲۹، كتاب الاعتكاف.

(۲) "التمهيد" ۲۴/ ۳۹۴، حديث تاسع وأربعون من البلاغات.

بلاغات کے سوا کسی بھی طریق سے مروی نہیں ہے، لیکن مختلف وجوہ سے (مختلف حصے منقول ہونے کی بناء پر) صحیح ہے، یہ احادیث متفرقہ ہیں جنہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کر دیا ہے۔

۳۔ کتب سے اخذ شدہ روایات:

بلاغات میں روایت کو ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ روایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو مسلسل روایت کے طریقے سے نہیں پہنچی ہوتی، بلکہ کسی محدث کی کتاب سے لی گئی روایت ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اسے بلاغات میں ذکر کرتے ہیں، اور صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہی نہیں بلکہ ان کے تلمیذ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین کا طریقہ کار بھی یہی ہے کہ وہ جو روایت کتب سے لیتے ہیں اس کے بارے میں "حدثنا" یا "اخبرنا" کہنا درست نہیں سمجھتے، اسے یا تو بلاغ یا تعلیق کے صیغہ سے ذکر کرتے ہیں، اور یا یوں کہتے ہیں: «وجدت في كتاب فلان كذا». تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسا کرتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

"إن الإمام مالكا نظر في كتب القوم، فيعبر عما أخذ عنها بالبلاغ..."[1]

چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے «موطأ» "كتاب العين" میں بکیر بن عبد اللہ الاشج رحمۃ اللہ علیہ کی «لاعدوى ولا هامة» والی روایت بلاغ کے طور پر نقل کی ہے، اور وجہ یہ ہے کہ امام صاحب نے یہ روایت بکیر رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مخرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے لی ہے، اور ان کا اپنے والد سے سماع نہیں ہے، بلکہ وہ ان کی کتب سے نقل کرتے تھے، چنانچہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ «موطأ» کی عبارت:

"حدثني مالک عن الثقة عنده عن بكير بن عبدالله ..." الحديث پر تعلیقا فرماتے ہیں:

"ويقال: إن الثقة ههنا عن بكير هو مخرمة بن بكير، ويقال: بل وجده مالک في كتب بكير أخذها من مخرمة".[2]

---

(١) "أوجزالمسالك" ص: ٩٨، دارالقلم.

(٢) "التمهيد" ٢٠٢/٢٤، وزارة عموم الأوقاف المغرب.

۴۔ مذاکرہ کے طور پر حاصل شدہ روایات:

بلاغ کے طور پر ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ بعض رواۃ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مقرر شدہ معیار پر پورے نہیں اترتے، لہذا ان سے حاصل شدہ روایت کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بطور تحدیث نہیں لیتے، بلکہ اسے بطور مذاکرہ لیتے ہیں اور بلاغ کے طور پر ذکر کرتے ہیں مثلا: "إذا أنشأت بحرية..." والی روایت جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بطور بلاغ ذکر کی ہے، یہ حدیث صرف علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے معروف ہے، اس لئے اہل علم کے ہاں راجح یہ ہے کہ یہ حدیث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بطور مذاکرہ لی ہے۔[1]

بلاغات «موطأ» کی مختلف صورتیں:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ «موطأ» میں کبھی تو «بلغني» کہہ کر براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول لاتے ہیں جیسے:

"بلغه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول:إذا أنشأت بحرية ثم تشاءمت فتلك عين غديقة".[2]

اور کبھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے والے صحابی، اور کبھی مزید آگے تک سند ذکر کرتے ہیں، تو اس اعتبار سے بلاغات کی مختلف اقسام:

"بلاغ عن النبي صلى الله عليه وسلم، بلاغ عن الصحابي، بلاغ عن التابعي يا بلاغ عمن دونه" وغیرہ بنتی ہیں۔

پھر بلاغات کی مذکورہ انواع کے علاوہ بھی بہت سی صورتیں بنتی ہیں مثلا:

ا۔ البلاغ عن بلاغ:

یعنی بلاغ کی وہ صورت جس میں مؤلف کے «بلغنا» کہنے کے بعد اوپر کے رواۃ میں سے کوئی پھر دوبارہ «بلغنا» کہے۔ مثلا:

---

(١) "حاشية رسالة وصل البلاغات الأربعة في الموطأ، ص: ٢٠١، دارالبشائر الاسلامية.

(٢) "الموطأ"، رقم الحديث: ٦٥٤، باب ما جاء في الاستمطار بالنجوم، ط: مؤسسة زايد بن سلطان.

عن مالك أنه بلغه أن عمر بن عبدالعزيز كتب إلى عامل من عماله أنه بلغنا أن رسول الله كان إذا بعث سرية يقول لهم: "اغدوا باسم الله في سبيل الله، تقتلون من كفر بالله.."[1]

۲۔بلاغ عن مبہم:

یعنی بلاغ کی وہ صورت جس میں مروی عنہ کے نام کی تصریح نہ کی گئی ہو جیسے: «بلغني عن أهل العلم» یا«بلغني عن الثقة عندي»وغیرہ الفاظ استعمال کرنا۔

۳۔بلاغ من غیر عزو:

یعنی کسی فرد کی جانب نسبت کئے بغیر "يقال" وغیرہ صیغہ مجہول استعمال کرنا، مثلا:

"عن مالك أنه بلغه أنه كان يقال:إن أحدا لن يموت حتي يستكمل رزقه، فأجملوا في الطلب".[2]

***

(١) "الموطأ" رقم الحديث:١٦٢٨، باب النهي عن قتل النساء والولدان في الغزو، ط: مؤسسة زايد بن سلطان.

(٢) "الموطأ" رقم الحديث:٣٣٤٧، كتاب القدر، ط: مؤسسة زايد بن سلطان.

مرسل و منقطع روایات میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ «شرح معاني الآثار» میں جب حدیث منقطع لاتے ہیں تو عموما اس کا انقطاع: «هذاالحديث منقطع» وغیرہ الفاظ سے بیان کرتے ہیں (اور عموما اس سے دلیل کے ضعف کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے) یا راوی کے مروی عنہ سے عدم سماع کی تصریح کرتے ہیں۔

مثلا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کرکے فرماتے ہیں:

"أما أبو سلمة فلا نعلم لجعفربن ربيعة منه سماعا، ولا نعلمه لقيه أصلا..."[1]

اسی طرح حدیث کے مرسل ہونے کی تصریح بھی کرتے ہیں، مثلا "كتاب الحج" میں فرماتے ہیں:

"قال أحمد: وقال وكيع عن هشام عن أبيه مرسلا..."[2]

اسی طرح کبھی فریق مخالف کی دلیل ذکر کرکے اس کا مرسل یا منقطع ہونا بیان کرتے ہیں، اور فریق مخالف کے ہاں حدیث مرسل کے حجت نہ ہونے کی یاددہانی بھی کرواتے ہیں۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے مواقع پر متقدمین کی اصطلاح کے مطابق «مرسل» کا اطلاق «منقطع» پر بھی کرتے ہیں، مثلا مخرمہ بن بکیر کی اپنے والد سے روایت ذکر کرکے فرماتے ہیں:

"كيف تحتجون بهذا، وأنتم تزعمون أن مخرمة لم يسمع من أبيه حرفا، وأن ماروى عنه مرسل، وأنتم لاتحتجون بالمرسل؟"[3]

***

(١) "شرح معاني الآثار" رقم الحديث: ٤٩٦٨،باب مقدار الذى يقطع فيه السارق.

(٢) "شرح معاني الآثار" رقم الحديث: ٤٩٩٨، باب رمي جمرة العقبة ليلة النحر..

(٣) "شرح معاني الآثار" رقم الحديث:٤٩٥٧، باب المقدار الذي يقطع فيه السارق.

حدیث کے متعدد طرق کے بیان اور ان کے اختصار میں محدثین کا منہج

محدثین کے ہاں جب حدیث کی سند بدل جائے تو متن اگرچہ وہی ہو تو وہ مستقل علیحدہ حدیث شمار کی جاتی ہے، اسی طرح جب متن کے الفاظ مختلف ہوں تو وہ بھی علیحدہ حدیث شمار ہوتی ہے، اسی بناء پر ایک حدیث اپنے متعدد طرق اور اختلاف الفاظ کی بناء پر دس، پندرہ یا زیادہ احادیث میں بدل جاتی ہے۔

محدثین کے حافظہ کے تذکرہ میں جو آتا ہے کہ ان کو لاکھوں احادیث یاد تھیں تو اس سے یہ تعدد طرق کی بناء پر روایت کو الگ الگ شمار کرنے کے نتیجے میں حاصل ہونے والی تعداد مراد ہے۔

اسی بناء پر ابن ابی حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لو لم نكتب الحديث من ستين وجها ماعقلناه".(۱)

یعنی اگر ہم کسی حدیث کو ساٹھ طرق سے نہ لکھ لیتے تو گویا کہ ہم اسے نہیں سمجھتے۔

یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لو لم نكتب الحديث خمسين مرة ماعرفناه".(۲)

یعنی اگر ہم کسی حدیث کو پچاس مرتبہ (مختلف طرق سے) نہ لکھ لیتے تو ہم اسے نہیں پہچانتے۔

اب طرق متعدد ہونے کی صورت میں اگر ہر ہر طریق کو مع متن علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جائے تو کتاب کا طویل ہونا لازمی بات ہے، اور تعدد طرق اور متابعت کے جو فوائد ہیں وہ بھی اہل فن پر مخفی نہیں لہذا ان طرق میں سے کسی ایک کو ذکر کرنا اور باقی کو بالکلیہ ترک کر دینا بھی مشکل بات ہے، لہذا محدثین نے اختصار کی غرض سے اور اسانید کے مشترک جزء کے تکرار سے بچنے کے لئے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کئے ہیں۔

۱۔ شیوخ کا بذریعہ عطف جمع کرنا:

یعنی اگر انہیں وہ حدیث دو یا زیادہ شیوخ سے پہنچی ہے اور باقی سند ایک ہی ہے تو وہ عطف

---

(۱) "شرح التبصرة والتذكرة" للعراقي: ۲/۴۷، دارالكتب العلمية.

(۲) "تذكرة الحفاظ" للذهبي: ۲/۱۵، دارالكتب العلمية.

کے ذریعے ان شیوخ کے اسماء کو جمع کر دیتے ہیں، مثلا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حدثنا أحمد بن يونس وموسى بن إسماعيل قالا حدثنا إبراهيم بن سعد..... الحديث".

اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حدثنا محمد بن بكار بن الريان وعون بن سلام قالا حدثنا محمد بن طلحة.... الحديث".

یہی ترتیب اصحاب سنن اربعہ، امام مالک اور امام طحاوی رحمہم اللہ کی بھی ہے، گو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قدرے کم ہے لیکن متعدد مقامات پر انہوں نے بھی یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔

۲۔ تحویل اسناد:

محدثین کے ہاں اختصار کے لئے تحویل کا طریقہ بھی اختیار کیا جاتا ہے، تحویل سے مراد یہ ہے کہ ایک متن کو جب دو یا زیادہ اسانید سے ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے تو محدثین ایک سند ذکر کرنا شروع کرتے ہیں اور جب اس مقام پر پہنچتے ہیں جہاں جا کر اسانید جمع ہو جاتی ہیں تو اس نقطہ اتصال پر پہنچ کر "ح" کا لفظ لا کر اس متن کی دوسری سند بیان کرنا شروع کرتے ہیں پھر جب وہ سند بھی اس نقطہ اتصال تک پہنچ جاتی ہے تو آگے کی سند جو دونوں سندوں میں مشترک ہوتی ہے وہ آخر تک ذکر کرتے ہیں مثلا صحیح مسلم میں ہے:

"حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا تَبَايَعَ الرَّجُلَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا....[1]

امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام طحاوی رحمہم اللہ کے ہاں تحویل کا استعمال بکثرت ہوتا ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان حضرات کی بنسبت قدرے کم ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بہت کم ہے۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں موطا میں تحویل کا استعمال میں نے نہیں دیکھا۔ واللہ أعلم بالصواب

(۱) "صحيح مسلم" كتاب البيوع، باب ثبوت الخيار للمتبايعين.

حاء تحویل کے استعمال کی مختلف صورتیں:

۱۔ محدثین کبھی مکمل سند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سمیت نقل کرنے کے بعد تحویل کا رمز استعمال کرتے ہیں اور پھر دوسری سند بھی مکمل لاتے ہیں، گویا اس صورت میں ان کے ہاں تحویل سے سند کا اختصار مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس سے صرف متن کے تکرار سے احتراز کا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عموما یہی طرز اختیار کرتے ہیں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب میں تقریبا بتیس مقامات پر ایسا کیا ہے۔

۲۔ کبھی متن کا کچھ حصہ نقل کرنے کے بعد بھی حاء تحویل لے آتے ہیں، اس سے مقصود بھی متن کے الفاظ میں اختلاف کا بیان ہوتا ہے۔

۳۔ کبھی جو راوی دونوں سندوں میں مشترک یعنی نقطہ اتصال ہوتا ہے اس کا تذکرہ کرنے کے بعد حاء تحویل لاتے ہیں اور کبھی اس کے تذکرہ سے پہلے لے آتے ہیں۔

۴۔ کبھی روایت نقل کرنے والے صحابی یا تابعی سے قبل یا ان کے بعد بھی حاء تحویل لا کر روایت کا دوسرے صحابی سے منقول ہونا بیان کرتے ہیں۔

۵۔ ایک ہی سند میں متعدد جگہ حاء تحویل کا لانا بھی محدثین کے ہاں عام ہے بالخصوص امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں یہ بات بہت کثرت سے پائی جاتی ہے۔

***

احادیث کی تصحیح وتعلیل میں محدثین کے مناہج

محدثین کی شروط کے علاوہ بھی چند امور ہیں جن کا تعلق محدث کی جانب سے حدیث کی تصحیح وتعلیل سے ہے اور ان سب کا تذکرہ شروط کے بیان میں مشکل تھا لہذا یہ باب علیحدہ سے قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

احادیث کی تصحیح وتعلیل میں شیخین رحمہااللہ کا منہج:

صحیحین کا موضوع ومقصد ہی چونکہ صحیح روایات کا جمع کرنا ہے اور حضرات شیخین رحمہااللہ نے صحیح احادیث کی جمع میں جس اہتمام سے کام لیا وہ بھی شروط کے بیان سے واضح ہے اور اسی اہتمام کا نتیجہ ہے کہ صحیحین کی روایات کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہے۔

ائمہ محدثین جن میں حافظ ابن صلاح، ابو سحاق الاسفرائینی، ابن طاہر المقدسی، نووی، ابن کثیر، بلقینی، ابن حجر، سیوطی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات شامل ہیں نے صحیحین کی احادیث کی صحت پر اتفاق اور امت کی جانب سے انہیں تلقی بالقبول کا حاصل ہونا نقل کیا ہے۔

پھر ان روایات سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے یا علم ظنی اس میں معروف اختلاف ہے جسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نزاع لفظی قرار دیا ہے کہ علم ظنی کے قائلین کے ہاں بھی ظن کا ادنی درجہ جو وہم یا شک کے مرتبہ میں ہو مراد نہیں بلکہ ظن غالب جسے علم طمانینت سے بھی تعبیر کرتے ہیں وہ مراد ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیحین پر باتفاق علماء أصح الكتب بعد كتاب الله کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

صحیحین میں معلول روایات کا وجود:

رہا یہ سوال کہ اگر صحیحین کی روایات کی صحت پر اتفاق ہے تو محدثین میں سے ہی بہت سے حضرات جیسے امام نسائی، دارقطنی، ابو مسعود دمشقی، ابو علی جیانی غسانی، ابوالحسن بن قطان فاسی رحمہم اللہ وغیرہ نے جو صحیحین کی متعدد روایات پر نقد کیا ہے اور انہیں معلول قرار دیا ہے تو اس

نقد و تعلیل کے بعد بھی یہ کہنا کہ صحیحین کی روایات پر اتفاق ہے کیسے درست ہو گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن صلاح، امام الحرمین جوینی، حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ متعدد حضرات نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اس اتفاق رائے اور تلقی بالقبول سے یہ احادیث منتقدہ مستثنیٰ ہیں، اور ان کی تعداد بہر حال اتنی کم ہے کہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ انہیں احرف یسیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں:

"ما انفرد به البخاري أو مسلم مندرج في قبيل ما يقطع بصحته، لتلقي الأمة كل واحد من كتابيهما بالقبول، على الوجه الذي فصلناه من حالهما فيما سبق، سوى أحرف يسيرة تكلم عليها بعض أهل النقد من الحفاظ كالدارقطني وغيره، وهي معروفة عند أهل هذا الشأن".(١)

یعنی جن روایات میں امام بخاری یا مسلم رحمہما اللہ منفرد ہیں، وہ بھی اسی قبیل کے تحت آتی ہیں جن کی صحت قطعی ہے، کیونکہ امت کی طرف سے ان دونوں کتابوں میں سے ہر ایک کو تلقی بالقبول حاصل ہے سوائے ان چند حروف کے جن پر حفاظ میں سے بعض اہل نقد جیسے امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نقد کیا ہے اور وہ روایات اہل فن کے ہاں معروف ہیں۔

بہر حال ان تھوڑی سی روایات کے علاوہ صحیحین کی بیشتر روایات بلاشبہ صحت کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں، بالخصوص وہ روایات جو ان دونوں حضرات نے ذکر کی ہیں جن کے لئے محدثین کے ہاں متفق علیہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لا يتفقان على حديث إلا ويكون صحيحا لا ريب فيه، قد اتفق أهل العلم على صحته".(٢)

یعنی جس بھی روایت (کی نقل) پر یہ دونوں حضرات متفق ہو جائیں وہ بلاشبہ صحیح ہو گی، اہل علم کا اس کی صحت پر اتفاق ہو چکا ہے۔

---

(١) "مقدمة ابن الصلاح" ٩٧/١، دارالكتب العلمية.

(٢) "مجموع الفتاوى" ٢٠/١٨.

نیز وہ روایات جو ان حضرات نے بطور اصول ذکر کی ہیں، معلول روایات کا تعلق عموما متابعات وشواہد سے ہے یا وہ روایات ہیں جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں ذکر کی ہیں اور یہ معروف بات ہے کہ متابعات وشواہد کا اس درجہ پر ہونا جس درجہ پر اصول ہیں ضروری نہیں۔

بعض حضرات جیسے "صاحب توضيح الأفكار" اور بعض متکلمین واصولیین نے ان بعض روایات معلولہ کے وجود کی بناء پر صحیحین کو امت میں جو تلقی بالقبول حاصل ہے اس کے انکار کی کوشش کی ہے، لیکن جمہور محدثین کا اس پر ہمیشہ سے اتفاق چلا آیا ہے کہ ان چند احادیث منتقدہ کے سوا صحیحین کی باقی سب روایات پر امت کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے، شیخ عوامہ حفظہ اللہ "تدريب الراوي" کے حاشیہ میں امیر صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ تو درحقیقت اجماع کو ہی حجت نہیں سمجھتے۔

"فكن على حذر منه ومن الشوكاني".

درحقیقت ان معدود چند افراد کا اختلاف جن میں سے بیشتر محدثین میں سے نہیں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

صحیحین کی احادیث منتقدہ اور منکرین حدیث:

پھر ان روایات پر اشکال کا تعلق صناعت حدیثیہ سے ہے ان روایات کا متن محفوظ ہے کہ بیشتر احادیث جن پر نقد ہوا ان کا متن دیگر طرق صحیحہ سے بھی مروی ہوتا ہے، لہذا کسی سند پر نقد سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس روایت کا متن بھی بہر حال ناقابل قبول ہو۔

بسا اوقات شیخین وہ روایت جس کا متن ثابت ہو علو سند وغیرہ وجوہات کی بناء پر نسبتا کمزور سند سے لے آتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین کی احادیث منتقدۃ کے دیگر طرق سے ثبوت کی تصریح کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"وَقبل الْخَوْض فِيهِ يَنْبَغِي لكل منصف أَن يعلم أَن هَذِه الْأَحَادِيث وَإِن كَانَ أَكْثَرهَا

لَا يقْدَح فِي أصل مَوْضُوع الْكتاب، فَإِن جَمِيعهَا وَارِد من جِهَة أُخْرَى".(۱)

نیز یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ روایت پر نقد کا مطلب بہر حال یہ نہیں ہوتا کہ وہ روایت نا قابل قبول ہے، بلکہ اگر صحت پر اشکال ہے تو وہ روایت، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ، یا ضعیف قابل تحمل کے درجہ میں ہو سکتی ہے اور "صحیحین" کی روایات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جو بالکل نا قابل قبول کے درجہ میں ہو صرف "صحیح مسلم" کی ایک روایت جس میں تخلیق کائنات کے سات دن میں ہونے کا تذکرہ ہے اسے بظاہر قرآن مجید واحادیث مشہورہ کے خلاف ہونے کی بناء پر نا قابل قبول کہا جاتا ہے، گویا متنا معلول ہے، لیکن علماء نے اس کی بھی تطبیق ذکر کی ہے۔

اس کے علاوہ "صحیحین" کی ہر روایت متنقدہ بھی قابل قبول درجہ میں ہے، لہذا موجودہ دور کے فتنہ پرداز جو ان احادیث متنقدہ کی آڑ میں صحیحین کی روایات کو امت کی نظر میں مشکوک بنانے کی مذموم کوشش کرتے ہیں ان کے گمراہ اور گمراہ کن ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہر مسلمان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی توقیر لازم ہے۔

اور صحیحین کی روایات کے تلقی بالقبول پر امت کا اتفاق اس بات کو لازم کرتا ہے کہ ان فتنہ پردازوں کی بات نہ سنی جائے کہ ان کا قول فاسد امت کے اتفاق و اجماع کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجة الله البالغه" میں امت کے اس اتفاق کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"كل من يُهوِّن أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين".(۲)

یعنی جو شخص "صحیحین" کا مرتبہ گھٹانے کی کوشش کرتا ہے وہ بدعتی اور مؤمنین کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے۔

---

(۱) "هدى الساري مقدمة فتح البارى" ۳٤٦/۱، دارالمعرفة بيروت.

(۲) "حجة الله البالغة" ۲۳۲/۱، دارالجيل بيروت.

جن ائمہ محدثین نے "صحیحین" کی احادیث پر نقد کیا ہے ان کا نقد خالص علمی بنیادوں پر اور اخلاص اور للّٰہیت کی بناء پر تھا، کسی فاسد غرض یا نفسانی خواہش کی پیروی میں نہ تھا، اور ان کے نقد اور مجیبین کے جوابات کا یہ فائدہ ہوا کہ "صحیحین" کی روایت کا قابل قبول ہونا محض تقلیدا نہ رہا، بلکہ تحقیقا معلوم ہو گیا، نیز یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ "صحیحین" میں گنتی کی ان چند روایات کے سواء باقی سب کی صحت پر اتفاق ہے، اور ان روایات پر بھی نقد ان ان وجوہات کی بناء پر ہے، لہذا صحت کے اعلی مرتبہ پر نہ سہی قابل قبول کے درجہ میں ضرور ہیں۔

احادیث منتقدہ کے ذکر کرنے میں شیخین کے منہج سے متعلق چند سوالات:

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ "صحیحین" میں بھی بہر حال ایسی احادیث موجود ہیں جن پر ائمہ محدثین کی جانب سے نقد کیا گیا ہے تو اب یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں مثلا:

۱۔ اگر "صحیحین" کی ہر روایت صحت کے اعلی مرتبہ پر نہیں ہے تو کیا حضرات شیخین نے احادیث معلولہ کی صراحتا یا اشارۃ کوئی نشاندہی کی ہے؟

۲۔ نقد کرنے والے ائمہ محدثین کون ہیں اور ان کے نقد کی بنیاد کن امور پر ہے؟ اسی طرح شیخین کی جانب سے دفاع کرنے والے حضرات محدثین کون ہیں اور دفاع کی بنیادیں کیا ہیں؟

۳۔ جب ان حضرات کا مقصد ہی صرف صحیح احادیث کا جمع کرنا تھا تو ان کی کتب میں معلول روایات کی موجودگی کی کیا وجوہات ہیں۔

۴۔ ان معلول روایات کے لانے میں ان کا طریقہ کار اور منہج کیا ہے؟

۵۔ مبتدعین اور مجہول رواۃ کی روایات یہ حضرات کیسے اور کیوں قبول کرتے ہیں؟

تو بالترتیب ان سوالات کے جوابات کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ احادیث کی تصحیح و تعلیل میں حضرات شیخین کا منہج و طریقہ کار ذرا وضاحت سے سامنے آئے۔

شیخین کی جانب سے "صحیحین" کی روایات پر حکم کی تصریح:

"صحیحین" کا موضوع ہی صحیح احادیث کا جمع کرنا ہے اس لئے حضرات شیخین عموما

احادیث پر صراحتا حکم ذکر نہیں کرتے، لہذا "صحیحین" میں احادیث کی تصحیح یا تعلیل پر کلام اور رواۃ پر جرح یا ان کی تعدیل بہت نادر ہے۔

البتہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" کے مقدمہ میں رواۃ کے تین طبقات ذکر کئے ہیں اور وہاں بطور مثال کے تینوں طبقات کے کچھ رواۃ کا تذکرۃ بھی کیا ہے اسی طرح وہاں کچھ اور رواۃ پر بھی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کلام کیا ہے۔

پھر "مقدمة الصحيح" میں ہی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا تھا کہ ہم معلل احادیث کے تذکرہ کے موقع پر مزید وضاحت و تشریح کریں گے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"قَدْ شَرَحْنَا مِنْ مَذْهَبِ الْحَدِيثِ وَأَهْلِهِ بَعْضَ مَا يَتَوَجَّهُ بِهِ مَنْ أَرَادَ سَبِيلَ الْقَوْمِ، وَوُفِّقَ لَهَا، وَسَنَزِيدُ، إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى شَرْحًا وَإِيضَاحًا فِي مَوَاضِعَ مِنَ الْكِتَابِ عِنْدَ ذِكْرِ الْأَخْبَارِ الْمُعَلَّلَةِ، إِذَا أَتَيْنَا عَلَيْهَا فِي الْأَمَاكِنِ الَّتِي يَلِيقُ بِهَا الشَّرْحُ وَالْإِيضَاحُ، إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالى".(١)

یعنی ہم نے محدثین کے مذہب کی کچھ ضروری تشریح کر دی جس کی اس شخص کو ضرورت پیش آتی ہے جو محدثین کے راستے پر چلنا چاہ رہا ہے اور اسے اس کی توفیق دی گئی ہے اور مزید تشریح و وضاحت ہم ان شاء اللہ کتاب میں مختلف مقامات پر احادیث معللہ کے ذکر کے موقع پر کریں گے جب ایسے مقامات آئیں گے جو تشریح و توضیح کے لائق ہوں گے۔

علت سے مراد محدثین کے ہاں راوی کی خطاء اور وہم ہوتا ہے، پھر چاہے وہ راوی ثقہ ہو یا ضعیف، پھر ثقہ راوی کا وہم اس لئے بھی اہتمام سے بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ رواۃ کی ثقاہت کی وجہ سے اس کے صحیح ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جو احادیث معللہ کی علل کی تشریح و وضاحت کا وعدہ کیا تھا کیا اسی کتاب میں وہ انہوں نے پورا کر دیا؟

تو اس کے جواب میں وہی اختلاف ہے جو پیچھے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے بیان میں گذر چکا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلمیذ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کی رائے یہ تھی کہ امام

---

(١) "صحيح مسلم" ١/٧، دار أحياء التراث العربي.

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جو رواۃ کے تین طبقات ذکر کئے ہیں، اس لیے کہ وہ ہر طبقے کے رواۃ کی روایات پر مشتمل علیحدہ علیحدہ کتاب لکھنا چاہتے تھے، لیکن صرف طبقہ اولی کے رواۃ پر مشتمل کتاب لکھ پائے تھے کہ اجل نے مزید کی مہلت نہ دی اور یہ حضرات اپنی رائے کی موافقت میں ایک روایت بھی نقل کرتے ہیں جس میں تینوں طبقوں کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ تین کتابیں لکھنے کا تذکرہ ہے (یہ روایت بھی پیچھے ذکر کی گئی ہے) تو اس رائے کے مطابق امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ معلل روایات پر مشتمل کتاب لکھ ہی نہیں پائے لہذا یہ وعدہ پورا ہونے کی نوبت نہیں آئی۔

جبکہ قاضی عیاض اور علامہ نووی رحمہما اللہ وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب میں وہ وعدہ پورا کر دیا، پہلے طبقہ کی روایات بطور احتجاج لائے ہیں اور دوسرے طبقہ کی روایات بطور استشہاد ذکر کی ہیں، اور اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی تردید خود امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ہو رہی ہے کیونکہ انہوں نے خود فرمایا ہے کہ تیسرے طبقہ کے رواۃ کی روایات میں ہم مشغول ہی نہ ہوں گے، تو پھر تین کتب لکھنے کا کیا مطلب ہوا؟

نیز حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا قول تھا کہ اجل نے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو مہلت نہ دی، اس لیے وہ باقی طبقات کی روایات پر مشتمل کتابیں نہ لکھ سکے، جبکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں لکھی جا چکی تھیں تو اس روایت سے بھی حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید نہیں تردید ہوتی ہے۔

اسی بناء پر ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وهذا مخالف لما قاله الحاكم".(١)

بہر حال اس قول کے مطابق امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اسی کتاب میں دوسرے طبقہ کی روایات بھی لائے ہیں، لیکن چونکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا موضوع اور غرض علل کا بیان نہیں ہے، بلکہ صحیح احادیث کا جمع کرنا ہے جو معلل روایات کے تذکرہ کے بالکل متضاد چیز ہے، اس لیے معلل روایات کا تذکرہ اور ان کی تشریح و توضیح میں کلام کی نوبت کم ہی آئی، لیکن "صحیح مسلم" میں کچھ ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کسی روایت کی علت پر تنبیہ کی ہے، مثلا:

---

(١) "صيانة صحيح مسلم" ص: ٩١، دار الغرب الإسلامي.

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ "باب كراهية الشروع في النافلة بعد شروع المؤذن في الإقامة" میں فرماتے ہیں:

"قَالَ الْقَعْنَبِيُّ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَالِكٍ ابْنُ بُحَيْنَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ أَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمٌ: «وَقَوْلُهُ عَنْ أَبِيهِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ خَطَأٌ".(۱)

اب اس مسئلہ میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت اصالتاً لائے ہیں پھر حضرت ابن بحینہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی اور اس میں قعنبی رحمۃ اللہ علیہ سے جو خطاء ہوئی تھی ضمناً اس کا تذکرہ بھی کر دیا، اس مثال سے یہ بھی واضح ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حدیث معلول اصالتاً نہیں لاتے، بلکہ ان کا اصل اعتماد تو علت سے خالی نظیف سند والی روایت پر ہوتا ہے البتہ کبھی تبعاً اور ضمناً حدیث معلول بھی لے آتے ہیں اور اس کی علت پر تنبیہ فرماتے ہیں۔

اس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی کرتے ہیں کہ وہ تو عموماً حدیث معلول اصول میں نہیں لاتے، بلکہ متابعات وشواہد میں ذکر کرتے ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا کلام سے بھی حافظ ابن صلاح، قاضی عیاض وغیرہ حضرات رحمہم اللہ نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ عموماً وہ صحیح روایت کو مقدم کرتے ہیں اور جس میں کوئی علت ہوتی ہے اسے تبعالاتے ہیں، گویا امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اگر علت کی تصریح نہ بھی کریں تو بھی احادیث کی ترتیب ایسی قائم کرتے ہیں کہ جو روایت ان کے ہاں اصل وبنیاد ہے اس کو مقدم رکھتے ہیں اور جو شواہد ومتابعات کی قبیل سے ہے اسے مؤخر لاتے ہیں اور اس ترتیب کو دیکھنے سے ان کی ترجیح معلوم ہو جاتی ہے، لیکن یہ ایک عمومی طرز عمل ہے ضروری نہیں کہ ہر جگہ ایسا ہو۔

"صحیحین" کی روایات منتقدہ کے ناقدین اور مدافعین:

"صحیحین" کی روایات پر دو طرح سے نقد ہوا ہے ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی ناقد محدث نے درحقیقت کسی راوی کی تضعیف کی اور اس متکلم فیہ راوی سے شیخین نے صحیحین میں یا ان میں سے کسی ایک میں روایت لی ہے تو اس متکلم فیہ راوی کے ان کی سند میں وجود کی بناء پر اشکال بنتا ہے اور یا کسی مخصوص روایت میں سند کے انقطاع یا شذوذ یا علت کے پائے جانے کی بناء

(۱) "صحيح مسلم" ۴۹۳/۱، دار أحياء التراث العربي.

پر نقد کیا ہے۔

بعض نے صرف رواۃ پر کلام کیا ہے جیسے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات ہیں اور بعض کے انتقادات دونوں طرح کے ہیں جیسے حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات ہیں۔

ان ائمہ ناقدین کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۳۰۳)

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کا قول شروط کے بیان میں گذر چکا جس میں انہوں نے ابن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات پر جو انہوں نے شیخین کی شرط کے بارے میں کہی ہے کہ وہ ان رواۃ سے حدیث لاتے ہیں جن کی ثقاہت پر اتفاق ہوتا ہے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کوئی مضبوط بات نہیں ہے، اس لیے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخین کے رواۃ میں سے ایک جماعت کی تضعیف کی ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تضعیف عموماً ان کی کتاب "الضعفاء والمتروکین" میں ملتی ہے

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں "صحیحین" کے جن رواۃ کی تضعیف کی ہے ان میں سے تقریبا بتیس (۳۲) رواۃ کے بارے میں ابو عبد اللہ بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ (جو خود بھی "صحیحین" کی روایات کے بڑے ناقد ہیں) کی رائے معلوم کی اور اکثر مقامات پر حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے موافق نہ تھی۔

یہ سوالات وجوابات بھی "سؤالات عبد اللہ بن بکیر وغیرہ ابو الحسن الدار قطنی" کے نام سے "دار عمار، اردن" وغیرہ سے طبع شدہ ہیں۔

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "هدى الساري" میں ان رواۃ پر کلام کیا ہے اور ان میں بعض ایسے رواۃ کی تضعیف بھی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے جن کا تذکرہ "الضعفاء والمتروکین" میں موجود نہیں ہے۔

۲۔ حافظ ابو الفضل بن عمار شہید رحمۃ اللہ علیہ (ت ۳۱۷ھ)

یہ علل حدیث کے ماہر محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں، ۳۱۷ھ میں قرامطہ کے مکہ پر حملہ میں عین کعبہ کے دروازہ کی چوکھٹ پر شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر پچاس برس کی بھی نہ تھی،

اس لئے ان کی زیادہ شہرت نہ ہو سکی۔

انہوں نے ایک کتاب "علل الأحاديث في كتاب الصحيح لمسلم بن الحجاج" کے نام سے لکھی ہے جو علی بن حسن الحلبی الاثری کی تحقیق کے ساتھ "داراالهجرة الرياض" سے طبع ہوئی ہے۔

۳۔ حافظ ابو الحسن دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ (۳۸۵ھ)

حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ (جو امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔) نے صحیحین کی احادیث متنقدہ کے بارے میں اپنی مشہور کتاب "الإلزامات والتتبع" تحریر فرمائی یہ در حقیقت دو رسالے ہیں:

پہلا جو الزامات کے نام سے موسوم ہے وہ صحیحین پر بمنزلہ استدراک کے ہے، حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کو جو احادیث شیخین کی شرط کے مطابق نظر آئیں اور "صحيحين" میں موجود نہ تھیں وہ ذکر کر کے ان کا "صحيحين" میں نہ ہونا بتلاتے ہیں، اور شیخین کا عذر واضح ہے کہ انہوں نے صحیح روایات کا یا اپنی شرط کے مطابق روایات کے استیعاب کا دعوی ہی نہیں کیا اور اس بارے میں خود ان کی تصریحات گذر چکیں، کتاب کا دوسرا حصہ ان روایات کے بارے میں ہے جو حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قابل نقد ہیں اس میں انہوں نے ۲۱۸ روایات پر نقد کیا ہے جو مکررات وغیرہ نکال کر ۱۹۹ رہ جاتی ہیں، ان میں ایک قلیل مقدار ایسی بھی ہے جہاں حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کو وہم ہوا ہے اور وہ روایات "صحيحين" میں نہیں۔

باقی روایات میں سے اکثر کا جواب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے، البتہ بعض مقامات ایسے ہیں جہاں ان حضرات کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ ان کا جواب تکلف وتعسف سے خالی نہیں۔

۴۔ حافظ ابو علی الجیانی الغسانی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۴۹۸ھ)

انہوں نے اپنی کتاب "تقييد المهمل وتمييز المشكل" جو در حقیقت چار کتابوں پر مشتمل ہے ان میں سے دو کتابیں "التنبيه على الأوهام الواقعة في المسند الصحيح للبخاري اور

"التنبيه على الأوهام الواقعة في المسند الصحيح للمسلم" کے نام سے ہیں، دونوں چھپ چکی ہیں۔

۵۔ حافظ رشید الدین العطار رحمۃ اللہ علیہ (ت ۶۶۲ھ)

ان کی کتاب "غرر الفوائد المجموعة بمعرفة الأحاديث المقطوعة" میں عموماً حافظ غسانی رحمۃ اللہ علیہ اور دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے انتقادات ہی نقل کئے ہیں ان پر کچھ اضافے بھی کئے ہیں اور کچھ مختصر جوابات بھی دیئے ہیں۔

۶۔ جزء في الأوهام التي وقعت في الصحيحين وموطأ مالك

علامہ ابن حزم اور خطیب بغدادی رحمہما اللہ کی جانب منسوب ہے۔

احادیث صحیحین پر تبعاً نقد کرنے والے محدثین:

بعض محدثین ایسے بھی ہیں جنہوں نے خاص اس موضوع پر تو کتاب نہیں لکھی بلکہ اپنی کتب میں تبعاً وضمناً صحیحین کی بعض روایات پر نقد کیا ہے۔ مثلاً:

۷۔ حافظ ابو بکر اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۳۷۱ھ) نے اپنی مستخرج میں بس چند ایک روایات پر نقد کیا ہے۔

۸۔ حافظ عبد الغنی الازدی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۴۰۹ھ)

۹۔ حافظ ابو مسعود دمشقی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۶۶۲ھ) "صاحب كتاب اطراف الصحيحين".

۱۰۔ ابو الحسن بن قطان الفاسی رحمۃ اللہ علیہ (۶۲۸ھ) "صاحب كتاب الوهم والإيهام"۔

نیز حافظ ابن حزم ابن تیمیہ، ابن القیم، ذہبی وغیرہ حضرات رحمہم اللہ نے بھی اپنی کتب میں چند روایات پر کلام کیا ہے۔

صحیحین کی احادیث منتقدہ کے مدافعین:

جب صحیحین کی احادیث پر نقد ہوا تو ائمہ محدثین کی جانب سے اس نقد کا جواب بھی دیا گیا، اور ان میں سے اکثر کا جواب تو ہو گیا، البتہ بعض جگہ جواب دینے والوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ جواب تکلف وتعسف سے خالی نہیں، لیکن بہر حال ان جوابات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ

حضرات شیخین کے ہاں کسی متکلم فیہ راوی کی روایت کی وجوہات ہوتی ہیں اور دیگر قرائن ومتابعات سے حدیث کا درست ہونا ان کے ہاں معلوم ہوتا ہے، تب ہی وہ روایت لاتے ہیں۔

اب حضرات شیخین کے سامنے کس روایت کو لاتے وقت کونسے قرائن تھے اس کا حتمی اندازہ بعد والوں کے لئے کرنا مشکل ہے بعد والے تو ان کے تصرفات اور اس روایت کے جو متابعات وشواہد ان تک پہنچے انہی کی بناء پر جواب دیتے ہیں۔ عین ممکن ہے ان ائمہ کے پیش نظر کوئی بات ہو جو مجیبین تک نہ پہنچی ہو۔

حافظ ابن الملقن، ابن تیمیہ رحمہا اللہ وغیرہ متعدد حضرات ائمہ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ان حضرات کے مصادر اور ہمارے مصادر میں فرق ہو سکتا ہے۔

پھر مجیبین میں سے کچھ کا جواب تو ہم تک نہ پہنچ سکا جیسا کہ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے "التقييد والإيضاح" میں لکھا ہے کہ انہوں نے بھی ان انتقادات کا جواب لکھا تھا۔ پھر حافظ ابن حجر اور علامہ سخاوی رحمہا اللہ کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ وہ مسودہ ضائع ہو گیا، جن حضرات کے اجوبہ ہم تک پہنچے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابو مسعود دمشقی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۴۰۱ھ)

ان کا تذکرہ نقد کرنے والے حضرات میں بھی آیا ہے، مجیبین میں بھی یہ شامل ہیں، انہوں نے "الأجوبة عما أشكل شيخ الدارقطني على صحيح مسلم بن الحجاج" کے نام سے ایک مختصر جزء لکھا ہے جس میں تقریبا پچیس احادیث پر کلام کیا ہے جو "دار الوراق" سے "إبراهيم بن علي بن محمد آل كليب" کے مفصل دراسہ و تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے۔

۲۔ قاضی عیاض المالکی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۴ھ)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی اپنی مشہور شرح اکمال المعلم میں کچھ احادیث پر نقد کا جواب ذکر کیا ہے۔

۳۔ حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ (ت ۶۴۳ھ)

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے "صحيح مسلم" کی شرح "صيانة صحيح مسلم من

الإخلال والغلط وحمايته من الإسقاط والسقط" کے نام سے لکھی تھی ہم تک اس کا کچھ ہی حصہ پہنچا ہے جو موفق بن عبداللہ وغیرہ حضرات کی تحقیق سے چھپ چکا ہے، اس میں کچھ احادیث پر نقد کا اجمالی جواب ہے اور مقدمہ میں ایک فصل قائم کی ہے جس میں شیخین کے احادیث منتقدہ لانے کی چار وجوہات ذکر کی ہیں۔

۴۔امام ابوزکریا یحی بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۶۷۶ھ)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحيح مسلم" کی شرح میں اہتمام کے ساتھ احادیث منتقدۃ کا جواب دیا ہے۔اور اس میں حافظ ابومسعود دمشقی، ابوعلی الغسانی، دارقطنی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کے انتقادات کا جواب دیا ہے، جن میں سے حافظ غسانی رحمۃ اللہ علیہ نے جن روایات کے منقطع ہونے کا دعوی کیا تھا ان میں سے تقریبا بارہ کا جواب تو مقدمہ میں دیا ہے اور باقی کا اثناء شرح دیا ہے اسی طرح حافظ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ روایات میں سے تقریبا باسٹھ روایات کا جواب ذکر کیا ہے اور بعض جگہ وہی جواب ہونے کی وجہ سے جو پہلے ذکر کر چکے ہوتے ہیں دوبارہ جواب دینے سے گریز کرتے ہیں۔

۵۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (ت ۸۵۲ھ)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "صحيح البخاري" کی اپنی شرح "فتح الباري" کے مقدمہ میں فصل ثامن اور تاسع دو فصلیں اس مقصد سے قائم کی ہیں، فصل ثامن میں احادیث منتقدہ کو ذکر کرکے ان کے جوابات دیئے ہیں اور فصل تاسع میں متکلم فیہ رواۃ کا تذکرہ اور ان سے روایت کے لینے کی کیفیت ووجوہات ذکر کی ہیں۔

حافظ صاحب کا طرز اس میں یہ ہے کہ پہلے اصولی جوابات دیتے ہیں پھر ہر ہر حدیث اور راوی پر علیحدہ علیحدہ تفصیل سے کلام کرتے ہیں۔

حافظ صاحب نے ۱۱۰ روایات پر نقد کا جواب دیا ہے جن میں سے ۲۸ متفق علیہ ہیں اور باقی میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں، جواب میں حافظ صاحب نے حافظ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقادات کو اصل بنیاد بنایا ہے اور باقی حضرات کے انتقادات ضمنا کہیں کہیں ذکر کئے ہیں۔

"صحیحین" میں احادیث متنقدہ اور متکلم فیہ رواۃ کے پائے جانے کی محدثین نے اجمالی جوابات بھی دیئے ہیں اور ہر ہر راوی اور روایت کا تفصیل سے جواب بھی ذکر کیا ہے، ہم ان حضرات کے جوابات کا خلاصہ یہاں ذکر کرتے ہیں اور حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اولا چار اصولی جوابات دیئے ہیں جنہیں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے پھر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں اضافہ کیا ہے، لہذا ہم ان کے جوابات کو بنیاد بنائیں گے اور باقی حضرات ائمہ کے جوابات ان کے اجوبہ کے ضمن میں ذکر کریں گے۔

حافظ ابن صلاح کے چار اصولی جوابات:

ا۔ تصحیح وتضعیف کا اجتہادی امر ہونا:

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ "صيانة صحيح مسلم" میں فرماتے ہیں:

"أحدها أن يكون ذلک فيمن هو ضعيف عند غيره ثقة عنده".(۱)

یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ جرح اس راوی پر ہو جو کسی دوسرے کے ہاں ضعیف ہو لیکن امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ ثقہ ہو۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح مسلم کے مقدمہ میں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "هدى الساري" میں یہ جواب دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَقبل الْخَوْض فِيهِ يَنْبَغِي لكل منصف أَن يعلم أَن تَخْرِيج صَاحب الصَّحِيح لأي راو كَانَ مُقْتَض لعدالته عِنْده وَصِحَّة ضَبطه وَعدم غفلته، وَلَا سِيمَا مَا انضاف إِلَى ذَلِك من إطباق جُمْهُور الْأَئِمَّة على تَسْمِيَة الْكِتَابَيْنِ بالصحيحين، وَهَذَا معنى لم يحصل لغير من خرج عَنهُ فِي الصَّحِيح فَهُوَ بِمَثَابَة إطباق الْجُمْهُور على تَعْدِيل من ذكر فيهمَا هَذَا إِذا خرج لَهُ فِي الْأُصُول".(۲)

---

(۱) "صيانة صحيح مسلم" ص: ٩٤، دارالغرب الإسلامي.

(۲) "هدى الساري مقدمة فتح الباري" ٣٨٤/١، دارالمعرفة بيروت.

یعنی متکلم فیہ رواۃ کی اس بحث میں داخل ہونے سے پہلے ہر انصاف پسند شخص کو یہ جان لینا چاہیئے کہ صاحب صحیح کی کسی بھی راوی سے تخریج اس راوی کی ان کے ہاں عدالت، صحت ضبط اور عدم غفلت کے ثبوت کا تقاضا کرتی ہے بالخصوص جبکہ اس کے ساتھ جمہور ائمہ کا ان دونوں کتابوں پر صحیحین کا اطلاق بھی شامل کر لیا جائے، اور یہ بات اس شخص کو حاصل نہیں جس کی صحیح میں تخریج نہیں کی گئی۔ تو یہ جمہور کے ان رواۃ کی تعدیل پر اتفاق کے بمنزلہ ہو گیا جن کو ان دونوں نے "صحیحین" میں ذکر کیا ہے جبکہ وہ اس کی روایت اصول میں لائے ہوں۔

مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ حافظ ابن تیمیہ، ذہبی، سیوطی وغیرہ حضرات محدثین رحمہم اللہ نے بھی اس اصول کی تصریح کی ہے، اس مسئلے پر مفصل بحث دیکھنے کے لئے مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "قواعد في علوم الحديث" سے مراجعت کرنی چاہیئے۔

نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ ائمہ کا ان کتابوں پر "صحیحین" کے لقب کا اطلاق واتفاق تو اس کا تذکرہ پیچھے گزرا، اس کے علاوہ جب یہ کتب لکھی گئیں تو اس دور کے محدثین نے ان کو پرکھا اور ان کی توثیق و تائید سے نشر ہوئیں۔

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے "صيانة صحيح مسلم" میں مکی بن عبدان رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

"سمعت مسلماً يقول: عرضت كتابي هذا على أبي زرعة الرازي، فكل ما أشار أن له علة تركته، وكل ما قال إنه صحيح وليس له علة أخرجته".

یعنی میں نے اس کتاب کو حافظ ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا تھا تو جس بھی روایت کے بارے میں انہوں نے معلول ہونے کا اشارہ کیا، میں نے اسے ترک کر دیا اور جس روایت کے بارے میں انہوں نے کہا وہ صحیح اور بلاعلت ہے اس کی میں نے تخریج کی ہے۔

اسی طرح "صحيح البخاري" کے بارے میں حافظ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے محاسن الاصطلاح (ص: ۳۸) اور حافظ ابن حجر نے "تهذيب التهذيب" میں حافظ عقیلی سے نقل کیا ہے کہ وہ بھی ائمہ محدثین علی بن مدینی یحیی بن معین، احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کے

سامنے پیش کی گئی اور ان کی توثیق سے نشر ہوئی۔

"تهذيب التهذيب" کی عبارت ملاحظہ ہو:

"سمعت بعض أصحابنا يقول: سمعت العقيلي يقول: لما ألّفَ البخاري كتابه "الصحيح"، عرضه علي ابن المديني ويحيى بن معين وأحمد بن حنبل وغيرهم، فامتحنوه (وفي رواية أخرى: فاستحسنوه). وكلهم قال: كتابك صحيح إلا أربعة أحاديث. قال العقيلي: "والقول فيها قول البخاري، وهي صحيحة".(١)

توجب ان حضرات ائمہ کی رائے بھی شیخین کی رائے کے موافق تھی تو پھر اس اتفاقی رائے کے مقابلہ میں کسی محدث کی انفرادی رائے کی بناء پر ان حضرات کو الزام نہیں دیا جاسکتا، واللہ أعلم بالصواب۔

۲۔ متابعات اور شواہد میں ذکر کرنا:

دوسری وجہ ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں۔

"الثاني: أن يكون ذلك واقعا في الشواهد والمتابعات لا في الأصول، وذلك بأن يذكر الحديث أولا باسناد نظيف رجاله ثقات ويجعله أصلا ثم يتبع ذلك باسناد آخر، أو أسانيد فيها بعض الضعفاء على وجه التاكيد بالمتابعة أو لزيادة فيه تنبه على فائدة فيما قدمه".(٢)

یعنی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ روایت (منتقدۃ) شواہد ومتابعات میں ہو نہ کہ اصول میں، بایں طور کہ اولا نظیف سند سے ایسی حدیث ذکر کی جائے جس کے رجال ثقات ہوں اور اس کو اصل بنایا جائے پھر اس کی متابعت میں دوسری سند یا متعدد اسانید لائی جائیں جن میں کوئی ضعیف راوی ہو متابعت کے ذریعے تاکید کے طور پر یا کسی ایسی زیادتی کی وجہ سے جس سے ماقبل میں کسی فائدہ پر متنبہ کرنا مقصود ہو۔

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "صحیحین" کے متکلم فیہ رواۃ کی ایک

---

(١) "تهذيب التهذيب" ٥٤/٩، دائرة المعارف.

(٢) "صيانة صحيح مسلم" ص: ٩٥، دار الغرب.

بڑی جماعت کے بارے میں یہی عذر پیش کیا ہے کہ ان کی روایات متابعات وشواہد میں ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں متنبہ کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو تعلیقات میں روایات لاتے ہیں حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کا نقد ان پر نہیں ہے، کیونکہ وہ حضرات یہ بات بخوبی سمجھتے تھے کہ معلقات کتاب کا اصل موضوع نہیں۔

لہذا ان کے انتقادات کا تعلق احادیث مسندہ سے ہے تو یہاں جن روایات کے متابعات یا شواہد کے طور پر لانے کی بات ہو رہی ہے وہ معلقات نہیں، بلکہ مسند روایات ہیں کہ ان میں بھی یہ حضرات ایسا کرتے ہیں کہ اگر ایک روایت نظیف سند سے لا چکے ہیں تو پھر اسی روایت کو دوبارہ کسی غرض سے لانے کی نوبت آتی ہے تو قدرے ضعیف راوی کا تحمل کر لیتے ہیں۔ حافظ صاحب نے احادیث کے تفصیلی جوابات میں اسے خوب واضح کیا ہے۔

۳۔ اختلاط وغیرہ ضعف کا روایت لینے کے بعد طاری ہونا۔

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الثَّالِث أَن يكون ضعف الضَّعِيف الَّذِي احْتج بِهِ طَرَأَ بعد أَخذه عَنهُ باختلاط حدث عَلَيْهِ غير قَادِح فِيمَا رَوَاهُ من قبل فِي زمَان سدادة واستقامته كَمَا فِي أَحْمد بن عبد الرَّحْمَن بن وهب ابْن أخي عبد الله بن وهب، فَذكر الْحَاكِم أَبُو عبد الله أَنه اخْتَلَط بعد الْخمسين وَمِائَتَيْنِ بعد خُرُوج مُسلم من مصر، فَهُوَ فِي ذَلِك كسعيد بن أبي عرُوبَة وَعبد الرَّزَّاق وَغَيرهمَا مِمَّن اخْتَلَط آخرا وَلم يمْنَع ذَلِك من الِاحْتِجَاج في الصحيحين".(۱)

یعنی تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ ضعیف جس سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے احتجاج کیا ہے اس کا ضعف اس سے روایت لینے کے بعد اس پر طاری ہوا ہو اختلاط وغیرہ کی بناء پر اور اس صورت میں تو اس کی درستگی کے زمانے کی روایت لینے میں کوئی مانع نہیں ہے جیسا کہ عبد اللہ بن وہب کے بھتیجے احمد بن عبد الرحمن بن وہب کا معاملہ ہے کہ جس کے متعلق حاکم ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ان کو دو سو پچاس ہجری کے بعد اختلاط لاحق ہوا جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ مصر سے جا چکے تھے تو وہ

---

(۱) "صيانة صحيح مسلم" ص: ۹۵، دارالغرب الإسلامي.

اس معاملہ میں سعید بن ابو عروبہ رحمۃ اللہ علیہ اور عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ان لوگوں کی طرح ہیں جن کو عمر کے آخری حصہ میں اختلاط ہوا اور یہ بعد کا اختلاط صحیحین میں (اختلاط سے قبل کی روایات سے) احتجاج میں مانع نہیں۔

پھر ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے بالسند امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول نقل کیا ہے کہ احمد بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کو یہ معاملہ ان کے مصر سے جانے کے بعد پیش آیا۔

"صحيح البخاري" کے بھی متعدد متکلم فیہ رواۃ جیسے جریر بن حازم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی جواب دیا ہے۔

۴۔ علوّ سند کے لئے ضعیف راوی کا تحمل کر لینا جبکہ وہ روایت دیگر اسانید سے معروف ہو۔

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الرَّابِع: أَن يَعْلُو بالشخص الضَّعِيف إِسْنَاده وَهُوَ عِنْده بِرِوَايَة الثِّقَات نَازل فيذكر العالي وَلَا يطول بِإِضَافَة النَّازِل إِلَيْهِ مكتفيا بِمَعْرِفَة أهل الشَّأْن بذلك وَهَذَا الْعذر قد رويناهُ عَنهُ تنصيصا".(۱)

یعنی چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سند کو عالی کرنے کے لئے کسی ضعیف شخص کی سند سے روایت لے آئیں درآنحالیکہ وہ روایت ان کے ہاں ثقات کی نازل سند سے موجود ہو تو وہ عالی سند کا ذکر کرتے ہیں اور طوالت سے گریز کرتے ہوئے دوبارہ نازل سند کا اضافہ نہیں کرتے اہل فن کی اس روایت کی معرفت پر اکتفاء کرتے ہوئے، اور یہ عذر خود ان سے صراحتاً منقول ہے۔

پھر حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن عمرو البردعی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مشہور قصہ نقل کیا جو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ متعدد حضرات نے نقل کیا ہے کہ وہ "صحيح مسلم" کی تالیف کے بعد حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے تو انہوں نے دو باتیں ارشاد فرمائی:

ایک تو یہ کہ ان حضرات نے اپنی کتاب کا نام صحیح رکھا ہے، اس لیے اہل بدعت کل کو اسے اس بات کا زینہ بنالیں گے کہ جو روایت اس میں نہیں ملے گی تو کہیں گے کہ وہ صحیح نہیں (اور زمانہ

---

(۱) "المصدر السابق "ص: ۹۷.

نے حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی فراست کی تصدیق کر دی) اور دوسرا یہ کہ اسباط بن نصر، قطن بن نسیر اور احمد بن عیسی رواۃ کی روایت لانے پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا، راوی قصہ نے واپس جا کر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو خبر دی تو پہلی بات کے جواب میں فرمایا:

میں نے یہ کہا ہے کہ جس حدیث کی تخریج میں نے اس کتاب میں کی ہے وہ صحیح ہے یہ تو نہیں کہا کہ جس کی تخریج میں نے نہیں کی وہ ضعیف ہے۔

اور دوسری بات کے جواب میں یہی مذکورہ بالا جواب ارشاد فرمایا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"وَإِنَّمَا أدخلت من حَدِيث أَسْبَاط وقطن وَأحمد مَا قد رَوَاهُ الثِّقَات عَن شيوخهم إِلَّا أَنه رُبمَا وَقع إِلَيّ عَنْهُم بارتفاع وَيكون عِنْدِي من رِوَايَة أوثق مِنْهُم بنزول فأقتصر على ذَلِك وأصل الحَدِيث مَعْرُوف من رِوَايَة الثِّقَات".(١)

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اس پر فرماتے ہیں کہ یہ بات ان کے گزشتہ کلام کے خلاف ہے کہ وہاں تو یہ کہا تھا کہ اولا ثقات کی روایت لاؤں گا اور پھر دوسرے طبقے کی روایات متابعت میں لاؤں گا (گویا دونوں طرح کی روایات ذکر کروں گا اور یہاں صرف متکلم فیہ راوی کی روایت علو سند کی بناء پر لانے اور صحیح سند والی روایت اصلا نہ لانے کی بات ہے)۔

پھر حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ خود ہی اس کی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَكَانَ ذَلِك وَقع مِنْهُ على حسب حُضُور باعث النشاط وغيبته.(٢)

یعنی کبھی طبیعت میں نشاط تھا تو متعدد اسانید سے لے آئے اور کبھی نشاط نہ تھا تو ایک ہی عالی سند پر اکتفاء کر لیا، تو یہ احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے طرز عمل مختلف رہا ہے۔

---

(١) "صيانة صحيح مسلم" ص: ٩٨، دار الغرب الإسلامي.

(٢) "المصدر السابق" ص: ٩٧.

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات

ا۔ احادیث منتقدۃ پر جوابات:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اجمالی جواب تو وہی ذکر کیا ہے جو ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات میں سب سے پہلے گذرا کہ تصحیح وتضعیف ایک اجتہادی امر ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ شیخین وہ روایت نہیں لاتے جس میں علت ہوتی ہے اور اگر لاتے ہیں تو وہ علت ان کے ہاں علت مؤثرۃ نہیں ہوتی تو اس صورت میں جب نقد ہو گا تو گویا ناقد کی تعلیل ان کی تصحیح کے معارض ہوئی اور ترجیح کا موقع آگیا تو ان حضرات کے دیگر ائمہ پر مقدم ہونے میں کوئی شبہ نہیں لہذا ان کی بات کو ترجیح دی جائے گی۔

حافظ صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"فَإِذا عرف وتقرر أَنَّهُمَا لَا يخرجَانِ من الحَدِيث إِلَّا مَا لَا عِلّة لَهُ أَو لَهُ عِلّة إِلَّا أَنَّهَا غير مُؤثرَة عِنْدهمَا فبتقدير تَوْجِيه كَلَام من انتقد عَلَيْهِمَا يكون قَوْله مُعَارضا لتصحيحهما وَلَا ريب فِي تقديمهما فِي ذَلِك على غَيرهمَا فيندفع الِاعْتِرَاض من حَيْثُ الْجُمْلَة".(۱)

پھر تفصیل سے جواب میں حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ احادیث منتقدہ پر جو اعتراض ہے وہ مندرجہ ذیل طرح کا ہو سکتا ہے۔

ا۔ سند کے رجال میں کمی یا زیادتی ہونا۔

۲۔ سند کے بعض رجال کا تبدیل ہونا۔

۳۔ بعض رواۃ کا کسی زیادۃ میں اپنے سے اضبط یا عدد میں زیادہ لوگوں کے مقابلہ میں متفرد ہونا یعنی شذوذ کا اعتراض۔

۴۔ کسی روایت میں ضعیف راوی کا متفرد ہونا یعنی نکارت کا اعتراض۔

۵۔ راوی کا وہم۔

۶۔ متن کے کچھ الفاظ میں تبدیلی۔

---

(۱) "هدى الساري مقدمة فتح الباري" ۱/۳٤۷، دارالمعرفة، بيروت.

ہر ایک صورت کا حافظ صاحب نے جواب دیا ہے جسے کچھ اختصار سے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ا۔سند کے رجال میں کمی بیشی

حافظ صاحب فرماتے ہیں:

پہلی صورت: اگر صاحب صحیح کی سند میں زائد راوی ہے اور ناقد اس سند کے ذریعے نقد کر رہا ہے جس میں وہ زائد راوی نہیں ہے تو یہ اعتراض قابل قبول نہیں جیسا کہ خود حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی تصریح کر چکے ہیں، اس لئے کہ اس ناقص سند (یعنی جس میں زائد راوی نہیں جس کی بناء پر ناقد اعتراض کر رہا ہے) میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ اس نے اپنے شیخ سے سنا ہے، لیکن کبھی ایک راوی کے اضافہ اور واسطہ سے نقل کرتا ہے اور کبھی بلاواسطہ تو اگر اس نے سنا ہے تو پھر ایک راوی کے اضافہ سے نقل کرنا اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔

کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ راوی پہلے واسطہ کے ساتھ سنتا ہے اور اسی طرح نقل کرتا ہے پھر اصل شیخ سے ملاقات ہو جاتی ہے تو بلاواسطہ نقل کرنے لگتا ہے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ جس ناقص سند کی بناء پر اشکال کیا جا رہا ہے، در حقیقت وہاں انقطاع ہے اور راوی نے براہ راست مروی عنہ سے نہیں سنا تو اس صورت میں تو یہ ناقص سند جس کی بناء پر اشکال کر رہے ہیں، یہ خود منقطع ہو گی اور منقطع تو ضعیف کی قسم شمار ہوتی ہے، تو اس کی بناء پر صحیح روایت پر اعتراض کیسے کیا جا سکتا ہے؟

دوسری صورت: اگر ناقد ایسی سند کی بناء پر اشکال کر رہا ہے جس میں زائد راوی موجود ہے اور صاحب صحیح کی روایت اس زائد راوی سے خالی ہے تو یہ در حقیقت اس بات کا دعوی ہے کہ مصنف نے جس سند کو صحیح قرار دیا ہے، وہ صحیح نہیں بلکہ منقطع ہے۔

تو اس صورت میں دیکھیں گے کہ اگر وہ راوی صحابی ہو یا ایسا ثقہ غیر مدلس راوی ہو کہ جس سے وہ روایت کر رہا ہو اس سے اس کی ملاقات بھی واضح طور پر ثابت ہو یا اگر مدلس ہو تو دوسرے طریق میں سماع کی تصریح اس نے کی ہو تو اگر یہ باتیں پائی جائیں تو اس سے اعتراض ختم ہو جاتا ہے اور اگر یہ باتیں نہ پائی جائیں اور انقطاع وہاں ظاہر ہو تو جواب کا حاصل یہ ہے کہ صاحب صحیح ایسی

روایت صرف وہاں لاتے ہیں، جہاں متابعات و عواضد موجود ہوتے ہیں یا کسی نہ کسی درجہ میں ایسے قرائن پر مشتمل ہوتی ہے جو اسے تقویت دیتے ہیں، تو یہ تصحیح اس مجموعہ کے پیش نظر ہوتی ہے۔

تیسری صورت: بعض اوقات بعض نقاد بعض روایات کے بارے میں انقطاع کا دعوی کرتے ہیں اس بناء پر کہ یہاں سماع نہیں پایا جارہا جیسا کہ مکاتبہ اور اجازہ سے مروی احادیث میں ہوتا ہے اور اس صورت میں جس کے نزدیک اجازہ کے ذریعے روایت صحیح ہے، اس کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں بنتا، بلکہ اس کے لئے تو اس جیسی روایات کی صحیحین میں تخریج اجازۃ کے ذریعے منقول روایت کی صحت پر دلیل بن جاتی ہیں۔

۲۔ سند کے بعض رجال میں تبدیلی کی وجہ سے اختلاف:

اگر اختلاف ایسا ہو کہ صاحب صحیح کی سند میں اور راوی ہو اور ناقد کوئی ایسی سند پیش کرے جس میں کوئی دوسرا راوی ہو تو یہاں اگر جمع کرنا ممکن ہو بایں طور کہ اس راوی نے دونوں طریق سے سنا ہو تو ایسا بھی ہوا ہے کہ صاحب صحیح نے بھی دونوں طرح سے اس روایت کی تخریج کر دی، جبکہ ان دونوں طرق کے رواۃ حفظ وعدد وغیرہ میں برابر ہوں، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ وہ دونوں حفظ وعدد میں برابر تو نہ تھے، لیکن قریب قریب ضرور تھے، تو اس صورت میں راجح طریق کو لے لیا اور مرجوح سے اعراض کر لیا۔

بہر حال دونوں صورتوں میں محض اختلاف کی وجہ سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ محض اختلاف سے وہ اضطراب لازم نہیں آتا، جو ضعف کا باعث ہو۔

۳۔ بعض رواۃ کا کسی زیادۃ میں اپنے سے احفظ یا عدد میں زیادہ کے مقابلے میں متفرد ہونا:

یعنی شذوذ کا اعتراض کیا جائے تو حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات تو تعلیل میں تب تک مؤثر نہیں جب تک زیادۃ دوسروں کی روایت کے منافی نہ ہو، اگر اس زیادۃ کی وجہ سے ایسی منافاۃ لازم آئے کہ جمع کرنا متعذر ہو تو پھر وہ علت شمار ہو گی، ورنہ اگر ایسی زیادۃ ہو جس میں کوئی منافات

نہ ہو بایں طور کہ وہ مستقل حدیث کی طرح ہو، تو پھر وہ علت قادحہ شمار نہ ہو گی الا یہ کہ دلائل قویہ سے واضح ہو جائے کہ وہ زیادۃ متن میں کسی راوی کی جانب سے ادراج ہے تو اس صورت میں وہ زیادت تعلیل میں مؤثر ہو گی۔

۴۔ کسی ضعیف راوی کا متفرد ہونا:

یہاں نکارت کا اعتراض ہوتا ہے، حافظ صاحب فرماتے ہیں: اس طرح کی صرف دو روایات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لائے ہیں جن کے متابعات موجود ہیں۔

۵۔ راوی کو وہم لاحق ہونا:

اس صورت میں بھی تفصیل ہے کہ بعض وہم قدح میں مؤثر ہوں گے اور بعض نہیں جیسا کہ ان احادیث کی تفصیل میں حافظ صاحب نے واضح کیا ہے۔

متن کے الفاظ میں تبدیلی:

یہ صورت اکثر قدح کا باعث نہیں ہوتی اس لئے کہ جمع یا ترجیح کا امکان ہوتا ہے نیز حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے صحیحین میں متن میں کمی بیشی کے معاملات کا استیعاب نہیں کیا کہ وہ ان سے ایسا تعرض نہیں کرتے جیسا کہ سند سے تعرض کرتے ہیں، پھر جن روایات سے ان حضرات نے تعرض کیا ہے حافظ صاحب نے ان کا جواب دیا ہے۔

متکلم فیہ رواۃ پر نقد کا جواب:

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح نخبۃ الفکر" میں راوی میں طعن کے دس اسباب بیان فرمائے ہیں۔

پانچ کا تعلق عدالت راوی کے ساتھ ہے۔ یعنی (۱) کذب (۲) تہمت کذب (۳) فسق (۴) بدعت (۵) جہالت۔

اور پانچ کا تعلق ضبط سے ہے۔

(۱) سوء حفظ (۲) وہم (۳) غفلت (۴) فحش غلط (۵) مخالفت ثقات۔

پھر "هدى الساري" میں حافظ صاحب ان کو مختصر کر کے پانچ چیزوں میں منحصر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"ومدارها على خَمْسَة أَشْيَاء الْبِدْعَة أَو الْمُخَالفَة أَو الْغَلَط أَو جَهَالَة الْحَال أَو دَعْوَى الِانْقِطَاع فِي السَّنَد بِأَن يَدعِي فِي الرَّاوِي أَنه كَانَ يُدَلس أَو يُرْسل".

ان پانچ چیزوں میں سے تین چیزوں یعنی:

۱۔ مخالفت

۲۔ غلط

۳۔ دعوی انقطاع پر ہم حافظ صاحب کا کلام نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

اور دو چیزیں یعنی:

۴۔ بدعت

۵۔ جہالت

کا معاملہ قدرے تفصیل کا متقاضی ہے لہذا اس میں ہم کچھ تفصیل نقل کریں گے۔

۱۔ الغلط (راوی کا غلطی میں مبتلا ہونا)

حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ راوی کی غلطی دو طرح کی ہوتی ہے:

(۱) کثیر الغلط ہو۔

(۲) قلیل الغلط ہو۔

تو اگر تو کثیر الغلط ہونے سے موصوف ہو تو دیکھیں گے کہ اس کی روایت کردہ روایت کسی دوسرے ثقہ راوی سے بھی مروی ہے یا نہیں؟ اگر مروی ہے تو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ اصل مدار اس حدیث کے درست ہونے پر ہے نہ کہ اس مخصوص طریق پر، اور اگر وہ روایت صرف اسی کے طریق سے مروی ہو تو پھر اس کثیر الغلط راوی کی ایسی روایت لینا جس میں وہ متفرد ہے یہ ضرور قدح کا باعث ہے، جس کی بناء پر اس حدیث پر صحت کا حکم لگانے سے توقف لازم ہوتا ہے، لیکن بحمد اللہ اس دوسری صورت پر صحیح بخاری میں کوئی روایت موجود نہیں۔

اور اگر راوی قلیل الغلط ہو جس کے بارے میں "سيء الحفظ" یا "له أوهام" یا "له مناكير" وغیرہ عبارات لائی جاتی ہیں تو اس کے حکم میں بھی وہی تفصیل ہے جو کثیر الغلط کے حکم کے بارے میں بیان ہوئی البتہ اس دوسری نوع (یعنی قلیل الغلط رواۃ) کی روایات متابعات وغیرہ میں پہلی نوع کی بنسبت مصنف نے زیادہ ذکر ہیں۔

۲۔ مخالفت

مخالفت ثقات سے شذوذ اور نکارت وجود میں آتے ہیں اگر تو ضابط وصدوق راوی نے کچھ روایت کیا اور اس سے احفظ یا عدد میں زیادہ رواۃ نے اس کے مخالف روایت کیا بایں طور کہ دونوں کو محدثین کے قواعد کے مطابق جمع کرنا متعذر ہو تو یہ شاذ ہے اور کبھی مخالفت شدید ہو جاتی ہے یا مخالف روایت کرنے والے کا ضعف بڑھ جاتا ہے تو اس صورت میں جس روایت میں مخالفت ہے اس پر منکر ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور یہ صورت صحیح میں نادر ہے جسے اس سے پہلی فصل میں بحمد اللہ بیان کیا جا چکا ہے۔

۳۔ انقطاع

انقطاع سند کا دعوی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جو شرط ہے اسی سے ختم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے سند کے اتصال کی شرط لگائی ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کے رواۃ میں سے جس کسی پر تدلیس یا ارسال کا حکم لگایا گیا ہے اس کی صحیح میں موجود عنعنہ والی روایات کو پرکھیں گے پھر اگر سماع کی تصریح مل جاتی ہے تو اعتراض دور ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

راوی کا بدعتی ہونا:

"صحیحین" کی روایات پر ایک بڑا اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ حضرات شیخین رحمہما اللہ بدعتی رواۃ حتی کہ ایسے بدعتی رواۃ جو اپنی بدعت کی جانب داعی تھے ان سے بھی روایات لی ہیں جیسا کہ عمران بن حطان خارجی ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ کے قاتل عبد الرحمن بن ملجم کا مرثیہ کہا ہے نیز حریز بن عثمان، عباد بن یعقوب وغیرہ مبتدعین ہیں۔

اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ہر مبتدع کی روایت محدثین کے ہاں مردود نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے، اسی طرح بدعت سے تائب کی روایت بھی مقبول ہے۔

اور عمران بن حطان اور حریز بن عثمان کا تائب ہونا حافظ صاحب نے نقل کیا ہے۔

بدعت کی اقسام اور محدثین کے ہاں مبتدع کی روایت کا حکم:

تفصیلی جواب یہ ہے کہ بدعت کی درج ذیل اقسام ہیں:

۱۔ بدعت مکفّرہ

۲۔ بدعت مفسقہ

بدعت مکفرہ:

بدعت مکفرہ کے مرتکب کی روایت کو قبول کیا جائے گا یا نہیں اس میں تین مذاہب ہیں۔

۱۔ مطلقا مقبول ہے۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول متکلمین اور اہل نقل کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ بدعت مکفرہ کا مرتکب بھی اگر بدعت میں تاویل کرتا ہو تو اس کی روایت مقبول ہے، خطیب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول حافظ عراقی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ غیرہ متعدد حضرات نے بھی نقل کیا ہے۔

۲۔ حرمت کذب کے قائل کافر کی روایت مقبول ہے۔

ابو الحسن البصری المعتزلی، علامہ فخر الدین رازی، قاضی بیضاوی رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے یہی ہے۔

۳۔ کافر کی روایت مطلقا مردود ہے۔

جمہور محدثین کی رائے یہی ہے بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ بدعت مکفرہ کے مرتکبین کی روایت قبول نہیں کی جائے گی، اتفاق کا دعوی تو محل نظر ہے کہ دیگر آراء اوپر گزر چکیں، لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ بات محدثین کے ہاں مقبول ہونے کی ہے اور وہ اختلاف کرنے والے محدثین کے طبقہ سے نہیں ہیں۔ نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر

ایسے ہر شخص کی روایت کو بدعت مکفرہ کا مرتکب قرار دے کر رد کر دیں گے تو ہر فرقہ ہی دوسرے کی تکفیر کرتا ہے پھر تو سب کی ہی روایات نا قابل قبول قرار پائیں گی، لہذا اس میں تھوڑی تفصیل کی ضرورت ہے کہ وہ شخص کو کسی ایسے امر دین کا منکر ہو جو تواتر سے ثابت ہو اور اس کا دین کا حصہ ہونا بدیہی امر ہو یا اس کے برعکس کا اعتقاد رکھتا ہو اور جو شخص ایسا نہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ضبط روایت اور تقوی، پرہیز گاری سے متصف ہو تو اس کی روایت کے قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں۔

"والتحقيق: أنه لا يُرَدُّ كُلُّ مُكفِّرٍ ببدعَتِه لأَنَّ كلَّ طائفةٍ تدَّعي أَنَّ مخالِفيها مبتَدِعةٌ، وقد تُبالِغُ فتُكفِّرُ مخالِفها فلو أُخِذَ ذلك على الإطلاقِ؛ لاسْتَلْزَمَ تكفيرَ جميعِ الطَّوائفِ، فالمعتَمَدُ أَنَّ الَّذي تُرَدُّ روايتُهُ مَنْ أَنْكَرَ أَمراً مُتواتِراً مِن الشَّرعِ، معلوماً مِن الدِّينِ بالضَّرورةِ، وكذا مَن اعتقدَ عكسَهُ، فأَمَّا مَن لم يَكُنْ بهذهِ الصِّفَةِ، وانْضَمَّ إلى ذلك ضَبْطُهُ لِما يَرويهِ مَعَ وَرَعِهِ وتَقْواهُ، فلا مانِعَ مِن قَبولِهِ «أصلاً»".(١)

شیخ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کے ہاں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بات راجح ہے کہ ہر مکفر ببدعتہ کی روایت کو رد نہیں کیا جائے گا بلکہ امت کے ہاں جو کسی کی تکفیر کی متفقہ بنیادیں ہیں ان میں سے کوئی بنیاد پائی جائے گی تو اسے کافر قرار دے کر اس کی روایت کو رد کریں گے۔

بدعت مفسقہ:

بدعت مفسقہ کے مرتکب کی روایت کے قبول کرنے کے بارے میں بھی تین قول ہیں۔

۱۔ مطلقا مقبول

جن حضرات کے نزدیک بدعت مکفرہ کے مرتکب کی روایت مقبول ہے ان کے ہاں مفسقہ کے مرتکب کی بدرجہ اولی قابل قبول ہے۔

۲۔ مطلقا مردود

امام مالک، سفیان بن عیینہ، حمیدی، یونس بن ابی اسحاق، قاضی ابو بکر الباقلانی وغیرہ محدثین

---

(١) "نزهة النظر" ص: ٥٣.

رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے، متأخرین میں سے حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اھل ھواء کی تکفیر یا تفسیق کے علاوہ بھی ان کی روایت کو قبول نہ کرنے کی دو وجہیں ہیں۔

ا۔ ان کی اہانت اور بائیکاٹ تاکہ ان کی حوصلہ شکنی ہو اور تقویت نہ پکڑیں۔

۲۔ بدعت کے ارتکاب کی بنیاد خواہش پرستی ہے تو اس کے ہوتے ہوئے جھوٹ بولنے پر جرأت کا اندیشہ ہے بالخصوص جبکہ اس روایت سے اس کی خواہش کی تائید بھی ہوتی ہو۔

لیکن ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اس رائے کو رد کیا ہے کہ محدثین کی کتب تو بدعت کے مرتکبین رواۃ کی روایات سے بھری ہوئی ہیں تو مطلقا رد والی بات کیسے درست ہو سکتی ہے۔

علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر میں اہل بصرہ کو قدر کی وجہ سے اور اہل کوفہ کو تشیع کی وجہ سے ترک کر دوں تو کتب خالی ہو جائیں گی۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قدیم وجدید ہر دور میں محدثین نے مبتدعین کی روایات کو مدون کیا ہے اور ان سے استدلال کیا ہے تو یہ ان کی روایات کے قبول پر اجماع کی طرح ہے اور یہ اس باب میں سب سے بڑی حجت ہے اور موازنہ کے وقت اس سے اس گمان کو بڑی تقویت ملتی ہے کہ ان کی روایت قبول کی جائے گی۔

۳۔ مبتدع کی روایت کے قبول میں تفصیل:

جمہور محدثین رحمہم اللہ کی رائے اس بارے میں یہ ہے کہ مبتدع کی روایت کو نہ تو علی الاطلاق قبول کیا جا سکتا ہے نہ علی الاطلاق رد کیا جا سکتا ہے، بلکہ اس میں کچھ تفصیل ہے۔

تفصیل کے قائلین کے اقوال:

پھر وہ تفصیل اور فرق کیا ہے اس میں مختلف اقوال ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ راوی مستحیل کذب نہ ہو۔

امام شافعی، سفیان ثوری، ابن ابی لیلی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ

مبتدع اپنے مذہب کی تائید کے لئے جھوٹ کو حلال نہ سمجھتا ہو تو اس کی روایت قابل قبول ہے، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی جانب بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "المدخل" میں اکثر ائمہ محدثین کا یہی مذہب ذکر کیا ہے۔

امام بخاری و مسلم، علی بن مدینی، ابن خزیمۃ، یحیی بن سعید القطان وغیرہ محدثین رحمہم اللہ کا مسلک یہی ذکر کیا جاتا ہے۔

۲۔ بدعت کبریٰ کا مرتکب نہ ہو۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر بدعت صغری کا مرتکب ہو جیسے بلا غلو کے تشیع ہے تو اس کی روایت قابل قبول ہے اور اگر کبری ہو جیسے غالی متشیع اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن و تشنیع کا مرتکب ہو، تو اس کی روایت قابل قبول نہیں۔

۳۔ اپنی بدعت کی جانب داعی نہ ہو۔

اپنی بدعت کی طرف داعی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی اور غیر داعی کی قبول کرلی جائے گی، خطیب بغدادی اور ابن صلاح رحمہما اللہ وغیرہ حضرات نے اکثر علماء کا یہی مسلک ذکر کیا ہے، ابن صلاح، علامہ نووی، حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ کے ہاں بھی راجح بات یہی ہے، اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

۴۔ اس کی روایت سے بدعت کی تائید نہ ہوتی ہو یا وہ اس بدعت کی تردید پر مشتمل ہو تو مقبول ہے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اگر مبتدع کی روایت اس کی بدعت کی تردید پر مشتمل ہو تو قابل قبول ہے، کیونکہ اس صورت میں کذب کی تہمت دور ہو جاتی ہے۔

جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کچھ فرق کے ساتھ مسلک جمہور کو یوں نقل فرماتے ہیں کہ دیگر امور کے ساتھ اس روایت سے یہ بھی ضروری ہے کہ اس روایت سے اس کی بدعت کی تائید نہ ہوتی ہو۔

حاصل کلام:

اب جب ان اقوال کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ایسے مبتدعین بھی دکھائی دیتے ہیں جن کی روایت ان تمام حضرات کے ہاں قابل قبول قرار پاتی ہے اور وہ مندرجہ ذیل اوصاف کا حامل مبتدع ہے:

۱۔ ایسی بدعت کا مرتکب نہ ہو جس سے قواعد معلومہ فی الدین ضرورۃ کا انکار لازم آئے۔

۲۔ اپنے مذہب کی تائید کے لئے جھوٹ بولنے کو حلال نہ سمجھتا ہو، اور اس بدعت کے علاوہ ونفسانی خواہشات کی پیروی اس سے ظاہر نہ ہو، نیز ضابط اور عمومی گفتگو میں صادق سمجھا جاتا ہو۔

۳۔ معاند نہ ہو یعنی بدعت میں بہت غالی اور اپنی بدعت کی طرف داعی نہ ہو، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ صحیح مسلم میں داعی کی جگہ معاند کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ لفظ داعی اور بدعت کبری کے مرتکب اور اس کے لئے جھوٹ بولنے والا سب کو شامل ہے، لہذا بہت مناسب ہے۔

۴۔ اس کی روایت سے اس کی بدعت کی تائید نہ ہوتی ہو، نیز بدعت کے علاوہ اس کی روایت میں کوئی ایسا سبب نہ ہو جو قبول روایت سے مانع ہو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ہی ان باتوں کا جمع کرنا بھی ملتا ہے وہ "لسان الميزان" میں فرماتے ہیں:

"وينبغي أن يقيد قولنا بقبول رواية المبتدع إذا كان صدوقا، ولم يكن داعية بشرط أن لا يكون الحديث الذي يحدث به مما يعضد بدعته ويشيدها، فأنا لا نأمن حينئذ عليه من غلبة الهوى والله الموفق".(۱)

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی مبتدعین کی روایات کو قبول کرنے کی وجوہات:

اس تمہید کے بعد اب یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ شیخین رحمہما اللہ نے اپنی کتب میں مبتدعین کی روایات کو کیوں قبول کیا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات نے اس بارے میں جو کلام کیا ہے، اس سے مبتدعین

---

(۱) "لسان الميزان" ۱/۱۱.

کی روایات کے قبول کے بارے میں ان حضرات کے منہج سے متعلق مندرجہ ذیل معیارات سامنے آتے ہیں:

۱۔ وہ بدعت مکفرہ کے مرتکبین کی روایت نہیں لیتے۔

۲۔ وہ جن مبتدعین سے روایت لیتے ہیں، وہ اپنی بدعت کی جانب داعی نہیں یا داعی تو تھے، لیکن ان کا تائب ہونا ثابت ہے جیسا کہ عمران بن حطان وغیرہ کے بارے میں حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "هدى الساري" میں لکھا ہے۔

۳۔ بہت سے حضرات ایسے ہیں جن کی جانب بدعت کی نسبت تو کی گئی، لیکن وہ نسبت درست نہیں تھی، اس لئے ان کی روایات لائے ہیں۔

۴۔ مبتدعین کی روایات اکثر شواہد ومتابعات میں لائے ہیں۔

۵۔ کبھی اصول میں بھی لائے ہیں، لیکن وہ تب لاتے ہیں جب وہ مبتدع اس روایت میں متفرد نہ ہو، اس صورت میں دوسروں کی متابعت کے ساتھ لاتے ہیں، نیز اس راوی کا صادق وضابط ہونا معروف ہوتا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

راوی کا مجہول ہونا:

راوی کے مجہول ہونے سے مراد یہ ہے کہ یا تو اس کی ذات وشخصیت کے بارے میں ہی علم نہ ہو یا اس کی ذات کا علم تو ہو لیکن اس کے اوصاف جن پر اس کی روایت کے قبول یا رد کا مدار ہے یعنی اس کی عدالت وضبط وہ معلوم نہ ہوں۔

تو گویا مجہول کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔

۱۔ مجہول العین

۲۔ مجہول الحال

مجہول العین کی تعریف:

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ذہلی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محدثین نے مجہول العین کی تعریف یہ کی

ہے کہ وہ راوی جس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہو اگر ایک سے زیادہ اشخاص اس سے روایت کریں تو اس سے جہالت عین دور ہو جاتی ہے، چنانچہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"هُوَ كُلُّ مَنْ لَمْ يُشْتَهَرْ بِطَلَبِ الْعِلْمِ فِي نَفْسِهِ، وَلَا عَرَفَهُ الْعُلَمَاءُ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُعْرَفْ حَدِيثُهُ إِلَّا مِنْ جِهَةِ رَاوٍ وَاحِدٍ ...وَأَقَلُّ مَا تَرْتَفِعُ بِهِ الْجَهَالَةُ أَنْ يَرْوِيَ عَنِ الرَّجُلِ اثْنَانِ فَصَاعِدًا مِنَ الْمَشْهُورِينَ بِالْعِلْمِ كَذَلِكَ".(۱)

اس میں شہرت والی بات سے قطع نظر بعد میں آنے والے محدثین نے عموماً مجہول العین کی تعریف میں اس بات کو مدار بنایا ہے کہ جس شخص سے نقل کرنے والا ایک ہی راوی ہو تو وہ مجہول العین قرار پائے گا (جسے وحدان سے بھی تعبیر کرتے ہیں) اور اس کی روایت مقبول نہ ہو گی، اور اسی بناء پر صحیحین کے بعض رواۃ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ان سے نقل کرنے والا ایک ہی فرد ہے تو شیخین ان کی روایت صحیحین میں کیوں لائے؟

تو ان وحدان میں سے بعض کا تعلق تو طبقہ صحابہ سے ہے، اور طبقہ صحابہ میں جہالت مضر نہیں جیسا کہ شروط کے بیان میں حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے تحت اس پر گفتگو گذر چکی ہے۔

لیکن طبقہ صحابہ کے علاوہ بھی بعض رواۃ پر حافظ ابو حاتم رازی اور ابن حزم رحمہما اللہ وغیرہ حضرات نے مجہول ہونے کا اشکال کیا ہے، جیسے احمد بن عاصم بلخی، ابراہیم بن عبد الرحمن مخزومی، اسامہ بن حفص مدنی، محمد بن محسن مروزی، عباس بن حسین قنطری رحمہم اللہ وغیرہ رواۃ ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجہول کی تعریف اور جہالت کے دور ہونے کے اسباب میں اختلاف ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ جو راوی بعد والوں کے ہاں مجہول ہے، وہ ان حضرات کے ہاں مجہول نہ ہو، نیز حافظ ابن قطان، ذہبی، ابن حجر و سخاوی رحمہم اللہ نے مجہول کی تعریف میں اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ ائمہ میں سے کسی نے اس کی توثیق نہ کی ہو۔

---

(۱) "الكفاية" ص: ۸۸، المكتبة العلميه.

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "مقدمة تقريب التهذيب" میں فرماتے ہیں:

"التاسعة:من لم يرو عنه غير واحد ولم يوثق وإليه الإشارة بلفظ مجهول".(۱)

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی اس کو منسوب کیا ہے، نیز اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ محدثین کا صنیع چونکہ مصطلحات حدیثیہ کی بنیاد ہے تو شیخین کے صنیع سے بھی اسی تعریف کی تائید ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"وَخَصَّ بَعْضُهُمُ الْقَبُولَ بِمَنْ يُزَكِّيهِ مَعَ رِوَايَةِ الْوَاحِدِ أَحَدًا مِنْ أَئِمَّةِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيلِ، وَاخْتَارَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ فِي بَيَانِ الْوَهْمِ وَالْإِيهَامِ، وَصَحَّحَهُ شَيْخُنَا، وَعَلَيْهِ يَتَمَشَّى تَخْرِيجُ الشَّيْخَيْنِ فِي صَحِيحَيْهِمَا لِجَمَاعَةٍ أَفْرَدَهُمُ الْمُؤَلِّفُ بِالتَّأْلِيفِ".(۲)

نیز امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے صنیع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اب جب ہم "صحیحین" کے ان رواۃ کا جائزہ لیتے ہیں جن پر مجہول ہونے کا الزام ہے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ یہ وحدان میں سے ہیں، لیکن ان کی توثیق کی گئی ہے، چنانچہ مذکورہ بالا حضرات میں سے اکثر کی توثیق ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور بعض کی یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ارباب جرح وتعدیل نے کی ہے، لہذا اس نکتہ نظر سے یہ مجہول نہیں قرار پاتے۔

۲۔ مجہول الحال

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فَأَما جَهَالَة الْحَال فمندفعة عَن جَمِيع من أخرج لَهُم فِي الصَّحِيح، لِأَن شَرط الصَّحِيح أَن يكون رَاوِيه مَعْرُوفا بِالْعَدَالَةِ، فَمن زعم أَن أحدا مِنْهُم مَجْهُول، فَكَأَنَّهُ نَازع المصَنّف فِي دَعْوَاهُ أَنه مَعْرُوف، وَلَا شكّ أَن الْمُدَّعِي لمعرفته مقدم على من يَدعِي عدم مَعْرفَته لما مَعَ الْمُثبت من زِيَادَة الْعلم وَمَعَ ذَلِك، فَلَا تَجِد فِي رجال الصَّحِيح أحدا مِمَّن يسوغ إِطْلَاق اسْم الْجَهَالَة عَلَيْهِ أصلا كَمَا سنبينه".(۳)

---

(۱) "تقريب التهذيب" ص: ۲۳، دار الرشيد.

(۲) "فتح المغيث" ۲/۵۰، مكتبة السنة.

(۳) "مقدمة فتح الباري" ۱/۳۸٤، دارالمعرفة.

یعنی جہاں تک جہالت حال کی بات ہے، تو وہ تو صحیح بخاری کے تمام رواۃ سے دور ہے، اس لئے کہ صحیح کی شرط یہ ہے کہ راوی معروف بالعدالہ ہو تو جو شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ ان میں سے کوئی مجہول ہے، تو وہ درحقیقت صحیح کے مصنف کے اس راوی کے معروف ہونے کے دعوی کے مقابلہ میں اپنا دعوی پیش کر کے صحیح کے مصنف سے منازعت کر رہا ہے، اور بلاشبہ جو کسی شخص کی معرفت کا دعوی کر رہا ہے، وہ ایک زائد بات کا علم ہونے کی بناء پر اس شخص پر مقدم ہے جو معرفت نہ ہونے کا دعوی کر رہا ہے، اور اس سب کے ساتھ ساتھ صحیح میں آپ کوئی راوی ایسا نہ پائیں گے جس پر جہالت کا اطلاق درست ہو جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔

تو حافظ صاحب نے تو صحیح بخاری میں مجہول الحال رواۃ کے وجود کا انکار کر دیا، تو اب جو کوئی ان کے وجود کا دعوی کرتا ہے، اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس راوی کی نشاندہی کر کے اپنی بات کو ثابت کرے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

بعض مزید جوابات:

۱۔ ناقد کو وہم ہونا

بہت سی جگہ ناقدین کو وہم بھی ہوا ہے جیسا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کو حافظ احمد بن صالح مصری کے بارے میں نیز حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بعض جگہ وہم ہوا ہے جس کی محققین نے نشاندہی کی ہے۔

۲۔ راوی کا کسی مخصوص شیخ سے یا مخصوص احوال میں روایت کا ضعیف ہونا یہ بات شروط کے بیان میں تفصیل سے گزر چکی ہے کہ شیخین رحمہما اللہ کے ہاں روایت کی کیفیت کا لحاظ بھی رکھا جاتا ہے، اور ایسے رواۃ کی وہ روایات لاتے ہیں جس میں وہ ضعیف شمار نہیں ہوتے مثلاً سلیم بن زریر وغیرہ رواۃ ہیں۔

اسی طرح بعض رواۃ کی بعض احوال میں روایت قبول ہوتی ہے جیسا کہ زیاد البکائی ہیں کہ صالح الجزرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"زياد ضعيف، ولكن أثبت الناس في كتاب المغازي".[1]

حاصل بحث:

حاصل بحث اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ "صحیحین" کی جن احادیث یا رواۃ پر نقد ہوا ہے، ان کے مفصل جائزے سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں۔

۱۔ ان احادیث منتقدۃ کی تعداد بہت قلیل ہے، اور اکثر نقد کا تعلق صناعت حدیثیہ اور سند سے ہے، متن پر اشکال اگر ہے تو وہ عموماً ایک دو لفظوں کی کمی بیشی تک محدود ہے۔

۲۔ ان احادیث منتقدہ میں سے اکثر کا جواب دیا گیا ہے، البتہ بعض مقامات پر مجیبین نے اقرار کیا کہ جواب تکلف سے خالی نہیں۔

۳۔ اکثر احادیث منتقدۃ دیگر طرق سے مروی ہیں گویا ان کا متن محفوظ و معروف ہے، اور ایسی بعض روایات کو علو سند وغیرہ وجوہات کی بنا پر شیخین لے آتے ہیں۔

۴۔ احادیث منتقدہ کو شیخین رحمہما اللہ عموماً متابعات و شواہد میں لائے ہیں، اور اگر کہیں اصول میں لائے ہیں، تو اس روایت کو متابعات و شواہد سے تقویت حاصل ہے۔

۵۔ احادیث کی تصحیح و تعلیل اسی طرح رواۃ کی توثیق و تجریح اجتہادی امر ہے، لہذا عین ممکن ہے جو رواۃ دوسروں کے ہاں ضعیف ہوں، وہ ان کے ہاں ثقہ ہوں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

***

(۱) "هدى الساري" ص: ۲۱۳.

احادیث کی تصحیح وتعلیل میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

صحاح ستہ میں احادیث پر حکم کی تصریح کا معاملہ دیکھیں تو سب سے زیادہ تصریح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، پھر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اور پھر امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کو علل حدیث میں خصوصی مہارت حاصل تھی جس کا اثر ان کی کتب میں واضح دکھائی دیتا ہے، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تو علل حدیث کے باب میں ان کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پر بھی فوقیت دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"هو أحذق بالحديث وعلله ورجاله من مسلم، ومن أبي داود، ومن أبي عيسى، وهو جار في مضمار البخاري، وأبي زرعة".(١)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے بیان میں یہ بات تو آچکی کہ صحاح ستہ میں "صحیحین" کے بعد سب سے کم ضعیف روایات سنن نسائی میں ہیں، اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کے الفاظ میں اختلاف، روایت میں علت کی نشاندہی یا فریق مخالف کی دلیل وغیرہ امور بیان کرنے کے لئے ضعیف روایت لے آتے ہیں لیکن اکثر مقامات پر ضعف کی نشاندہی کرتے ہیں۔

پھر ضعف کی نشاندہی میں یا تو کسی مخصوص راوی پر جرح کرتے ہیں مثلا یوں کہتے ہیں "فلان ليس بالقوى في الحديث" یا "ضعيف" یا "منكر" یا "متروك" وغیرہ الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور کبھی پوری حدیث پر حکم لگاتے ہیں مثلا "هذاحديث صحيح" یا "هذا ليس بصحيح" یا "هذاغير ثابت" وغیرہ الفاظ لاتے ہیں۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا سکوت:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اگر کسی روایت پر سکوت کرتے ہیں اور کوئی علت ذکر نہیں کرتے تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ حدیث امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں علت سے خالی ہے، چنانچہ وہ نماز کے شروع میں ثناء پڑھنے والی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(١) "سير أعلام النبلاء" ٨٣/١١، دارالحديث قاهره.

"وأما النسائي فسكت عليه، فاقتضي أنه لا علة له عنده".[1]

یعنی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر سکوت کیا ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کے ہاں اس میں کوئی علت نہیں ہے۔

لیکن یہاں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے سکوت کا مطلب ضرور سمجھ لینا چاہیے، اور اس بارے میں دو باتیں ملحوظ رہنی چاہیئے:

۱۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ صراحتاً علت نہیں بیان کرتے، بلکہ کبھی تبویب یا سرد روایات میں ترتیب یا سیاق کلام کے ذریعے بھی علت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۲۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے سکوت سے مراد صرف "کتاب المجتبی" میں سکوت نہیں، بلکہ سکوت سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اپنی دیگر کتب میں بھی وہاں کوئی علت بیان نہ کی ہو، کیونکہ ایسے مقامات بھی ہیں، جہاں انہوں نے "کتاب المجتبی" میں کسی روایت پر سکوت کیا، لیکن "سنن کبری" میں اس روایت میں علت بیان کی ہے، مثلاً مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی کے بارے میں رخصت کی روایت "مجتبی" میں لائے ہیں جو مندرجہ ذیل ہے:

"قَالَ عُمَرُ لِصُهَيْبٍ: مَا لِي أَرَى عَلَيْكَ خَاتَمَ الذَّهَبِ؟ قَالَ: قَدْ رَآهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ فَلَمْ يَعِبْهُ، قَالَ: مَنْ هُوَ؟ قَالَ: رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ".[2] اس روایت پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے "سنن صغری" یعنی "مجتبی" میں سکوت کیا ہے، لیکن "سنن الکبری" میں فرماتے ہیں: "هذا حديث منكر".

گو ایسے مقامات کم ہیں، لیکن بہر حال یہ نکتہ ملحوظ رہنا چاہیے۔

سنن نسائی کے مجہول رواۃ:

حافظ ابن صلاح اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی سنن میں مجہول رواۃ کے پائے جانے کا تذکرہ کیا ہے (جو شروط کے بیان میں گذرا) تو کبھی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ خود اس کی تصریح کرتے ہیں مثلاً فرماتے ہیں:

---

(۱) "نتائج الأفكار تخريج أحاديث الأذكار" ص: ٤٠٣، دار ابن كثير.

(۲) "المجتبى" للنسائي: رقم الحديث: ٥٢٠٧، كتاب الزينة، باب الرخصة في خاتم الذهب للرجال.

"لانعلم أحدا روى عنه غير فلان" یا "لا أعرفه"یا "لیس بالمشهور" یا "لیس بذاك المشهور"یا "مجهول"وغیرہ الفاظ استعمال کرتے ہیں، لیکن یہ "سنن الکبری"میں نسبتاً زیادہ ہے "سنن صغری" میں اس کی نوبت کم ہی آئی ہے، مجہول کا لفظ پوری کتاب میں مجھے نہیں ملا،"لاأعرفه"ایک دو جگہ استعمال کیا ہے۔اسی طرح باقی الفاظ کا حال ہے۔

رہا یہ سوال کہ جب یہ رواۃ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی مجہول ہیں، تو ان کی روایت کیوں لاتے ہیں؟

تو اس کا جواب ہو چکا کہ وہ ہر حدیث بطور احتجاج نہیں لاتے، بلکہ کبھی علت پر تنبیہ، بیان اختلاف، فریق مخالف کی حجت کا ضعف بیان کرنے کی ضرورت وغیرہ امور کی وجہ سے لاتے ہیں۔

اور ایسے مقامات بھی بہر حال قلیل ہیں۔

اصل سوال ان مقامات پر پیدا ہوتا ہے جہاں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے راوی کے مجہول ہونے کی کوئی تصریح نہیں کی۔

تو وہاں وہی جواب ہے جو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں ذکر کیا ہے کہ ضروری نہیں کہ جو کسی دوسرے کے ہاں مجہول ہو، وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی مجہول ہو اسی طرح یہاں بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ضروری نہیں کہ جن حضرات کو دیگر لوگ مجہول قرار دے رہے ہیں وہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی مجہول ہو۔

اور حقیقت یہ ہے کہ پیچھے جو حافظ ابن القطان، ذہبی، ابن حجر، سخاوی وغیرہ رحمہم اللہ حضرات کا مسلک مجہول کی تعریف میں نقل کیا گیا کہ ان کے ہاں وہ راوی جس سے ایک ہی فرد روایت کرتا ہو، مگر اصحاب جرح وتعدیل میں سے کسی کی جانب سے اس کی توثیق ہو چکی ہو، تو وہ مجہول کے زمرے میں نہیں آتا، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے صنیع سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی رائے بھی یہی ہے کہ ان کا ایک رسالہ تسمية من لم يروعنه غير رجل واحد کے نام سے ہے (یہ رسالہ دار الوعی حلب سے چھپ چکا ہے) اور اس میں مذکور بعض حضرات کو انہوں نے دیگر مقامات پر مطلقاً ثقہ کہا ہے، تو معلوم ہوا کہ ان کے ہاں یہ لوگ مجہول نہیں ہیں۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"أبو هند البجلي عن معاوية لا يعرف، لكن احتج به النسائي على قاعدته روي عبدالرحمن بن أبي عوف عنه". (١)

تو مجہول کی تعریف میں ائمہ محدثین کی جانب سے ہی کئے گئے، اس توسع کو ملحوظ رکھیں تو جن حضرات کی بناء پر اعتراض تھا، ان کی اکثریت زمرۃ مجاہیل سے خارج ہو جاتی ہے، اور باقی کی روایات لانے کی وجوہات ذکر کی جاچکیں، واللہ أعلم بالصواب۔

***

(١) ميزان الاعتدال، ٥٨٣/٤، دار المعرفة بيروت.

احادیث کی تصحیح و تعلیل میں امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ اہل مکہ کی طرف اپنے خط میں فرماتے ہیں:

"وما كان في كتابي من حديث فيه وهن شديد فقد بينته ومنه ما لايصح سنده، وما لم أذكر فيه شيئا فهو صالح وبعضها أصح من بعض".(۱)

یعنی میری کتاب کی جس حدیث میں ضعف شدید تھا اسے تو میں نے بیان کیا ہے اور ان میں بعض ایسی روایات بھی ہیں جن کی سند صحیح نہیں ہے (گو متن تعدد طرق وغیرہ عواضد کی بناء پر قابل قبول ہو) اور جس روایت کے بارے میں، میں نے کچھ ذکر نہیں کیا تو وہ صالح ہے، اور ان میں سے بعض دیگر بعض کی بنسبت اصح ہیں۔

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ پہلے علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ اور پھر شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے چھپا ہے، ان حضرات کو جتنے نسخے اس رسالہ کے دستیاب ہوئے، سب میں مسکوت عنہا روایات کے بارے میں صالح کا لفظ مذکور ہے، لیکن حافظ ابن کثیر اور حافظ بلقینی رحمہما اللہ صالح کے بجائے حسن کا لفظ ذکر کرتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قلت: ويروى عنه أنه قال: وما سكت عنه هو حسن".(۲)

اسی طرح حافظ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وما سكت عليه فهو حسن".(۳)

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے سکوت کا حکم:

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ جس روایت کے بارے میں بھی ان کی رائے یہ تھی کہ اس کا ضعف بیان کرنے کی ضرورت ہے، انہوں نے اسے بیان کیا ہے اور جہاں سکوت کیا ہے وہ روایت کم از کم صالح ضرور ہے۔

اب صالح سے مراد "صالح للحجة" (یعنی ایسی روایت جو خود قابل حجت ہو اور اس سے

---

(۱) "ثلاث رسائل" ص: ٤١-٣٧، مكتب المطبوعات الإسلامية.

(۲) "الباعث الحثيث" ص: ٤١، دارالكتب العلمية.

(۳) "محاسن الاصطلاح، ص: ١١.

استدلال کے لئے متابعت وغیرہ عواضد کے ذریعے تقویت کی حاجت نہ ہو) بھی ہو سکتا ہے اور "صالح للاعتبار "(یعنی ایسی روایت جو حجت بننے کے لئے متابعت وشواہد کے ذریعے تقویت کی محتاج ہو) بھی ہو سکتا ہے۔

تو یہاں صالح سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کی آراء مختلف ہیں، ہم ذیل میں تین مشہور اقوال ذکر کرتے ہیں:

قول اول:

صالح سے مراد حدیث صحیح ہے، یعنی جس حدیث پر امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ سکوت کریں وہ ان کے ہاں صحیح ہوگی، یہ رائے حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اور بقول حافظ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کے ابن رشید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كل ما سكت عليه أبوداود، فهو صحيح عنده لاسيما ان كان لم يذكر في الباب غيره".(١)

قول ثانی:

یہاں صالح سے مراد حدیث حسن ہے۔

یہ قول حافظ ابن صلاح، ابن کثیر، بلقینی، عراقی وغیرہ حضرات محدثین کا ہے، حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "الأذكار" اور "شرح المهذب" میں یہی خیال ظاہر کیا ہے، گو ان کی دوسری رائے بھی ہے جو آگے آرہی ہے۔

پھر ان میں سے بعض حضرات جیسے حافظ نووی، عراقی رحمہما اللہ وغیرہ نے صحیح او حسن یعنی دونوں کے احتمال کیساتھ ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ "مقدمہ" میں فرماتے ہیں:

"قُلْتُ: فَعَلَى هَذَا مَا وَجَدْنَاهُ فِي كِتَابِهِ مَذْكُورًا مُطْلَقًا، وَلَيْسَ فِي وَاحِدٍ مِنَ الصَّحِيحَيْنِ،

---

(١) "النكت" لابن حجر: ١/٤٣٦، مطبوعة بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة.

وَلَا نَصَّ عَلَى صِحَّتِهِ أَحَدٌ مِمَّنْ يُمَيِّزُ بَيْنَ الصَّحِيحِ وَالْحَسَنِ، عَرَفْنَاهُ بِأَنَّهُ مِنَ الْحَسَنِ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ. وَقَدْ يَكُونُ فِي ذَلِكَ مَا لَيْسَ بِحَسَنٍ عِنْدَ غَيْرِهِ، وَلَا مُنْدَرِجٍ فِيمَا حَقَّقْنَا ضَبْطَ الْحَسَنِ بِهِ عَلَى مَا سَبَقَ".(۱)

یعنی اس اصول کے مطابق جس روایت کو بھی ہم ان کی کتاب میں مطلق مذکور پائیں اور وہ "صحیحین" میں موجود نہ ہو اور نہ صحیح اور حسن میں تمیز کرنے والے حضرات میں سے کسی اور نے صحت کی تصریح نہ کی ہو تو ہم پہچان لیں گے کہ یہ روایت امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حسن ہے، حالانکہ کبھی اس میں ایسی روایات بھی ہوتی ہیں جو امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ (دیگر حضرات) کے نزدیک حسن نہیں اور نہ ہی حسن کی اس تعریف کے تحت آتی ہیں جو ہم نے پیچھے بیان کی۔

اس کلام سے بھی واضح ہے کہ مسکوت عنہا روایات کے حسن ہونے کے قائلین کے نزدیک حسن ہونا علی الاقل ہے ورنہ روایت صحیح بھی ہو سکتی ہے۔

چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أن ما رواه أبو داود في (سننه) ولم يذكر ضعفَه فهو عنده صحيح أو حسن، وكلاهُما يُحتجّ به في الأحكام، فكيف بالفضائل".(۲)

اسی طرح "شرح مهذب" میں کافر جب اسلام لائے تو اس کے لئے سر کا حلق مستحب ہے، اس باب میں روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"لكن أبا داود رواه، ولم يضعفه، وقد قال أنه إذا ذكر حديث، وَلَمْ يُضَعِّفْهُ، فَهُوَ عِنْدَهُ صَالِحٌ أَيْ صَحِيحٌ أَوْ حَسَنٌ، فَهَذَا الْحَدِيثُ عنده حسن".(۳)

لیکن دوسرے مقام پر حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ خود اقرار کرتے ہیں کہ مسکوت عنہا روایات میں ضعیف روایات بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں:

"واعلم أنه وقع في "سنن أبي داود" أحاديث ظاهرة الضعف لم يُبَيِّنْها، مع أنها مُتفقٌ على ضَعْفها عند المحدثين: كالمرسل والمنقطع، وروايته عن مجهول: كشيخ ورجل ونحوه.

(۱) "مقدمة ابن صلاح"، ۳۶/۱، دار الفكر.

(۲) "كتاب الأذكار" للنووي: ص: ۱٤، دار الفكر.

(۳) "المجموع شرح المهذب" ۱٥٤/۲، دارالفكر.

فقد يقال: إن هذا مخالف لقوله: "ما كان فيه وهن شديد بَيَّنْتُه".

وجوابه: أنه لما كان ضعف هذا النوع ظاهرًا، استغنى بظهوره عن التصريح ببيانه".[1]

اس پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ آگے آرہا ہے۔

بہر حال ان دونوں اقوال کے قائلین کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ سنن ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کی مسکوت عنہا روایات "صالح للحجة" ہیں۔

قول ثالث:

سنن ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کی مسکوت عنہا روایات میں صحیح، حسن اور ایسی ضعیف روایات بھی ہیں جو قابل احتجاج تو نہیں لیکن قابل اعتبار ضرور ہیں، گویا صالح کا لفظ عام ہے، "صالح للحجة" اور "صالح للاعتبار" دونوں کو شامل ہے۔ پھر ان مسکوت عنہا روایات میں سے کونسی روایت "صالح للحجة" ہے اور کونسی "صالح للاعتبار" اس کی تعیین حسب حال و مقام ہو گی۔

حافظ ذہبی، ابن ملقن، ابن حجر، سخاوی، سیوطی صنعانی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات محدثین کی رائے یہی ہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قُلْتُ: فَقَدْ وَفَّى -رَحِمَهُ اللهُ- بِذَلِكَ بِحَسَبِ اجتِهَادِهِ، وَبَيَّنَ مَا ضَعْفُهُ شَدِيْدٌ، وَوَهْنُهُ غَيْرُ مُحْتَمَلٍ، وَكَاسَرَ عَنْ مَا ضَعْفُهُ خَفِيْفٌ مُحْتَمَلٌ، فَلاَ يَلْزَمُ مِنْ سُكُوْتِهِ - وَالحَالَةِ هَذِهِ - عَنِ الحَدِيْثِ أَنْ يَكُونَ حَسَناً عِنْدَهُ، وَلاَ سِيَمَا إِذَا حَكَمْنَا عَلَى حَدِّ الحَسَنِ بِاصطِلاَحِنَا المولَّد الحَادِث، الَّذِي هُوَ فِي عُرْفِ السَّلَفِ يَعُودُ إِلَى قِسمٍ مِنْ أَقسَامِ الصَّحِيْحِ، الَّذِي يَجِبُ العَمَلُ بِهِ عِنْدَ جُمْهُوْرِ العُلَمَاءِ، أَوِ الَّذِي يَرْغَبُ عَنْهُ أَبُو عَبْدِ اللهِ البُخَارِيُّ، وَيُمَشِّيَهُ مُسْلِمٌ، وَبَالعَكْسِ، فَهُوَ دَاخِلٌ فِي أَدَانِي مَرَاتِبِ الصِّحَّةِ، فَإِنَّهُ لَوْ انْحَطَّ عَنْ ذَلِكَ لخَرَجَ عَنِ الاحْتِجَاجِ، وَلَبَقِيَ مُتَجَاذَباً بَيْنَ الضَّعْفِ وَالحَسَنِ، فَكِتَابُ أَبِي دَاوُدَ أَعْلَى مَا فِيْهِ مِنَ الثَّابِتِ مَا أَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ، وَذَلِكَ نَحْو مِنْ شَطْرِ الكِتَابِ، ثُمَّ يَلِيْهِ مَا أَخْرَجَهُ أَحَدُ الشَّيْخَيْنِ، وَرَغِبَ عَنْهُ الآخَرُ، ثُمَّ يَلِيْهِ مَا رَغِبَا عَنْهُ، وَكَانَ إِسْنَادُهُ جَيِّداً، سَالِماً مِنْ عِلَّةٍ

---

(١) "الإيجاز" للنووي: ص: ٥٦، دار الأثرية عمان.

وَشُذُوْذٍ، ثُمَّ يَلِيْهِ مَا كَانَ إِسْنَادُهُ صَالِحاً، وَقَبِلَهُ العُلَمَاءُ لِمَجِيْئِهِ مِنْ وَجْهَيْنِ لَيِّنَيْنِ فَصَاعِداً، يَعْضُدُ كُلُّ إِسْنَادٍ مِنْهُمَا الآخَرُ، ثُمَّ يَلِيْهِ مَا ضُعِّفَ إِسنَادُهُ لِنَقْصِ حِفْظِ رَاوِيهِ، فَمِثْلُ هَذَا يُمَشِّيْهِ أَبُو دَاوُدَ، وَيَسْكُتُ عَنْهُ غَالِباً، ثُمَّ يَلِيْهِ مَا كَانَ بَيِّنَ الضَّعْفِ مِنْ جِهَةِ رَاوِيْهِ، فَهَذَا لاَيَسْكُتُ عَنْهُ، بَلْ يُوْهِنُهُ غَالِباً، وَقَدْ يَسْكُتُ عَنْهُ بِحَسْبِ شُهْرَتِهِ وَنَكَارَتِهِ،وَاللهُ أَعْلَمُ".(١)

یعنی میں (حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اجتہاد کے مطابق اپنا قول پورا کر دیا، اور جس روایت کا ضعف شدید اور کمزوری ناقابل تحمل تھی اسے بیان کر دیا اور جس کا ضعف خفیف قابل تحمل تھا، اس سے اغماض برتا، لہذا اس صورتحال میں محض ان کے سکوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث ان کے ہاں حسن ہو، بالخصوص جبکہ حسن کی یہ جدید اصطلاح ہمارے ہاں ہے اس کے مطابق ہم حکم لگائیں، جبکہ یہ سلف کے عرف میں صحیح کی اقسام میں سے ایک قسم شمار ہوتی تھی جس پر جمہور علماء کے ہاں عمل کرنا واجب تھا یا وہ صورت تھی جس سے (امام) ابو عبد اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اعراض کیا اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اسے لے آئے یا اس کے برعکس ہوا تو وہ صحیح کے ادنی مراتب میں داخل ہے، اس لئے کہ اگر اس درجہ سے بھی کم ہو گی، تو پھر وہ درجہ احتجاج سے نکل جائے گی اور ضعف اور حسن کے مابین رہ جائے گی۔

(یعنی حسن کی مروجہ اصطلاح جس کا موجودہ مفہوم محدثین کے ہاں بعد میں متعین ہوا تو یہ کہنا کہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر ہر ہر مسکوت عنہا روایت کے بارے میں اس موجودہ مفہوم کے مطابق حسن ہونا پیش نظر تھا تو یہ کہنا مشکل بات ہے)۔

سنن أبي داود کے احادیث کے مراتب:

مذکورہ تفصیل معلوم ہونے کے بعد ہم "سنن أبي داود" کی روایات کو مختلف مراتب پر تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ سب سے اعلی حصہ تو وہ ہے جس کی شیخین رحمہما اللہ نے تخریج کی ہے اور وہ تقریبا نصف کتاب ہے۔

---

(١) "سير أعلام النبلاء" ١٣/٢١٤، مؤسسة الرسالة.

۲۔ پھر اس کے بعد (یعنی مرتبہ کے اعتبار سے) وہ روایات ہیں جن کی شیخین رحمہما اللہ میں سے کسی ایک نے تخریج کی اور دوسرے نے نہیں کی۔

۳۔ پھر اس کے بعد وہ روایات ہیں جن سے ان دونوں حضرات نے اعراض کیا لیکن ان کی سند جید ہے، علت اور شذوذ سے سالم ہے۔

۴۔ پھر اس کے بعد وہ روایات ہیں جن کی سند صالح ہے اور علماء نے ان کے دو یا زیادہ قدرے کمزور اسانید سے مروی ہونے کی وجہ سے انہیں قبول کیا ہے کہ ہر سند دوسری کو تقویت دیتی ہے۔

۵۔ پھر وہ روایات ہیں جن کی سند میں راوی کے حفظ میں نقص کی وجہ سے ضعف ہے تو ایسی روایات بھی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ چلا لیتے ہیں اور ان پر زیادہ تر سکوت کرتے ہیں۔

۶۔ پھر وہ روایات ہیں جن کا ضعف ظاہر ہے راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے تو یہ وہ روایات ہیں جن پر سکوت نہیں کرتے بلکہ عموماً ان کا ضعف بتلاتے ہیں اور کبھی ان کے (ضعیف ہونے میں) مشہور ہونے اور نکارت کی وجہ سے سکوت بھی کر لیتے ہیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "النکت" میں اس موضوع پر مفصل کلام کیا ہے اور حاصل کلام تقریباً وہی ہے جو حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر بعض حضرات کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ومن هنا يتبين أن جميع ما سكت عليه أبوداود لا يكون من قبيل الحسن الإصطلاحي. بل هو على أقسام:

١- منه ما هو في الصحيحين أو على شرط الصحة.

٢- ومنه ما هو من قبيل الحسن لذاته.

٣- ومنه ما هو من قبيل الحسن إذا اعتضد.

وهذان القسمان كثير في كتابه جدا.

٤- ومنه ما هو ضعيف، لكنه من رواية من لم يجمع على تركه غالبا. وكل هذه الأقسام عنده تصلح للاحتجاج بها.

كما نقل ابن منده عنه أنه يخرج الحديث الضعيف إذا لم يجد في الباب غيره وأنه أقوى من رأي الرجال".[1]

پھر یہاں ان ضعیف رواۃ کے نام بیان کیے ہیں جن سے ابو داود رحمۃ اللہ علیہ روایت لائے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

"ومن هنا ضعف طريقة من يحتج بكل ما سكت عليه أبو داود، فإنه يخرج أحاديث جماعة من الضعفاء في الاحتجاج ويسكت عنها مثل: ابن لهيعة، وصالح مولى التوأمة، وعبد الله بن محمد بن عقيل...

فلا ينبغي للناقد أن يقلده في السكوت على أحاديثهم، ويتابعه في الاحتجاج بهم، بل طريقه أن ينظر هل لذلك الحديث متابع فيعتضد به أو غريب فيتوقف فيه؟

ولاسيما إن كان مخالفا لرواية من هو أوثق منه، فإنه ينحط إلى قبيل المنكر، وقد يخرج لمن هو أضعف من هؤلاء بكثير كالحارث بن وجيه وصدقه الدقيقي....

وكذلك ما فيه من الأسانيد المنقطعة وأحاديث المدلسين بالعنعنة والأسانيد التي فيها من أبهمت أسماؤهم، فلا يتجه الحكم لأحاديث هؤلاء بالحسن من أجل سكوت أبي داود". [2]

پھر یہاں حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کے سکوت کی مختلف وجوہات بھی ذکر کی ہیں جن کو دیکھنے کے بعد یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ ہر جگہ ان کے سکوت کی وجہ حدیث کا قابل استدلال ہونا نہیں ہے۔

حاصل کلام:

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس مفصل کلام کو دیکھنے کے بعد یہی بات راجح قرار پاتی ہے کہ سنن ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کی مسکوت عنہا روایات کو علی الاطلاق صحیح یا حسن کہنا یا پھر "صالح للحجة" کے الفاظ سے تعبیر کرنا درست نہیں، بلکہ صالح سے "صالح للحجة" اور "صالح للاعتبار" میں سے کوئی بھی حسب مقام مراد ہو سکتا ہے، لہذا مسکوت عنہا روایت کا جائزہ لے کر

---

(١) "ألنكت" لابن حجر: 436/1، جامعة الإسلامية مدينة منورة.

(٢) "المصدر السابق".

حکم متعین کرنا چاہیے، بعد میں آنے والے محدثین جیسے علامہ سخاوی، سیوطی، صنعانی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے پھر یہی رائے اختیار کی ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

مسکوت عنہا روایات میں شدید ضعیف روایات کا وجود:

پھر جب یہ بات واضح ہوگئی کہ صالح سے مراد عام ہے، "صالح للحجة" اور "صالح للاعتبار" دونوں کو شامل ہے تو اب یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بھی اغلب واکثر کے اعتبار سے ہے، ورنہ بقول حافظ ذہبی وابن حجر رحمہما اللہ کے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے بعض شدید روایات پر بھی سکوت کیا ہے، جس کی تصریح وتفصیل آگے سکوت کی وجوہات میں آرہی ہے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے سکوت پر علامہ منذری وابن القیم رحمہما اللہ کا سکوت:

"سنن أبي داؤد" پر حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ کی جو مختصر ہے، اس میں حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ ضعیف روایات پر کلام کرتے ہیں اور اگر کہیں سکوت کریں تو امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے سکوت کیساتھ ان کا سکوت شامل ہونے سے اس حدیث کے صالح ہونے کا احتمال مزید بڑھ جاتا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ "فتح القدير" میں ایک روایت پر امام ابوداود اور حافظ منذری رحمہما اللہ کے سکوت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَسُكُوتُ أَبِي دَاوُد وَالْمُنْذِرِيِّ تَصْحِيحٌ أَوْ تَحْسِينٌ مِنْهُمَا".(۱)

اسی طرح علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ "نصب الراية" میں اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "نيل الأوطار" میں جگہ جگہ ذکر کیا ہے۔

شیخ عبد الفتاح ابوغدۃ رحمۃ اللہ علیہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومن أجل أن سكوت أبي داود يحتمل أن يكون مما تساهل فيه ترى العلماء المحققين إذا احتجوا بحديث سكت عليه أبوداود، قالوا سكت عليه أبوداود والمنذري كما تراه في مواضع من "نصب الراية" للزيلعي ....الخ"(۲)

---

(۱) "فتح القدير" ۲/۷۵، دارالفكر.

(۲) "حاشية قواعد في علوم الحديث": ص: ۸۷، إدارة القرآن.

پھر حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر کی تہذیب لکھی ہے جس میں پورے اہتمام سے ان احادیث پر کلام کیا ہے جن پر علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے سکوت کیا اور وہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معلل تھیں۔

تو اب امام داود اور حافظ منذری رحمہما اللہ کے سکوت کیساتھ کسی حدیث پر حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا سکوت بھی شامل ہو جائے تو اس کے قابل حجت ہونے کا اطمینان کافی بڑھ جاتا ہے۔

چنانچہ شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ رحمۃ اللہ علیہ "رسالة أبي داود" پر اپنی تعلیق میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فعلى هذا ينبغي للمعتني بسنن أبي داود الاعتناء بتهذيب ابن القيم أيضا، وإذا سكت على حديث الإمام أبوداود ثم المنذري وابن القيم فلايكاد ينزل من درجة الاحتجاج به. والله تعالى أعلم بالصواب".(١)

نیز علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "نيل الأوطار" میں بھی "سنن أبي داود" کی مسکوت عنہا روایات پر کلام کیا ہے۔

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کے سکوت کی وجوہات:

۱۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں: جب امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ کے بیان کے التزام کا کہا جہاں ضعف شدید ہو تو اسی سے یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ جہاں ان کی رائے کے مطابق ضعف خفیف ہو گا تو اسے بیان نہیں کریں گے۔ تو گویا اس مقام پر ان کا سکوت اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس روایت میں ضعف شدید نہیں ہوتا، اور روایت ان کے ہاں "صالح للاحتجاج" یا "صالح للاعتبار" ہوتی ہے۔

وما كان فيه وهن شديد بينته" ما يفهم أن الذي يكون فيه وهن غير شديد أنه لا يبينه.(٢)

۲۔ کبھی ان کا سکوت اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اسی کتاب میں اس راوی کے بارے میں کلام

(١) "ثلاث رسائل" ٤٥، مكتب المطبوعات الإسلامية.

(٢) "ألنكت" لابن حجر: ١/٤٣٥، مطبوعة بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة.

گزر چکا ہوتا ہے تو اسی گزشتہ کلام پر اکتفاء کرتے ہوئے سکوت کر لیتے ہیں۔

۳۔ کبھی ان سے ذہول بھی ہو جاتا ہے، یعنی اگرچہ ضعف قابل بیان ہوتا ہے، لیکن اس موقع پر بیان کرنا ان کے ذہن سے نکل جاتا ہے۔

۴۔ کبھی اس راوی کے ضعف کے بہت زیادہ واضح اور مشہور ہونے اور ائمہ کے ہاں اس راوی کی روایت کے متفقہ طور پر متروک ہونے کی بناء پر بھی سکوت کر لیتے ہیں۔(یعنی یہ خیال کرتے ہیں کہ اس راوی کا ضعف اتنا واضح، مشہور اور متفق علیہ ہے کہ ہر شخص پہچان ہی لے گا، بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟)

۵۔ کبھی سکوت اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ سے سنن کی روایت کرنے والے مختلف حضرات ہوتے ہیں تو بعض نے اس روایت پر کلام نقل کیا ہوتا ہے اور بعض کسی وجہ سے نقل نہ کر سکے (لہذا امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے واقعتا اس روایت پر سکوت کیا ہے اس کا فیصلہ سنن کی مختلف روایات کے استقصاء کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔)

"وعبارته فلا يتجه الحكم لأحاديث هؤلاء بالحسن من أجل سكوت أبي داود، لأن سكوته تارة يكون اكتفاء بما تقدم له من الكلام في ذلك الراوي في نفس كتابه وتارة يكون لذهول منه، وتارة يكون لشدة وضوح ضعف ذلك الراوي وإتفاق الأئمة على طرح روايته كأبي الحويرث ويحيى بن العلاء وغيرهم. وتارة يكون من اختلاف الرواة عنه وهوالأكثر".(۱)

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ ان وجوہات کے علاوہ دو اور وجہیں خود امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی معلوم ہوتی ہیں۔

۶۔ کبھی امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کو اس علت کا علم نہیں ہو پاتا، چنانچہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

"ربما كتبته وبينته، وربما لم أقف عليه".(۲)

۷۔ کبھی اس وجہ سے بھی سکوت کرتے ہیں کہ عامۃ الناس کا فہم ان فنی مباحث کے سمجھنے

---

(۱) المصدرالسابق ۱/۴۴۰.

(۲) "رسالة أبي داود تحت ثلاث رسائل" ص: ۵۰، ط: مكتب المطبوعات الإسلاميه.

سے قاصر ہوتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"وربما أتوقف عن مثل هذا، لأنه ضرر على العامة أن يُكشف لهم كلُّ ما كان من هذا الباب فيما مضى من عيوب الحديث، لأن علم العامة يقصر عن مثل هذا" (١)

تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ہر جگہ امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کا سکوت اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ وہ حدیث ان کے ہاں قابل استدلال یا قابل اعتبار ہے، بلکہ ان دیگر وجوہات کی بناء پر بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

***

(١) "المصدر السابق".

احادیث کی تصحیح و تعلیل میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

احادیث کی تصحیح و تعلیل میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی اہمیت:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان اور علوم الحدیث میں ان کی فنی مہارت ہر دور میں ائمہ محدثین کے ہاں مسلم رہی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول: "ما نتفعت بك أكثر مما انتفعت بي "[1] ان کی مہارت فنی کا واضح اعتراف ہے، احادیث پر حکم کی تصریح ان کی کتاب جامع الترمذی کا خاصہ ہے، اور کیوں نہ ہو جبکہ صحیح و معلول روایات میں فرق بیان کرنا ان کی غرض میں داخل ہے جیسا کہ ان کی کتاب کے نام سے واضح ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حسن کی اصطلاح ان ہی کی کتاب کے ذریعے مشہور ہوئی ہے۔

حدیث کی تصحیح و تعلیل میں متساہل ہونے کا الزام اور اس کا جواب:

اس جلالت شان کے باوجود بعض لوگوں نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ طعن کیا ہے کہ وہ حدیث کی تصحیح و تحسین میں متساہل ہیں بایں طور کہ بعض اوقات حدیث صحت یا حسن کے رتبے تک نہیں پہنچتی پھر بھی آپ اسکو صحیح یا حسن قرار دیتے ہیں۔

درحقیقت اس طعن کی بنیاد حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، انہوں نے "میزان الاعتدال" میں بعض ایسے مجروح رواۃ کے ترجمے کے دوران یہ بات کی ہے جن کی بعض احادیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے، مثلا: کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال جن میں بعض شدید جرح پر مبنی ہیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"و أما الترمذي فروي من حديثه: الصلح جائز بين المسلمين وصححه، فلذا لا يعتمد العلماء على تصحيح الترمذي".

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث: الصلح جائز...الخ کی تخریج کی ہے اور اس پر صحیح کا حکم لگایا ہے، اس لئے علماء کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح پر اعتماد نہیں ہے۔[2]

---

(١) تهذيب التهذيب، ص؛ ٩/٣٨٩، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند، الطبعة الأولى.

(٢) ميزان الاعتدال، ص: ٣/٤٠٣، الناشر: مؤسسة الرسالة العالمية – دمشق لطبعة: الأولى: ١٤٣٠ هـ –

اس الزام کے جواب میں اولا تو یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہر مقام پر صرف اپنی رائے کی بنیاد پر حکم نہیں لگاتے، بلکہ عموما اس فن کے بڑے ماہرین جن کی فنی مہارت سب کے ہاں تسلیم شدہ ہے ان کی آراء پر حکم کی بنیاد رکھتے ہیں جیسا کہ خود انہوں نے اپنی سنن کے آخر میں موجود "کتاب العلل" میں اپنا منہج یوں بیان کیا ہے:

"وماكان فيه من ذكر العلل في الأحاديث و الرجال والتاريخ فهو ما استخرجته من كتب التاريخ وأكثر ذلك ماناظرت به محمد بن إسماعيل، و منه ماناظرت فيه عبدالرحمن الدارمي، وأبا زرعة الرازي، و أكثر ذلك عن محمد وأقل شيء فيه عن عبدالله و أبي زرعة ".

جب یہ واضح ہو گیا کہ احادیث کی تصحیح و تعلیل میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تحکیم اکثر و بیشتر صرف ان کی انفرادی رائے کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ ماہرین فن سے مذاکرہ و مشاورت کے نتیجہ میں قائم ہونے والی مضبوط رائے ہے، تو ان کی تحکیم پر عدم اعتماد کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

لہذا حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس الزام کی صاف لفظوں میں تردید کی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تحکیم پر محدثین کا اعتماد ظاہر کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وما نقله عن العلماء من أنهم لايعتمدون على تصحيح الترمذي ليس بجيد، وما زال الناس يعتمدون تصحيحه".

یعنی بعض لوگوں نے جو یہ بات کی ہے کہ علماء کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح پر اعتماد نہیں ہے، ان کی یہ بات درست نہیں ہے بلکہ آج تک علماء کو ان کی تصحیح پر اعتماد ہے۔

نیز حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ جو کہ فن حدیث کا غیر متنازع امام ہیں، وہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح شدہ احادیث کو حدیث صحیح کے معتمد مصادر میں شمار کر کے فرماتے ہیں:

"ثم إن الزيادة في الصحيح على ما في الكتابين المعتمدة المشهورة الأئمة الحديث

٢٠٠٩م.

كابي داود السجستاني، و أبي عيسى الترمذي، و أبي عبد الرحمان النسائي، و أبي بكر بن خزيمة، و أبى الحسن الدارقطني و غيرهم منصوصا على صحتها فيها".(۱)

یعنی صحیحین کے علاوہ احادیث کی وہ معتمد اور مشہور کتابیں جو ائمہ محدثین جیسے: امام ابو داود، امام ترمذی، امام نسائی، ابن خزیمہ اور امام دار قطنی رحمہم اللہ وغیرہ کی ہیں جن میں انہوں نے صحت کی تصریح کی ہیں وہ بھی صحیح شمار ہونگے۔

مزید یہ کہ کتب حدیث میں ائمہ نے حدیث پر حکم لگاتے وقت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال نقل کرنے کا نہ صرف خوب اہتمام کیا ہے، بلکہ حدیث کی تصحیح و تحسین میں ان اقوال سے کثرت سے احتجاج بھی کیا ہے جو کہ حدیث کی تصحیح و تعلیل میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے حجت ہونے کی واضح دلیل ہے۔

رہی بات کہ سنن ترمذی میں موجود ان چند مقامات کی جہاں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا حکم بظاہر دیگر ائمہ کے خلاف و معلوم ہوتا ہے، اور در حقیقت یہی چند مقامات ہی اس طعن کی بنیاد ہیں، اولا تو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایسے مقامات کی تعداد بہت ہی قلیل ہیں، پھر غور کرنے سے ان مقامات پر حکم کے مختلف ہونے کے چند اسباب معلوم ہوتے ہیں:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تحکیم کے مختلف ہونے کے اسباب:

ڈاکٹر نور الدین عتر اپنی کتاب "الإمام الترمذي والموازنة بين جامعه و بين الصحيحين" میں ان اسباب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ پر جن مقامات میں طعن و تنقید ہوا ہے، ان تنقیدات کا بغور جائزہ لینے اور ان کا دراسہ کرنے کے بعد بنیادی طور پر تین اسباب معلوم ہوتے ہیں جن کی بناء پر ان پر طعن ہوا ہے، وہ تین اسباب درج ذیل ہیں:

---

(۳) معرفة أنواع علوم الحديث،ص: ۸۷، ت: ياسين فحل، الناشر: دار الكتب العلمية-

(۱)جامع الترمذی کے نسخوں میں اختلاف:

جامع الترمذی کی کئی نسخے ہیں ان نسخوں میں حکم کے اعتبار سے بہت اختلاف پایا جاتا ہے، مثلا بعض میں "هذا حديث حسن" اور بعض میں "هذا حديث حسن صحيح" ہوتا ہے۔ پھر یہ حکم بعض نسخوں میں درست ہوتا ہے اور بعض میں درست نہیں ہوتا، لہذا کسی ایک نسخے میں موجود حکم کو بنیاد بنا کر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ تمام نسخوں میں تقابل کر کے پھر بھی اگر حکم میں کوئی خطاء معلوم ہوتی ہو تو اقدام کرے۔[1]

(۲)امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاحات سے عدم واقفیت:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کا دوسرا بنیادی سبب جامع الترمذی میں ان کی اصطلاحات سے ناواقفیت ہے، کیونکہ وہ اس حدیث ضعیف کو بھی حسن کہہ دیتے ہیں جو ایسے متعدد طرق سے وارد ہو جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہوں، بلکہ بعض دفعہ اس کو "حسن صحیح" بھی کہہ دیتے ہیں جب ان متعدد طرق میں کوئی طریق صحیح پایا جائے، گویا ان کی عادت ہے کہ حدیث جب کئی طرق سے وارد ہو جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہوں تو اس پر صحت کا حکم بھی لگا دیتے ہیں، لیکن ناقد صرف اس طریق کو دیکھ کر نقد کرنا شروع کر دیتا ہے جس سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع الترمذی میں تخریج کی ہوتی ہے، اور یہی معاملہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی پیش آیا ہے، دکتور نورالدین عتر صاحب نے اس کی چند مثالیں ذکر کی ہیں۔

(۳)راوی حدیث یا روایت کے حکم میں اجتہادی اختلاف:

کسی راوی یا روایت پر مجموعی حکم میں اختلاف کا ایک باعث حکم لگانے والوں کے اجتہاد کا اختلاف بھی ہوا کرتا ہے، بسا اوقات امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کسی ضعیف راوی کی روایت کی تحسین یا تصحیح اس بنا پر بھی کرتے ہیں کہ ان کے ہاں وہ راوی حسن کے درجہ کا یا ثقہ ہوتا ہے، گو باقی ائمہ کے

---

(۱) البتہ موجودہ دور میں سنن ترمذی کے متن کی تصحیح پر کافی کام ہوا ہے، جن میں دکتور بشار عواد، دار التاصیل اور موسسۃ الرسالۃ وغیرہ کے مرتب کردہ نسخے ممتاز ہیں۔

نزدیک وہ ضعیف قرار پائے، یا بسا اوقات کسی خارجی دلیل و قرینہ کی بناء پر بھی کسی روایت کا درست ہونا ان کے ہاں راجح قرار پاتا ہے۔

لہذا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پر حکم مضبوط دلائل اور علمی قواعد کی بنیاد پر لگاتے ہیں، اس میں موجود علت اور اختلاف سے ناواقف نہیں ہوتے، اور ان کی کتاب کی جن احادیث پر نقد ہوا ہے وہ درحقیقت نظری اور اجتہادی اختلاف کا نتیجہ ثابت ہوتا ہے، اور اجتہادی اختلاف کی بنیاد پر ہونے والا طعن قابل قبول نہیں ہوا کرتا۔

حاصل کلام:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح و تعلیل ہر دور میں ائمہ محدثین کے ہاں حجت رہی ہے، ان کی جلالت شان اور مہارت فنی کے زبانی اعتراف کے ساتھ ساتھ ہر دور کے محدثین وفقہاء کا ان کی تحکیم کو قبول کرنا ان سے تساہل کے اس الزام کو دور کرنے کے لئے کافی ہے، اور ایسی صورت میں کسی فرد واحد کی تنقید جبکہ دیگر ائمہ اس کی تردید بھی کرتے ہوں قابل قبول نہیں ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اصطلاح "حسن" کی مراد:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں چند اصطلاحات استعمال کی ہیں، انہیں میں سے ایک اصطلاح ''حسن'' بھی ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث حسن کی تعریف بنفس نفیس کتاب العلل میں کی ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كل حديث يروي، لايكون في إسناده من يتهم بالكذب، ولا يكون الحديث شاذا، ويروى من غير وجه نحو ذلك، فهو عندنا حديث حسن.

جہاں تک لفظ ''حسن'' کی بات ہے یہ تو بہت پہلے سے ہی محدثین استعمال کرتے تھے، لیکن اس کا استعمال کسی ایک معنی میں حتمی انداز میں نہیں تھا، اور نہ ہی کوئی خاص اصطلاحی مفہوم اس سے مراد لیا جاتا تھا، چنانچہ کبھی "حسن" کا استعمال لغوی معنی میں اور کبھی غریب کے معنی میں اور کبھی صحیح کے معنی میں اور کبھی حسن لذاتہ، حسن لغیرہ کے معنی میں بھی ہوتا تھا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صحیح اصطلاحی کے معنی میں، امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ حسن لذاتہ کے معنی میں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

سے حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ دونوں معنوں میں اس کا استعمال منقول ہے۔

ان سب کے باوجود حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حسن'' کی اصطلاح کو شہرت دینے والی شخصیت کا نام امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہے، اس لیے ان کے ہاں اس سے کیا مراد ہے اس کا جاننا بھی ضروری ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حدیث حسن کا مصداق کون سی حدیث ہے یہ جاننے کے لیے تعریف میں موجود فوائد قیود کا جاننا نہایت ضروری ہے، ان کے جاننے سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد ہم پر واضح ہو جائے گی۔

متہم بالکذب نہ ہونے کی وضاحت:

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح المغیث" میں اس بات کی وضاحت کی ہے، چنانچہ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أن لا يكون في إسناده من يتهم بالكذب".

"فيشمل ما كان بعض رواته سيئ الحفظ ممن وصف بالغلط أو الخطأ، أو مستورا لم ينقل فيه جرح ولا تعديل، وكذا إذا نقلا ولم يترجح أحدهما على الآخر، أو مدلسا بالعنعنة، أو مختلطا بشرطه، لعدم منافاتهما اشتراط نفي الاتهام بالكذب.

ولأجل ذلك، مع اقتضاء كل منهما التوقف عن الاحتجاج به؛ لعدم الضبط في سيئ الحفظ والجهل بحال المستور والمدلس، وكذا لشموله ما به انقطاع بين ثقتين حافظين، والمرسل الذي يرسله إمام حافظ؛ لعدم اشتراطه الإتصال، اشترط ثالثا، فقال: (ولم يكن فردا ورد) إلى الخ".

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قید کے لگانے کے باوجود چند ایسی اقسام ہیں جو کہ ابھی بھی حدیث حسن میں شامل ہوں گی۔

۱: اس ثقہ کی حدیث جس میں معمولی درجہ کا کلام ہو۔

۲: صدوق غیر ضابط کی حدیث۔

۳: اس ضعیف کی حدیث جو کہ متہم بالکذب کی حد تک نہ پہنچا ہو۔

۴: مستور راوی کی روایت۔

۵: مختلف فیہ راوی کی روایت جس کی کوئی جانب راجح نہ ہو۔

۶: مدلس کی روایت جو کہ عنعنہ کے ساتھ ہو۔

۷: مختلط کی وہ روایت جو زمانہ اختلاط میں اس سے لی گئی ہو۔

۸: وہ روایت جس کی سند میں انقطاع موجود ہو۔

۹: وہ روایت جس کی سند میں ارسال و وصل، یا رفع و وقف کے اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہو۔

اس بات کی صراحت حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح علل الترمذي" میں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "النكت" میں بھی کی ہے۔

عدم شذوذ کی وضاحت:

"أن لا يكون شاذا".

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اگلی قید یہ لگائی ہے کہ وہ حدیث شاذ بھی نہ ہو، اب رہا یہ سوال کہ شاذ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کیا ہے، تو دقت نظری سے اگر مطالعہ کریں تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شاذ سے مراد وہی ہے جو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ شاذ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وهو أن يروي الثقات عن النبي صلى الله عليه وسلم خلافه". کہ راوی کوئی ایسی روایت بیان کرے کہ ثقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف حدیث روایت کرتے ہوں۔

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح العلل" میں اس قید کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"فاشترط في الحديث الحسن أن يسلم من المعرضة، لأنه إذا خالف الثقات، كان مردودا".

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں "حسن" کے اطلاق کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حدیث معارضہ سے محفوظ ہو، اس لیے کہ جب وہ ثقات کے مخالف ہو گی تو قابل رد ہو گی۔

تعدد طرق کی وضاحت:

"أن يروى من غير وجه نحو ذلك".

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس قید کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ روایت دوسرے طریق سے مروی ہو لیکن وہ دوسرا طریق یا تو اس کے برابر ہو یا پھر اس سے قوی ہو اس سے کمتر نہ ہو، کیونکہ تقویت دینے کے لیے کم از کم برابر درجے کا ہونا تو ضروری ہے، اور جتنے متابعات زیادہ ہوں گے اتنی ہی تقویت حاصل ہو گی۔

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ "نحو ذلك" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسرے طریق کے الفاظ بھی یہی والے ہوں، بلکہ روایت بالمعنی بھی اگر ہو تو وہ بھی کافی ہو گی، اسی لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "مثله" نہیں کہا، بلکہ "نحوه" کہا ہے۔

اور اسی طرح "عن النبي ﷺ" کی قید بھی نہیں لگائی جس سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ دوسرے طریق کا مرفوع ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ اس کا موقوف ہونا بھی کافی ہو گا، کیونکہ اگرچہ وہ موقوف ہے، لیکن اس کی دلالت اس بات پر ضرور ہے کہ اس حدیث کی کوئی ایسی اصل موجود ہے جس سے اس کو قوت حاصل ہو رہی ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات عیاں ہو گئی ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حدیث حسن کی تعریف میں عموم پایا جاتا ہے، چنانچہ اس تعریف کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ حدیث بھی اس میں شامل ہو جائے گی جس میں کوئی علت نہ ہو، تمام رجال ثقہ ہوں، صرف تعدد طرق کی بنیاد پر اس کو حسن کہہ دیا ہو، اور وہ حدیث بھی شامل ہو جائے گی کہ جس کے رواۃ پر جرح خفیف کی گئی ہو، اور وہ حدیث بھی شامل ہو گی کہ جس کے سند یا متن میں اختلاف ہو اور اس مضمون کو دوسرے طرق سے تقویت مل رہی ہو۔ اسی طرح وہ حدیث بھی اس تعریف میں شامل ہو گی جو کہ اصلا "حسن لذاته" ہو اور عواضد کی بنیاد پر صحیح لغیرہ تک پہنچ جائے، اور اصطلاحی "حسن لغيره" بھی اسی تعریف میں شامل ہو گی۔

"حسن صحیح" کی اصطلاح سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد:

محدثین کے ہاں چونکہ حدیث حسن سے وہ روایت مراد ہوتی ہے جس میں صرف راوی کا ضبط خفیف ہو اور باقی تمام شرائط حدیث صحیح والی پائی جائیں، تو اس اعتبار سے حدیث حسن کا درجہ حدیث صحیح سے کم ہوتا ہے، لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بکثرت ایسا کرتے ہیں کہ کسی روایت پر حکم لگاتے ہوئے "حسن صحیح" کہتے ہیں۔

اب یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب حسن کا مطلب یہ ہے کہ وہ صحیح سے کم درجہ کی روایت ہے تو اب صحیح اور حسن کو جمع کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ تو اس کی کا اثبات اور نفی دونوں لازم آئیں گے کہ حسن کا مطلب یہ ہو گا کہ وہاں کسی راوی کا ضبط خفیف ہے اور صحیح کا مطلب یہ کہ کسی بھی راوی کا ضبط خفیف نہیں۔

تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ یہ جمع کس بنیاد پر کرتے ہیں؟

محدثین نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اس صنیع کی متعدد تاویلات کی ہیں جن کی تعداد پندرہ سے بھی زائد ہے، پھر ان تاویلات پر جو اشکالات وارد ہوتے ہیں، وہ بھی محدثین نے بیان کئے ہیں۔

ذیل میں چند معروف تاویلات مع اشکالات کے ذکر کی جاتی ہیں۔

۱. تعدد اسانید پر محمول:

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اس اشکال کے جواب میں فرماتے ہیں:

وَجَوَابُهُ: أَنَّ ذَلِكَ رَاجِعٌ إِلَى الْإِسْنَادِ، فَإِذَا رُوِيَ الْحَدِيثُ الْوَاحِدُ بِإِسْنَادَيْنِ: أَحَدُهُمَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ، وَالْآخَرُ إِسْنَادٌ صَحِيحٌ اسْتَقَامَ أَنْ يُقَالَ فِيهِ: إِنَّهُ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، أَيْ إِنَّهُ حَسَنٌ بِالنِّسْبَةِ إِلَى إِسْنَادٍ، صَحِيحٌ بِالنِّسْبَةِ إِلَى إِسْنَادٍ آخَرَ.(۱)

یعنی یہ اس پر محمول ہے کہ جب حدیث دو سندوں سے مروی ہو اور ان میں سے ایک سند حسن اور دوسری سند صحیح ہو تو وہاں یہ کہنا درست ہو گا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے کہ وہ ایک

---

(۱) مقدمة ابن الصلاح، ص ۳۹، ط: دار الفكر.

سند کی طرف نسبت کرتے ہوئے حسن اور دوسری سند کی جانب نسبت کرتے ہوئے صحیح ہے۔

اشکال:

حافظ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی روایات کے بارے میں بھی حسن صحیح کہا ہے جن کا صرف ایک ہی مخرج ہے، اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلام میں متعدد جگہ خود فرماتے ہیں: "هذا حديث حسن صحيح لانعرف إلا من هذا الوجه" جیسا کہ "علاء بن عبدالرحمن عن أبيه عن أبي هريرة: إذا بقي نصف شعبان، فلاتصوموا" کی روایت ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ یہاں فرماتے ہیں: "حسن صحيح لانعرفه إلا من هذا الوجه على هذا اللفظ".

یعنی جب بہت سے مقامات پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ خود کہہ رہے ہیں کہ اس کی سند ہی ایک ہے اور پھر بھی حسن صحیح کا حکم لگا رہے ہیں تو ایسے مقامات میں یہ تعدد اسانید والا جواب کیسے چلے گا؟

۲. معنی لغوی پر محمول۔

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے جواب کے بعد یہ جواب بھی ذکر کیا کہ حسن کا معنی لغوی بھی مراد ہو سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"عَلَى أَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَنْكَرٍ أَنْ يَكُونَ بَعْضُ مَنْ قَالَ ذَلِكَ أَرَادَ بِالْحُسْنِ مَعْنَاهُ اللُّغَوِيَّ، وَهُوَ مَا تَمِيلُ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَلَا يَأْبَاهُ الْقَلْبُ، دُونَ الْمَعْنَى الِاصْطِلَاحِيِّ الَّذِي نَحْنُ بِصَدَدِهِ، فَاعْلَمْ ذَلِكَ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ". (۱)

یعنی وہ بات بھی کچھ بعید نہیں جو بعض حضرات نے کہی ہے کہ حسن سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد حسن لغوی ہے یعنی ایسی روایت جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور دل اسے بخوبی قبول کرلے نہ کہ وہ معنی اصطلاحی جو ہمارے مابین زیر بحث ہے، تو آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

---

(۱) مقدمة ابن الصلاح، ص ۳۹، ط: دار الفكر.

اشکال:

اس جواب پر بھی حافظ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے اشکال کیا ہے:

ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پھر تو حسن کا اطلاق موضوع احادیث پر بھی درست ہو جائے گا، جبکہ وہ حسن اللفظ ہوں، حالانکہ محدثین کی اصطلاح کی بات کی جائے تو محدثین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس صورت میں تو یہاں یہ بھی لازم آئے گا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کوئی بھی حکم لگائیں تو ساتھ حسن کا لفظ ضرور لگائیں کیونکہ تمام احادیث ہی لفظوں کے اعتبار سے حسن یعنی اچھے لفظوں والی اور بلیغ ہیں۔

حالانکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کبھی صرف حسن کہتے ہیں، کبھی صرف صحیح، کبھی صحیح غریب اور کبھی حسن غریب کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یقیناوہ اصطلاح کے مطابق حکم لگاتے ہیں،(صرف لفظی حسن کی بات نہیں) جبکہ وہ خود اپنی کتاب کے آخر میں فرمارہے ہیں:"وما قلنا في كتابنا حديث حسن فإنما أردنا به حسن إسناده عندنا".

توجب وہ خود تصریح کررہے ہیں کہ حسن سے مراد حسن اسناد ہے تو لفظی حسن مراد ہونے کا احتمال تو جاتا رہا۔

۳.حدیث حسن اور صحیح میں عموم خصوص مطلق کی نسبت:

حافظ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حسن میں جو صحت کے مقابلے میں قصور کی بات ہے وہ تب ہے جب حسن کا لفظ اکیلا استعمال ہو، جب وہ صحت کے ساتھ جمع ہو گا تو (پھر اس میں قصور والی بات مراد نہ ہو گی کیونکہ) حسن ہونا تو صحت کے ضمن میں خود بخود حاصل ہو جائے گا کیونکہ ضبط کا اعلی درجہ یعنی حفظ واتقان کا پایا جانا، ضبط کے ادنی درجے جیسے صدق وغیرہ کے پائے جانے کے منافی نہیں ہے تو گویا وہاں اعلی درجہ بھی پایا جارہا ہے، تو اس اعتبار سے روایت صحیح ہے

اور (اعلی درجے کے ضمن میں) ادنی درجہ بھی موجود ہے تو اس اعتبار سے وہ روایت حسن ہے۔

اشکال:

حافظ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے حسن اور صحیح میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت لازم آتی ہے یعنی حسن عام ہو گا اور صحیح خاص۔

تو ہر صحیح روایت حسن ہو گی جبکہ ہر حسن کا صحیح ہونا ضروری نہیں کہ وہ ضبط کے ادنی درجے پر مشتمل ایسی حسن روایت ہو سکتی ہے جو صحت کے درجے کو نہ پہنچے۔

ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر دو طرح سے اشکال کیا ہے۔

(۱) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کی تعریف میں تعدد طرق کی شرط لگائی ہے تو جب ہر صحیح روایت اس نظریے کے مطابق حسن بھی ہے تو گویا حدیث صحیح میں بھی یہ تعدد طرق شرط ہونا چاہیئے، حالانکہ روایت کے صحیح ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں، تو معلوم ہوا کہ ہر صحیح روایت کو حسن قرار دینا درست نہیں۔

(۲) اس سے یہ لازم آئے گا کہ ہر حدیث صحیح حسن ہو جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کبھی حسن صحیح کہتے ہیں اور کبھی صرف صحیح اور کبھی صرف حسن کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں، تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ صنیع تقاضا کرتا ہے کہ حسن صحیح اور صحیح میں فرق ہے۔

۴. حسن صحیح کا حدیث صحیح اور حسن کے مابین کا ایک درجہ ہونا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحت اور حسن کو جمع کرنا صحیح اور حسن کے درمیان کا ایک درجہ ہے۔ تو حدیث مقبول کے درحقیقت تین مراتب ہیں:

(۱) صحیح (۲) حسن صحیح (۳) حسن

کیونکہ جس بھی شئ میں دو چیزوں کی مشابہت ہو اور کسی ایک جانب کی تعیین نہ ہو سکے تو اس کا الگ درجہ ہو جاتا ہے جیسا کہ کھٹی میٹھی چیز کو "مزّ" یعنی کھٹا میٹھا کہا جاتا ہے۔

اشکال:

اس پر بھی دو اعتبار سے اشکال کیا گیا ہے:

(۱) حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ محض ایک بلا دلیل دعوی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے معنی مفہوم سے بہت بعید ہے۔

(۲) حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ شرح علل ترمذی میں فرماتے ہیں کہ یہ بہت بعید بات ہے کیونکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر و بیشتر ایسی صحیح احادیث میں صحت و حسن کو جمع کیا ہے جن کی صحت پر اتفاق ہے اور ان میں وہ اسانید بھی ہیں جو صحت کے اعلی درجہ پر ہیں جیسا کہ "مالك عن نافع عن ابن عمر اور زهري عن سالم عن أبيه" کی سند سے مروی روایات اور جن احادیث پر صرف صحیح ہونے کا حکم لگایا ہے، وہ ان روایات سے قوی نہیں جن میں صحت و حسن کو جمع کیا ہے۔

۵. بعض کے نزدیک حسن اور بعض کے نزدیک صحیح:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "النکت" میں بعض متاخرین سے ایک جواب یہ نقل کیا ہے کہ جب کوئی روایت بعض کے ہاں صحیح اور بعض کے ہاں حسن ہو تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس اختلاف حکم کو بیان کرتے ہوئے "حسن صحیح" کہتے ہیں، گویا ان کی مراد یہ ہوتی ہے: "حسن عند قوم وصحيح عند قوم آخر".

اشکال:

اس جواب پر بھی دو اعتبار سے اشکال ہوتا ہے:

(۱) اگر ایسا ہی تھا تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ او کا لفظ استعمال کر سکتے تھے تو حسن او صحیح کہنا چاہیئے تھا، نیز متبادر یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ خود حکم لگاتے ہیں نہ کہ دوسروں کا حکم نقل کرتے ہیں۔

(۲) یہاں ان روایات کی بناء پر بھی اشکال ہو گا جن کی صحت پر اتفاق ہے جیسے اصح الاسانید سے مروی روایات۔

٦. حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا جواب:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے خود ایک جواب دیا ہے جو حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے پہلے ذکر کردہ جواب اور اس جواب خامس سے مرکب ہے، اور وہ یہ کہ جہاں تو روایت کی اسانید متعدد ہوں تو وہاں بعض اسانید کے اعتبار سے حسن اور بعض کے اعتبار سے صحیح اور جہاں سند ایک ہی ہو تو وہاں بعض کے نزدیک حسن اور بعض کے نزدیک صحیح ہو گا۔

تبصرہ:

اگرچہ اس جواب کو احسن الاجوبہ قرار دیا گیا ہے اور بعد والوں نے عموما اسی کو لیا ہے، لیکن اس پر بھی اشکال ہوتا ہے جیسا کہ خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد قاسم بن قطلوبغا رحمۃ اللہ علیہ نے متنبہ کیا ہے کہ اگر دونوں سندیں ہی صحیح کے درجہ کی ہوں تو پھر؟ یا کوئی سند اصح الاسانید کے درجہ کی ہو تو پھر کیسے یہ کہا جائے گا کہ "حسن عند قوم وصحیح عند قوم آخر؟

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی خاص اصطلاح میں بولا جانے والا لفظ "حسن" اصطلاحی لفظ "صحیح" کا منافی نہ ہونا:

مذکورہ اجوبہ ذکر کرنے کے بعد آخر میں سب بہترین جواب جو دیا ہے وہ مولانا عبد اللہ معروفی صاحب نے حدیث اور فہم حدیث میں ذکر کیا ہے، جو بظاہر ہر طرح کے اشکال سے محفوظ معلوم ہوتا ہے، ان کے کہنے کے مطابق امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف حسن کے متعلق خاص اصطلاح قائم کی، باقی تمام اصطلاحات وہی ہیں جو جمہور محدثین کے ہاں ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صرف حسن کی وضاحت ضروری سمجھی نہ کہ دوسرے اصطلاحات کی، اور پھر حسن سے ہر جگہ وہی مراد ہو گی جو انہوں خود بیان کی، اس لئے کہ ان کے ذکر کردہ تعریف کے مطابق اس قدر عموم ہے جو صحیح اور غریب کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اور اس کے تجزیہ و تحلیل کے ضمن میں یہ بات کھل کر آچکی ہے کہ حسن کے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا اصطلاح عام سے صرف اتنا تعلق ہے کہ عام اصطلاح کے مطابق حدیث حسن کے بعض افراد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے

اصطلاحی حسن کے ضمن میں آسکتے ہیں کیونکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لفظ حسن عام معنی میں استعمال کرتے ہیں جس کا مصداق تین طرح کی حدیثیں ہو سکتی ہیں:

نمبر ا- وہ حدیث جو اصطلاح عام کے اعتبار سے صحیح لذاتہ ہو مگر اس کے کسی راوی میں معمولی کلام ہو یا اس کی سند یا متن میں روات کا اختلاف ہو، اور تعدد طرق یا عواضد سے اس کو تقویت مل رہی ہو، بلکہ بسا اوقات سلسلۂ اسناد کے تمام روات اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہونے کے ساتھ سند یا متن میں کسی قسم کی علت بھی ہوتی ہے تو پھر بھی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ محض تعدد کی بنا پر حدیث کو "حسن صحیح" فرمادیتے ہیں، جس کا مقصد حدیث کی صحت کے ساتھ اس میں پائی جانے والا مزید قوت کو ظاہر کرنا بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ "حسن صحیح غریب" یا "صحیح غریب" کی تعبیر میں صحیح احادیث سے صرف نظر کرتے ہوئے "حسن صحیح" کے تفصیلی مطالعہ سے صحیح احادیث مذکورہ حیثیتوں کے فرق سے حسب ذیل تعداد میں نظر آئی ہیں:

صحیح لذاتہ جس کے تمام روات ثقہ ہیں اور جرح سے محفوظ ہیں: ۴۴۰

صحیح لذاتہ جس کے کسی راوی میں برائے نام یا غیر مؤثر جرح ہے: ۴۷۵

صحیح لذاتہ جس کی سند یا متن میں رواۃ کا اختلاف ہے: ۹۲

نمبر ۲- وہ حدیث جو اصطلاح عام کے اعتبار سے حسن لذاتہ ہو اور تعدد طرق کی وجہ سے صحیح لغیرہ بن جاتی ہو۔

"حسن صحیح" کے تفصیلی دراسہ کے مطابق ایسی احادیث کی تعداد ہے تقریبا: ۴۳۲

نمبر ۳- وہ حدیث جو اصطلاح عام کے اعتبار سے ضعیف ہو اور تعدد طرق یا عواضد کی بنا پر اصطلاحاً حسن لغیرہ قرار پاتی ہو۔ ایسی احادیث کی تعداد بہت ہے۔

واضح رہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حسن کے لیے عاضد کا ہونا ضروری ہے، وہ عاضد خواہ کسی دوسرے طریق سے منقول ہونے والی حدیث مرفوع کی شکل میں ہو، یا اقوال صحابہ اور فتاویٰ تابعین کی شکل میں ہو، یا فقہائے امت کے عمل کی شکل میں ہو۔

اس تفصیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی خاص اصطلاح میں بولا جانے والا لفظ ''حسن'' اصطلاحی لفظِ ''صحیح'' کے منافی نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ کوئی حدیث جس کی سند میں کچھ قصور ہو جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تعدد طرق یا عواضد کی وجہ سے حسن کہہ رہے ہوں، مجموعی اعتبار سے درجۂ صحت کو بھی پہنچ رہی ہو، چنانچہ اس پر ''حسن صحیح'' کا اطلاق بر محل ہو گا، بل کہ قصور نہ ہونے کے باوجود بھی محض تعددِ اسناد کی وجہ سے ''حسن صحیح'' کہی جاسکتی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث غریب کا تصور:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "جامع الترمذي" میں حدیث پر حکم لگاتے ہوئے مختلف اصطلاحات استعمال کرتے ہیں، ان میں بعض اصطلاحات ایسے ہیں جن میں وہ باقی محدثین سے متفرد ہیں، اور بعض میں متفق ہیں، انہی میں سے ایک اصطلاح حدیث "غریب" کی ہے۔

متاخرین ائمہ حدیث کے ہاں غریب سے مراد: "ماتفرد بروايته راو واحد" ہے، یعنی جس میں کوئی راوی متفرد ہو، چاہے اصل سند میں ہو یا وسط سند میں ہو، جسکو وہ "فرد" سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

لیکن کیا ائمہ متقدمین کے ہاں بھی حدیث غریب سے مراد وہی ہے جو متاخرین کے ہاں ہیں یا انکے نزدیک غریب کے معنی میں کچھ عموم ہے؟

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ خود ائمہ متقدمین میں شمار ہوتے ہیں انہوں نے محدثین ہی کے انتساب سے اس کا جواب دیا، چنانچہ وہ "كتاب العلل" کے آخر میں فرماتے ہیں:

"فان أهل الحديث يستغربون الحديث لمعان".

پھر غریب کی مختلف معانی بیان کر کے ان کی مثالیں بھی ذکر کی، حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ در حقیقت یہ الگ الگ نوع کی مثالیں ہیں۔

ان مثالوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حدیث غریب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پانچ اقسام کی طرف منقسم ہوتی ہے:

(۱)سند اومتنا غریب ہو۔

(۲)متنا غریب ہو نہ کہ سندا۔

(۳)سندا غریب ہو نہ کہ متنا۔

(۴)بعض سند کے اعتبار سے غریب ہو۔

(۵)بعض متن کے اعتبار سے غریب ہو۔

(۱)غریب سند اومتنا:

مطلب اس کا یہ ہے کہ نہ تو وہ سند معروف ہو جس سے یہ حدث مروی ہے نہ وہ متن معروف ہو جیسے:

"حديث حماد بن سلمة عن أبي العشراء عن أبيه، قال قلت: يارسول الله! أما تكون الذكاة إلا في الحلق و اللبة؟ فقال لو طعنت في فخذها، لأجزء عنك"[۱].

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث حماد بن سلمة، ولا نعرف لأبي العشراء عن أبيه غير هذا الحديث.

متن کا غریب ہونا تو واضح ہے کہ کسی اور طریق سے مروی نہیں ہے، لیکن سندا بھی غریب ہے کیونکہ ابو العشراء کا اپنے والد سے کوئی ایک بھی حدیث مروی نہیں ہے سوائے اس حدیث کے، جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کر دی، لہذا یہ حدیث سندا متنا دونوں طرح غریب ہے۔

(۲)غریب متنا لاسندا:

یعنی کہ سند تو مشہور ہو لیکن متن غریب ہو، کسی اور طریقے سے مروی نہ ہو جیسے: حديث عبدالله ابن دينار عن ابن عمر: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الولاء و هبته.

---

(۱) "سنن الترمذي": رقم: ۱٤۸۱، ت: أحمد شاكر.

یہ سند تو معروف ہے، لیکن یہ حدیث ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی نے نقل نہیں کی ہے، بعض لوگوں نے نافع عن ابن عمر سے بھی نقل کیا ہے لیکن یہ ان کا وہم ہے۔

(۳) غریب سند الامتنا:

یہ ہے کہ حدیث تو معروف ہو، لیکن اس خاص طریق سے غریب ہو جیسے "حديث أبي موسى: حدثنا أبو كريب وأبو هشام الرفاعلي، وأبو السائب، والحسين بن الأسود، قالوا: أخبرنا أبو أسامة، عن بريد بن عبد الله بن أبي بردة، عن جده أبي بردة، عن أبي موسى، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الكافر يأكل فى سبعة إمعاء، و المومن يأكل في معى واحد.

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر حکم یوں لگایا ہے:

"هذا حديث غريب من هذا الوجه من قبل إسناده، وقد روي هذا الحديث من غير وجه".

اب یہ متن تو معروف ہے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، لیکن ابو موسی رضی اللہ عنہ والے طریق میں ابو کریب متفرد ہے۔

(۴) غریب بعض السند فقط:

یہ ہے کہ حدیث تو کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہو، بلکہ اس صحابی سے بھی منقول ہو لیکن اس صحابی سے ایک خاص طریق سے غریب ہو، جیسے حديث يحيي ابن أبي كثير عن أبي سعيد مولى المهري عن حمزة بن سفينة عن السائب بن يزيد عن عائشة عن النبی ﷺ "من تبع جنازة فله قيراط".

یہ معروف حدیث ہے، ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے علاوہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی کئی معروف طرق سے مروی ہے، لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ یعنی سائب بن یزید والی طریق غریب ہے، غیر معروف ہے۔

حدیث غریب کی یہ صورت اور اس سے ماقبل والی صورت تقریبا متقارب ہیں، اور ایسے موقع پہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ خود بھی "من هذاالوجه" کی قید کا اضافہ کرکے تصریح کرتے ہیں۔

(۵) غریب بعض المتن فقط:

یہ ہے کہ سند بھی معروف ہو لیکن متن میں ایک لفظ ایسا ہو جس کو روایت کرنے میں کوئی راوی متفرد ہو، جس کو ہم زیادۃ فی المتن سے تعبیر کرتے ہیں جیسے: حدیث مالک عن نافع عن ابن عمر، فرض رسول الله ﷺ "زكاة الفطر من رمضان على كل حر أو عبد ذكر أو أنثى من المسلمين " یہ حدیث معروف ہے کئی طرق سے مروی ہے، لیکن "من المسلمين" کی قید میں امام مالک متفرد ہے۔

مذکورہ بالا مثالوں کو پیش نظر رکھ کر جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ غریب کی اصلاح استعمال کرنے میں دیگر محدثین سے متفرد نہیں ہیں، وہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سمیت ائمہ متقدمین کے ہاں حدیث غریب کے معنی میں قدرے عموم ہے بنسبت ائمہ متاخرین کے کہ ان کے نزدیک حدیث غریب کے معنی میں خصوص پایا جاتا ہے۔

لہذا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث غریب کی تعریف اور اس کے اقسام بیان کرنے میں اپنے لیے کوئی خاص اصطلاح قائم نہیں کی، بلکہ ان کے نزدیک بھی غریب سے مراد وہی ہے جو دیگر محدثین کے نزدیک ہے۔

حسن غریب سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پر حکم لگاتے ہوئے کثرت سے "حسن غريب" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، دیگر محدثین کی اصطلاح کے مطابق دونوں کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ پر اشکال ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے حسن کی جو تفسیر کتاب العلل میں کی ہے اس میں تعدد طرق شرط قرار دیا ہے، جبکہ غریب تفرد کو کہا جاتا ہے تو پھر دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟

ائمہ محدثین میں سے ہر ایک نے اپنے فنی ذوق و ممارست کی بنیاد پر جواب دینے کی کوشش کی ہے جس کے نتیجے میں متعدد جوابات جمع ہوئے ہیں، لیکن کوئی بھی جواب ایسا نہیں ہے جو مکمل طور پر اعتراض سے خالی ہو، ہم ذیل میں مختصراً ان جوابات کو ذکر کرتے ہیں:

۱-ابن سید الناس کا جواب:

ابن سید الناس نے مذکورہ اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ غریب کی پانچ قسمیں ہیں (جس کی تفصیل گذر چکی) تو جب بھی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ غریب کو حسن کیساتھ جمع کرے، وہاں اسنادی غرابت مراد ہوتی ہے نہ کہ مطلق غرابت، یعنی کسی خاص سند کیوجہ سے اس کو غریب اور اس کے دیگر متعدد طرق پائے جانے کیوجہ سے اس کو حسن کہہ دیتے ہیں۔[۱]

۲-انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا جواب:

اسی کے قریب قریب جواب علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیا ہے کہ غریب کی تین قسمیں ہیں (۱) غریب مطلق جس کو فرد مطلق بھی کہا جاتا ہے، (۲) غریب بعض المتن، (۳) غریب نسبی، لہذا جہاں بھی امام ترمذی غریب کو حسن کے ساتھ ذکر کرتے ہیں وہاں غریب کی پہلی قسم مراد نہیں ہوتی بلکہ آخری دو صورتیں مراد ہوتی ہیں، یعنی اصل حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کی بناء پر حسن ہوتی ہے، لیکن سند یا متن میں کوئی تفرد آجاتا ہے، جس کی بناء پر امام ترمذیؒ اس کو غریب بھی کہہ دیتے ہیں۔[۲]

اشکال:

سابقہ دونوں جوابات پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بہت سی احادیث ایسی ہیں جن کا کوئی شاہد وغیرہ نہیں ہے، فقط سند میں موجود کسی ضعیف راوی کی متابعت کی بنیاد پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تحسین کی ہے؟ یعنی حدیث غریب مطلق کے قبیل سے ہونے کے باوجود حسن کیساتھ جمع کی ہے۔

---

(۱) النفع الشذي في شرح جامع الترمذي، ص: ۱/۳۰۵، الناشر: دارالعاصمة الرياض.

(۲) العرف الشذي، ص: ۱/۵۱.

۳-حافظ ابن حجر، بقاعی، سخاوی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کا جواب:

ایک مشہور جواب جو حافظ ابن حجر، بقاعی حافظ سخاوی اور سیوطی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کی جو تعریف کی ہے وہ اس حسن کی ہے جو اکیلے استعمال ہو، صحیح یا غریب کیساتھ جمع نہ کی ہو، اور جہاں بھی حسن کے ساتھ غریب کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے وہاں حسن سے محدثین والی حسن یعنی حسن لذاتہ مراد ہوگی جس میں تعدد طرق شرط نہیں ہے۔

اشکال:

لیکن اس جواب پر بھی دو طرح سے اعتراض وارد ہوتا ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ انہوں نے مطلق حسن کی بغیر کسی قید وغیرہ کے تعریف کی ہے، اس صورت میں اس کی مطلق ذکر کردہ تعریف کی بلا دلیل تقیید و تخصیص لازم آتی ہے۔

(۲) بہت سی احادیث ایسی ہیں جس میں کوئی ضعیف، مستور راوی یا انقطاع سند ہوتا ہے، پھر بھی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں "حسن غریب" کہا ہے، حالانکہ اس میں حسن لذاتہ کا احتمال ہی نہیں رہتا؟

بعض دیگر اجوبہ:

۴-حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے بعض لوگوں کی طرف یہ جواب منسوب کیا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جہاں حسن کو مرکب استعمال کرے، وہاں حسن سے ان کی مراد حسن کا لغوی معنی ہوتا ہے یعنی جسکی طرف طبیعت مائل ہوتی ہو، نہ کہ وہ حسن جس کی انہوں نے تعریف کی ہے۔[1]

۵- بعض لوگوں نے جواب دینے کی کوشش اس طرح کی ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جہاں "حسن غریب" سے حدیث پر حکم لگاتے ہیں وہاں اختلاف طرق کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ

---

(۱) معرفة أنواع علم الحديث، ص: ۱۱۰، الناشر: دار الكتب العلمية.

حدیث بعض طرق سے حسن ہے اور بعض سے غریب ہے۔

۶- بعض کا کہنا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جہاں حدیث کی تحسین میں متردد ہوتے ہیں، کسی نتیجے پر نہیں پہنچتے، تو وہاں مذکورہ حکم لگاتے ہیں۔

مذکورہ جوابات پر وارد اشکالات:

مذکورہ بالا تینوں جوابات میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اعتراض سے خالی ہو، چنانچہ پہلے جواب پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "النکت" میں یہ اشکال کیا ہے کہ اگر لغوی معنی کو ملحوظ نظر رکھ کر اس پر حسن کا حکم لگائیں پھر تو حدیث موضوع کو بھی حسن کہنا چاہئے، کیونکہ اس کے الفاظ میں بھی بڑی خوبصورتی ہوتی ہے اور طبیعت مائل ہوتی ہے، حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

دوسرے جواب پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جہاں حدیث کی ایک ہی سند ہو وہاں تو تعدد طرق کا احتمال ہی نہیں ہے پھر بھی امام ترمذیؒ نے اس پر مذکورہ حکم لگایا ہے۔

تیسرے جواب پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی ایک حدیث پر نہیں، بلکہ سینکڑوں احادیث پر حسن غریب کا حکم لگایا ہے، تو کیا ان تمام احادیث میں وہ متردد ہی، ں جبکہ وہ علل حدیث میں امام ہیں؟

ایک عمدہ جواب:

جامع الترمذی کی احادیث کا جو دراسہ و تطبیق دار العلوم دیوبند کے متخصصین نے عبد اللہ معروفی اور نعمت اللہ اعظمی کی نگرانی کے تحت کیا ہے اس میں انہوں ایک عمدہ جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح کے مطابق حسن اور غریب کے جمع ہونے میں کوئی تضاد اور ممانعت ہے ہی نہیں، اس لئے کہ اول تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حسن کے معنی میں بہت ہی عموم ہے، کسی حدیث کی تائید کسی بھی طرح ہو رہی ہو خواہ شاہد معنوی کی صورت میں ہو یا اقوال صحابہ اور فتاویٰ تابعین کی شکل میں ہو، یا فقہائے امت کے عمل کی شکل میں ہو، ان سب صورتوں میں وہ حدیث پر حسن کا اطلاق کر دیتے ہیں، جس کی وضاحت ما قبل میں ہم کر چکے

ہیں۔

دوم: یہ کہ ان کے ہاں حدیث غریب صرف تفرد کا نام نہیں ہے جیسا کہ متاخرین کے نزدیک ہے، بلکہ ان کے ہاں حدیث غریب کا تقریبا پانچ معنوں پر اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ ما قبل میں ہم نے مثالوں سمیت تفصیل سے بیان کیا، مثلا کوئی حدیث ہے جس کی سند تابع التابعی تک ایک ہی ہے، تابع التابعی سے کوئی متکلم فیہ راوی ہے، لیکن اس متکلم فیہ راوی کو کوئی متابت تامہ یا قاصرہ، یا کوئی شاہد (خواہ لفظی ہو معنوی) حاصل ہو، یا کسی صحابی کے قول یا فعل سے اسکی تائید ہو رہی ہو تو ان تمام صورتوں میں اس پر حسن کا اطلاق کر دیتے ہیں۔

تو ملاحظہ ہو کہ حدیث غریب ہے خواہ غریب الاسناد کے ساتھ ساتھ غریب المتن ہی کیوں نہ ہو، لیکن مذکورہ تائیدات میں سے کسی ایک کی بنیاد پر وہ اس پر حسن کا اطلاق کر دیتے ہیں، تو جب دونوں اصطلاحات کو جمع کرنے میں کوئی ممانعت ہی نہیں، پھر بلا وجہ حسن کو لغوی معنی پر محمول کرنا، یا غریب کے بعض افراد کا استثناء کرنا، یا حسن کو مفرد اور مرکب کے طور پر استعمال ہونے کی صورت میں فرق کرنا وغیرہ کی کیا ضرورت ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہ تو معلوم ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حدیث حسن کیلئے تعدد طرق شرط ہے تو پھر اس کو "لانعرفه إلاّمن هذا الوجه" کی قید سے مقید کرنے کے بعد حسن کے ساتھ کیسے جمع کرتے ہیں، حالانکہ اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ اس کی نہ تو کوئی اور سند ہے نہ شاہد وغیرہ؟

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بہترین جواب دیا ہے جس کو ما قبل میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ تعدد طرق سے اتفاق لفظی ضروری نہیں ہے، بلکہ کسی بھی طرح جب اس معنی کی تائید ہوتی ہو تو اس پر حسن کا اطلاق کرتے ہیں۔ لہذا جب وہ کہتے ہیں کہ "لانعرف إلا من هذا الوجه" تو وہ اس کی غرابت فی السند بیان کرتے ہیں کہ یہ خاص الفاظ اس خاص سند سے مروی ہے، پھر کسی عاضد کی وجہ سے اس کو حسن بھی کہہ دیتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا "موطأ" میں حدیث کی تصحیح و تعلیل کا منہج

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں احادیث کے جمع کا جو اعلیٰ معیار مقرر کیا تھا، اور جس اعلیٰ درجہ کی احتیاط سے کام لیا، اس کے بعد انہیں رواۃ یا کسی روایت پر کلام کی حاجت محسوس نہیں ہوئی، لہذا اپنی شرط کی پابندی کے علاوہ باقاعدہ جرح و تعدیل کے الفاظ لانے کا اہتمام ان کے ہاں ہمیں دکھائی نہیں دیتا، البتہ بعض دفعہ حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس کے غیر معمول بہ یا منسوخ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

چنانچہ وہ بعض دفعہ مرفوع حدیث ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں "والعمل على خلافه" یا "والعمل عندنا كذا كذا"، اور کہیں متعارض مرفوع احادیث کو نقل کرنے کے بعد کسی ایک کی تائید میں موقوفات اور فقہاء کے آراء ذکر کرکے اس کے منسوخ یا غیر معمول بہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

***

احادیث کی تصحیح و تعلیل میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

اس بحث میں تین باتیں قابل ذکر ہیں:

۱: احادیث کی تصحیح میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا جمہور محدثین کے اصولوں کی موافقت کرنا۔

۲: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث کی تصحیح میں دیگر ائمہ پر اعتماد کرنا۔

۳: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا متعدد احادیث پر یکجا صحت کا حکم لگانا۔

۱: تصحیح احادیث میں جمہور محدثین کی موافقت:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے صراحتا حدیث صحیح کی شرائط منقول نہیں ہیں، البتہ ان کی کتاب کو دقت نظری سے دیکھنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ احادیث کی تصحیح میں جمہور محدثین کے اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے حدیث کے تصحیح کے لیے انہیں پانچ امور کا لحاظ کرتے ہیں جو ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ و دیگر محدثین سے حدیث صحیح کی تعریف میں منقول ہیں وہ پانچ امور درج ذیل ہیں:

۱: اتصال سند

۲: عدالت راوی

۳: ضبط راوی

۴: علت قادحہ سے خالی ہونا

۵: شذوذ سے خالی ہونا

تمام کی مثالیں درج ذیل ہیں:

جب کسی حدیث کی سند متصل ہوتی ہے تو وہ فرماتے ہیں:

"هذا حديث متصل الإسناد صحيح".

جس روایت کے تمام رواۃ ثقہ ہوں، ضابط اور عادل ہوں اس کے بارے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فهذاالحديث الذي فيه الإنكار أول لاستقامة طريقه وصحة مجيئه وثبت رواته".

وہ حدیث جو تمام قوادح اور شذوذ سے محفوظ ہو اس کے بارے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"فهذاحديث ملازم، صحيح، مستقيم الإسناد، غير مضطرب في إسناده، ولا في متنه".

۲:امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث کی تصحیح میں دیگر ائمہ پر اعتماد کرنا:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ حدیث پر صحت کا حکم دیگر ائمہ سے نقل کر کے اسی پر اعتماد کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ سر کے مسح والی حدیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے:"هذا أحسن ماسمعت في ذلك وأعمه في مسح الرأس".

ایک دوسرے مقام پر یحی بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں:

"هذا أصح ماروي في هذا الباب ".

۳:امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا متعدد احادیث پر یکجا صحت کا حکم لگانا:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کبھی ایک ہی مرتبہ کئی احادیث پر صحت کا حکم لگا دیتے ہیں،اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱:"فثبت بتصحيح هذه الآثار ترك الجهر ب{بسم الله الرحمن الرحيم} وذكرها سرا".

۲: "فلم نجد في هذه الآثار لما صححت وجمعت، ما يدل إلا على تأخير العصر".

۳: "فثبت بما ذكرنا بتصحيح هذه الآثار،أن أكل ما مست النار، ليس بحدث".

حدیث کی تعلیل میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی تعلیل میں اعتدال کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا ہے،اور ائمہ جرح وتعدیل نے احادیث کی تضعیف کے لیے جو قواعد وضوابط وضع کیے ہیں،انہیں قواعد وضوابط کی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے پیروی کی ہے،اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کسی حدیث پر خود سے حکم نہیں لگاتے، بلکہ ائمہ کا لگایا ہوا حکم ہی نقل کر دیتے ہیں،امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ عموما آٹھ وجوہات کی بنیاد پر کسی حدیث کی تضعیف کرتے ہیں۔

راوی کے ضعف اور جہالت کی بناء پر روایت کی تعلیل:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ "باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع من الركوع هل مع ذلك رفع أم لا؟" **میں عبد الحمید بن جعفر کے طریق سے روایت لائے ہیں اور اس کی تضعیف کی ہے، اسی بناء پر کہ عبد الحمید بن جعفر ان کے ہاں ایک ضعیف راوی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:**

"وأما حديث عبد الحميد بن جعفر، فإنهم يضعفون عبد الحميد، فلا يقيمون به حجة، فكيف يحتجون به في مثل هذا".

راوی کی اپنی ہی بیان کردہ روایت سے عدم معرفت کی بنیاد پر ضعف کا حکم لگانا:

یعنی جب راوی کے سامنے اسی کی بیان کردہ روایت کو ذکر کیا جائے، تو راوی اس بات کا انکار کر دے کہ اس نے یہ روایت بیان کی ہے، اور اس روایت کو پہچان نہ سکے، جیسا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ "باب القضاء باليمين مع الشاهد" **میں سہیل بن ابی صالح کے طریق سے ایک روایت لائے ہیں:**

"ثنا عبد العزيز بن محمد عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن عن سهيل بن أبي صالح عن أبيه عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: قضى باليمين مع الشاهد".

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "قال عبد العزيز: فلقيت سهيلا، فسألته عن هذا الحديث، فلم يعرفه". **عبد العزیز کہتے ہیں کہ میں نے سہیل سے اسی حدیث کے بارے میں پوچھا تو وہ اس حدیث کو نہیں پہچان سکا۔**

راوی کا اختصار روایت میں خطاء کرنا:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ **نے** "باب الجنب يريد النوم أو الأكل أو الشرب أو الجماع" **میں ابو اسحاق کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر کی ہے:**

"حدثنا ابن مرزوق، قال: ثنا أبو عامر، قال: ثنا سفين قال: حدثنا أبو بكرة، قال: ثنا أبو عاصم، قال: ثنا سفيان، عن أبي إسحاق، عن الأسود، عن عائشة، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان ينام وهو جنب ولا يمس الماء".

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"خالفهم في ذلك آخرون، فقالوا: ينبغي له أن يتوضأ للصلاة قبل أن ينام، وقالوا: هذا الحديث غلط لأنه حديث مختصر، اختصره أبو إسحاق، من حديث طويل، فأخطأ في اختصاره إياه".

اس روایت میں ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل روایت کا اختصار کیا ہے اور اختصار کرنے میں ان سے خطا ہوئی ہے، اسی وجہ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

وہ بات جس کو راوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے حالت خواب میں بیان کرے:

یعنی کسی صحابی نے خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو اور خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم شرعی بیان کیا ہو، تو اس بات کا اگر کسی صحیح حدیث سے تعارض آجائے تو اس بات کو اس تعارض کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں۔ جیسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے:"أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم في النوم، فنهاه أن يقبل وهو صائم".

حدیث قرآن پاک یا سنت مشہورہ کے معارض ہو:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت لے کر آئے ہیں:

"حدثنا نصر بن مرزوق، وسليمان بن شعيب، قالا: ثنا الخصيب بن ناصح، قال: ثنا حماد بن سلمة، عن حماد، عن الشعبي، عن فاطمة بنت قيس: أن زوجها طلقها ثلاثا، فأتت النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: لا نفقة لك ولا سكنى".

اس حدیث کو خود حضرت عمر رضی اللہ رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے چھوڑ دیا تھا کہ یہ کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے خلاف ہے۔

ایک ہی صحابی سے دو متعارض روایات منقول ہوں:

ایک صحابی ایک روایت بیان کرے اور وہ روایت دوسری روایت کے متعارض ہو جو اسی صحابی سے منقول ہو، لیکن یہ دوسری روایت دیگر قرائن کی بنیاد پر زیادہ قوی ہو تو پہلی روایت کی تعلیل کرتے ہیں۔ جیسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ "باب حد الخمر" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

روایت لے کر آئے ہیں:

"حدثنا ابن أبي داود، قال: ثنا مسدد بن مسرهد، قال: ثنا يحيى، قال: ثنا سعيد بن أبي عروبة، عن الداناج، عن حضين بن المنذر الرقاشي، أبي ساسان عن علي، قال: جلد رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر أربعين، وأبو بكر أربعين، وكملها عمر ثمانين، وكل سنة".

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فذهب قوم إلى أن الحد الذي يجب على شارب الخمر هذا أربعون، واحتجوا في ذلك بهذه الآثار، وخالفهم في ذلك آخرون وادعوا فساد هذا الحديث، وأنكروا أن يكون علي رضي الله عنه قال من ذلك شيئا، لأنه قد روي عنه ما يخالف ذلك ويدفعه".

اس حدیث کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے متعارض روایات موجود ہیں۔

***

باب چہارم

- ترتیب حدیث میں محدثین کے مناہج
- موقوف اور مقطوع روایات میں محدثین کا منہج
- تکرار حدیث، اختصار حدیث اور تقطیع حدیث میں محدثین کے مناہج
- تراجم ابواب میں محدثین کا منہج

احادیث کی ترتیب میں محدثین کے مناہج

ترتیب احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

ایک باب کی احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کسی طے شدہ ترتیب کی پابندی نہیں کرتے، بلکہ ان کی ترتیب عام طور پر اس غرض کے تابع ہوتی ہے جس کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وہ احادیث لاتے ہیں، مثلاوہ کبھی ایک حدیث کے کسی راوی کے نام کی وضاحت، یا کسی روایت میں زیادتی پر تنبیہ، یا ایک راوی کے دوسرے راوی سے سماع کی تصریح، یا کسی حکم کے نسخ کے بیان وغیرہ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، تو اس ضرورت کے تحت دوسری حدیث لے آتے ہیں جس میں ان امور مذکورہ بالا میں سے جو امر مقصود ہوتا ہے، وہ اس دوسری روایت میں موجود ہوتا ہے، لہذا ایک باب کی احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی طے شدہ منہج متعین کرنا دشوار امر ہے، اور اس دشواری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں احادیث کی تعداد عموما بہت کم ہوتی ہے۔

شیخ نورالدین عتر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود چونکہ احادیث سے فقہی فوائد کا استنباط واستخراج ہے، لہذا ان کی ترتیب بھی اسی کے تابع ہوتی ہے، لہذا وہ ترجمہ الباب کے مطابق حدیث لاتے ہیں، اور اکثر اوقات ایک یا دو احادیث پر اکتفاء کرلیتے ہیں، اور کبھی کسی مسئلہ پر متعدد احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں، لیکن وہ بھی ان احادیث سے فقہ کے استخراج کے طور پر ہوتا ہے نہ کہ فوائد حدیثیہ کے لئے، جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فوائد حدیثیہ کے لئے احادیث ذکر کرتے ہیں، البتہ ضمنا یہ ترتیب فوائد حدیثیہ کو اکثر اوقات شامل ہوتی ہے، لیکن اصل مقصود ان کا فقہی استدلال ہوتا ہے۔

پھر کتاب العلم سے چار احادیث کی ترتیب ذکر کرکے فرماتے ہیں:

"فهذا ترتيب بديع للأحاديث، ووضع لها في الباب بحسب فَقَاهة الموضوع، لا بحسب الناحية الفنية في الحديث".(١)

(١) "الإمام الترمذي والموازنة بين جامعه وبين الصحيحين" ص: ١١٠.

علو سند کی بناء پر تقدیم:

ڈاکٹر حسینی عبد المجید ہاشم لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سند عالی سے باب کی ابتداء کرتے ہیں، پھر سند نازل لاتے ہیں۔ پھر بطور مثال: باب (هل يجعل للنساء يوم على حدة) کی دو حدیثیں ذکر کر کے لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی حدیث کو دوسری پر اس لئے مقدم کیا کہ اس میں شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان صرف ایک راوی ہیں اور وہ آدم رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جبکہ دوسری حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان دو راوی ہیں۔ گویا علوّ سند سبب تقدیم ہے، لیکن یہ بھی زیادہ سے زیادہ اغلبی طریقہ کار کہا جاسکتا ہے، کہ اس کے خلاف بھی ملتا ہے، جیسا کہ کتاب الرقاق میں (باب الرياء والسمعة) میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سند نازل کو سند عالی پر مقدم کیا ہے۔

اگرچہ ترتیب احادیث میں کسی بھی متعین صورت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طے شدہ منہج قرار دینا تو مشکل بات ہے، لیکن علامہ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پوری کتاب کی ترتیب کے اسباب اور ایک باب کی دوسری باب سے مناسبت ذکر کی ہے جس کی تلخیص ان کے شاگرد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے «هدى الساري مقدمة فتح الباري» میں فصل عاشر میں ذکر کی ہے، یہ کئی صفحات پر مشتمل بحث ہے بوقت ضرورت وہاں دیکھی جاسکتی ہے، اس کے آخر میں حافظ صاحب فرماتے ہیں:

شیخ نے اس کلام میں بہت سے عجائب ولطائف ذکر کئے ہیں، اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے انہیں جزاء خیر عطاء فرمائے۔

ترتیب احادیث میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ وہ احادیث کو تین اقسام میں تقسیم کریں گے:

۱۔ وہ روایات جو حفاظ و متقنین رواۃ سے مروی ہیں۔

۲۔ وہ روایات جو مستور اور متوسط فی الحفظ رواۃ سے مروی ہیں۔

۳۔ ضعفاء اور متروکین کی روایات۔

پھر فرمایا کہ وہ ان میں سے پہلی دو قسموں کی روایات لائیں گے اور تیسری قسم کی طرف توجہ نہیں کریں گے۔

عملا انہوں نے اس کتاب میں صرف طبقہ اولیٰ کی روایات ذکر کی ہیں، اور طبقہ ثانیہ کی روایات کے لئے مستقل کتاب لکھی یا لکھنا چاہتے تھے، یا اسی کتاب میں طبقہ اولیٰ کی روایات نقل کرنے کے بعد طبقہ ثانیہ کی روایات بھی لائے ہیں؟ اس میں محدثین کا اختلاف ہے جس پر مفصل کلام پیچھے گذر چکا ہے۔

بہر حال یہ بات سب کے ہاں تسلیم شدہ ہے کہ طبقہ ثانیہ کی روایات بھی صحیح مسلم میں موجود ہیں گو بطور متابعت واستشہاد ہوں، تو گویا امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ترتیب احادیث کے لانے میں یہ ہوتی ہے کہ وہ ابتدا میں طبقہ اولیٰ کی روایات لاتے ہیں، پھر ان کی متابعت میں طبقہ ثانیہ کی بھی ذکر کرتے ہیں۔

پھر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھار ایسا بھی کرتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی حدیث سند نازل سے بالکل صحیح سند سے موجود ہوتی ہے لیکن وہ اس روایت کو ایسی عالی سند سے لاتے ہیں جس میں کوئی ضعیف راوی بھی ہوتا ہے، اور وہ ایسا اس بناء پر کرتے ہیں کہ وہ روایت اہل فن کے ہاں معروف ہوتی ہے، تو وہ اس معرفت پر اکتفاء کر لیتے ہیں اور اس کی صحت کو ثابت کرنے کے لئے سند نازل لانے کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اور یہاں وہ اپنی مذکورہ بالا ترتیب کو چھوڑ دیتے ہیں گویا ان کی وہ ترتیب اکثری ہے۔

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"وهذا العذر قدرويناه عنه تنصيصا، وهو على خلاف حاله فيما رواه أولا عن الثقات، ثم أتبعه بالمتابعة عمن هو دونهم، وكان ذلك وقع منه على حسب حضور باعث

النشاط وغيبته".[1]

یعنی یہ عذر تو ان سے نصا مروی ہے، اور یہ ان کے اس (غالب) حال کے خلاف ہے جس میں وہ اولا ثقات سے روایت لاتے ہیں پھر ان کی متابعت کے طور پر ان سے کم درجے کے رواۃ کی روایات لاتے ہیں، گویا کہ ان سے یہ بات طبیعت میں نشاط کے ہونے یا نہ ہونے کی بناء پر صادر ہوئی ہے۔(یعنی جب کبھی طبیعت میں نشاط تھا تو سب روایات لائے، اور جب کبھی نشاط نہ تھا تو صرف عالی سند والی روایت پر اکتفاء کر لیا، اس بناء پر کہ یہ روایت تو اہل فن کے ہاں معروف ہے)۔

پھر ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے وہ واقعہ ذکر کیا جس میں حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسباط بن نصر، قطن بن نسیر، احمد بن عیسی مصری وغیرہ کی روایات نقل کرنے پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پر اشکال کیا، اور واقعہ کے راوی نے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر ان کا اشکال نقل کیا تو وہ فرمانے لگے:

"إنما أدخلت من حديث أسباط، وقطن، وأحمد: ماقد رواه الثقات عن شيوخهم إلا أنه ربما وقع إليَّ عنهم بارتفاع ويكون عندي من رواية مَن هو أوثق منهم بنزول، فأقتصر على ذلك، وأصلُ الحديث معروفٌ من رواية الثقات".[2]

پھر احادیث پر حکم لگانا چونکہ ایک اجتہادی امر ہے، اس لئے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات کسی حدیث کو مقدم کرتے ہیں کہ وہ ان کے ہاں بلند رتبہ ہوتی ہے، جبکہ دوسروں کے ہاں وہ مؤخر ہوتی ہے کہ ان کے ہاں اس کا وہ درجہ نہیں ہوتا۔

یہ سب کلام تو ایک باب میں احادیث کی ترتیب کے بارے میں تھا۔

جہاں تک ابواب کی ترتیب کی بات ہے تو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو ابواب پر ہی مرتب کیا ہے، لیکن ابواب کے عنوان ذکر نہیں کئے، اور موجودہ کتب میں جو عناوین لگے ہوتے ہیں، وہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ عناوین ہیں جو انہوں نے «شرح مسلم» کی تالیف کے

---

(١) "صيانة صحيح مسلم من الإخلال والغلط" ص: ٩٧، دار الغرب.

(٢) "صيانة صحيح مسلم من الإخلال والغلط" ص: ٩٨، دار الغرب.

وقت قائم کئے ہیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

ترتیب احادیث میں ارباب سنن اربعہ کا منہج:

امام نسائی اورامام ترمذی رحمہا اللہ کا منہج ترتیب احادیث میں عموما یہ ہوتا ہے کہ وہ غریب ومعلّل احادیث سے ابتداء کرتے ہیں، پھر وہ روایات لاتے ہیں جو ان کے ہاں اس باب میں صحیح ہوتی ہے، جبکہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ ان کے برعکس ہے، وہ اصح فی الباب روایت سے ابتداء کرتے ہیں، اور پھر کبھی احادیث معللہ ذکر کرتے ہیں اور کبھی ان کا بالکل تذکرہ ہی نہیں کرتے۔

ان حضرات کے طریقہ کار میں فرق کی وجہ ان کی اغراض میں فرق ہونا ہے۔

امام نسائی وترمذی رحمہا اللہ کی غرض چونکہ علل احادیث کا بیان ہے؛ لہذا وہ معلل روایت سے ابتداء کرتے ہیں اور پھر صحیح روایت لاتے ہیں۔

چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ «شرح علل ترمذي» میں فرماتے ہیں:

"وَقَدِ اعْتُرِضَ عَلَى التِّرْمِذِيِّ بِأَنَّهُ فِيْ غَالِبِ الأَبْوَابِ يَبْدَأُ بِالأَحَادِيْثِ الغَرِيْبَةِ الإِسْنَادِ غَالِبَاً، وَلَيْسَ ذَلِكَ بِعَيْبٍ، فَإِنَّهُ يُبَيِّنُ مَا فِيْهَا مِنَ العِلَلِ، ثُمَّ يُبَيِّنُ الصَّحِيْحَ فِيْ الإِسْنَادِ، وَكَانَ مَقْصِدُهُ ذِكْرَ العِلَلِ، وَلِهَذَا تَجِدُ النَّسَائِيَّ إِذَا اسْتَوْعَبَ طُرُقَ الحَدِيْثِ، بَدَأَ بِمَا هُوَ غَلَطٌ، ثُمَّ يَذْكُرُ بَعْدَ ذَلِكَ الصَّوَابَ المخَالِفَ لَهُ".(١)

یعنی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ اکثر ابواب میں عموما غریب الاسناد احادیث سے ابتداء کرتے ہیں، اور یہ یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اس روایت میں جو علل ہیں وہ بیان کرتے ہیں اور پھر صحیح الاسناد حدیث لاتے ہیں، اور ان کا مقصود علل کا ذکر کرنا ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے آپ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیں گے کہ وہ جب کسی حدیث کے طرق کا استیعاب کرتے ہیں تو اس طریق سے ابتداء کرتے ہیں جو غلط ہوتا ہے، پھر اس کے بعد درست طریق ذکر کرتے ہیں جو اس غلط کے مخالف ہوتا ہے۔

پھر امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ کار ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(١) "شرح علل الترمذی" ١/٤١١، دارالمنهاج.

"وأما أبو داود رحمه الله فكانت عنايتُه بالمتون أكثر، ولهذا يذكر الطُرق واختلاف ألفاظها، والزيادات المذكورة في بعضها دون بعض، فكانت عنايتُه بفقه الحديث أكثر من عنايته بالأسانيد، فلهذا يبدأ بالصحيح من الأسانيد، وربما لم يذكر الإسناد المعلل بالكلية، ولهذا قال في «رسالته إلى أهل مكة»: سألتم أن أذكر لكم الأحاديثَ التي في كتاب السنن أهي أصح ما عرفتُ في الباب؟

فاعلموا أنه كذلك كله، إلا أن يكون قد رُوِي من وجهين صحيحين، وأحدهما أقوى إسناداً، والآخر صاحبه أقدم في الحفظ فربما كتبت ذلك، ولا أرى في كتابي من هذا عشرة أحاديث، ولم أكتب في الباب إلا حديثاً أو حديثين وإن كان في الباب أحاديثُ صحاح، فانه يكثر".[1]

یعنی امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ متون کی طرف زیادہ ہے، اسی وجہ سے وہ طرق اور ان کے الفاظ کا اختلاف اور بعض طرق میں دوسرے طرق کے مقابلے میں جو زائد الفاظ مذکور ہوتے ہیں ان کے ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، تو ان کی توجہ اسانید کی بنسبت فقہ الاحادیث کی جانب زیادہ ہے، لہذا وہ صحیح الاسانید روایات سے ابتداء کرتے ہیں اور بسا اوقات معلل اسناد بالکل ذکر ہی نہیں کرتے، اور اسی وجہ سے وہ اہل مکہ کی جانب اپنے خط میں فرماتے ہیں:

آپ لوگوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں آپ کو بتاؤں کہ کتاب السنن میں جو احادیث ہیں کیا وہ میری تحقیق کے مطابق أصح ما في الباب ہیں؟

تو آپ جان لیں کہ وہ سب روایات ایسی ہی ہیں، البتہ کبھی ایک روایت دو صحیح طرق سے مروی ہوتی ہے جن میں سے ایک کی سند زیادہ قوی ہوتی ہے اور دوسری کا راوی حفظ میں زیادہ مقدم ہوتا ہے (گو عدالت میں پہلی سند کے رواۃ سے کم درجے کا ہوتا ہے) تو میں نے کبھی ایسی روایات بھی لکھی ہیں، اور میں اپنی کتاب میں ایسی دس احادیث بھی نہیں دیکھتا، اور میں نے باب میں ایک دو حدیثوں سے زائد نہیں لکھیں اگرچہ اس باب میں (مزید) صحیح احادیث بھی ہوتی ہیں، میں نے اس لئے نہیں لکھیں کہ وہ کثیر ہو جاتیں (اور کتاب کے طویل ہونے سے استفادہ وافادہ

---

(١) "المصدر السابق،ص: ٤١٢.

دشوار ہوتا)۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ ان حضرات کا یہ منہج اغلبی ہے، بسا اوقات اس کے خلاف بھی کرتے ہیں۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب میں احادیث کی ترتیب میں کوئی طے شدہ منہج اختیار نہیں کیا، وہ سند عالی کو نازل پر مقدم بھی کرتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس بھی کرتے ہیں، اسی طرح کبھی حدیث صحیح کو معلول پر مقدم کرتے ہیں اور کبھی معلول کو صحیح پر مقدم کرتے ہیں۔ یہ سب گفتگو تو ابواب میں احادیث کی ترتیب پر ہے۔

جہاں تک سنن اربعہ کے ابواب کی ترتیب اور ان کی باہمی مناسبت کی ہے تو وہ ان کتب کے احکام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے معروف فقہی ترتیب پر ہے، اور اس میں ان حضرات کے ہاں مختلف وجوہ سے اختلاف بھی ہے، اور اس میں بعض کو بعض پر فوقیت بھی ہے، بالخصوص سنن ابن ماجہ حسن ترتیب میں ممتاز ہے۔

شراح حدیث عموماً ابواب کی باہمی مناسبت پر گفتگو کرتے ہیں وہاں ضرور دیکھ لینا چاہیے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترتیب احادیث میں منہج:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ «موطأ» میں باب کی ابتداء حدیث مرفوع سے کرتے ہیں، پھر اس کے بعد آثار لاتے ہیں، اور کبھی اہل مدینہ کا عمل بھی ذکر کرتے ہیں۔

پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب چونکہ بیک وقت حدیث اور فقہ دونوں کی کتاب ہے، وہ محض جمع روایات کے لئے نہیں لکھی گئی، لہذا وہ کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ کوئی باب ذکر کرکے صرف فقہاء کے اقوال واجتہادات اور اہل مدینہ کا عمل نقل کرتے ہیں، اور مرفوع روایت اس باب میں نہیں لاتے، جیسا کہ "باب ما لازکاة فيه من الثمار" یا "باب صيام الذى يقتل خطأ" وغیرہ ابواب ہیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر چونکہ دفع تعارض اور ترجیح راجح وغیرہ امور ہیں، لہذا ان کی ترتیب دیگر محدثین سے کچھ مختلف ہے، ایک تو وہ ہر باب میں متعدد طرق سے مختلف روایات لاتے ہیں، اور اس میں حتی الامکان استیعاب اور وسعت نظری سے کام لیتے ہیں۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الزکاۃ:"باب الصدقة على بني هاشم" کے تحت لکھتے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت نظری دیکھو کہ ایک ایسا حکم جو نادر الوقوع ہے، اس میں بھی بارہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات لائے ہیں۔

پھر متعدد جگہ وہ ایسی روایات بھی لاتے ہیں جن کے متعلق یہ غالب گمان کیا جاتا ہے کہ یہ اس مسئلہ سے متعلق نہیں ہے، جبکہ آپ ان روایات کو اس مسئلہ کی دلیل ہونے کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

اور ایک باب میں احادیث لانے کی ان کی ترتیب یہ ہے کہ وہ عموماً پہلے فریق مخالف کے مستدلات کو ذکر کرتے ہیں، پھر اپنے نقطہ نظر کی روایات لاتے ہیں، اور ان کی وجہ ترجیح بتلاتے ہیں، پھر عمل صحابہ و تابعین سے اس کی تائید پیش کرتے ہیں، اور آخر میں نظر سے بھی اس کی ترجیح ثابت کرتے ہیں، نیز باب کے آخر میں یہ تصریح بھی کرتے ہیں کہ جس رائے کو انہوں نے راجح قرار دیا ہے یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبین رحمہم اللہ کا مذہب ہے، البتہ فریق مخالف کا نام ذکر نہیں کرتے بلکہ (ذهب قوم إلى هذه الآثار وخالفهم في ذلك آخرون) کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

***

موقوف اور مقطوع روایات میں محدثین کا منہج

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وتابعین کرام رحمہم اللہ کے فتاوی واقوال کو ہر دور کے محدثین نے اہتمام سے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے کہ جو آثار مرفوع حکمی کے درجہ میں نہیں ہیں وہ بھی دیگر مرفوع روایات کی تقویت اور تعامل امت کی خبر، مختلف فیہ اور نادر مسائل میں صحابہ کرام کے مؤقف کا علم ہونا وغیرہ بہت سے فوائد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

جن حضرات محدثین نے مرفوع روایات کے ہوتے ہوئے آثار وصحابہ تابعین کی ضرورت نہ سمجھی ان کو بعد میں افسوس کرنا پڑا، جیسا کہ صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اجتمعت أنا وابن شهاب ونحن نطلب العلم، فاجتمعنا على أن نكتب السنن، فكتبنا كل شيء سمعنا عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم قال: نكتب ما جاء عن أصحابه، فقلت: ليس بسنة، فقال: بل هو سنة، فكتب ولم أكتب فأنجح وضيعت".[1]

یعنی میں اور ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہم اکٹھے علم حاصل کرتے تھے، تو ہم نے احادیث کے لکھنے پر اتفاق کیا تو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر وہ حدیث لکھ لی جو ہم نے سنی، پھر زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم ان کے اصحاب کی روایات بھی لکھتے ہیں، تو میں نے کہا: وہ تو سنت نہیں ہیں! تو انہوں نے کہا: نہیں وہ بھی سنت ہیں، تو انہوں نے لکھ لیں اور میں نے نہ لکھیں، تو انہیں کامیابی نصیب ہوئی اور میں ضائع کر دیا گیا۔

موقوف روایات کی یہ اہمیت اپنی جگہ، لیکن محدثین کے ہاں اپنی کتب کی تالیف میں مختلف اغراض اور شروط ہوتی ہیں جیسا کہ تفصیل سے بیان ہوا، لہذا جس محدث کے پیش نظر مثلا مرفوع احادیث کا جمع کرنا ہے تو وہ آثار صحابہ وتابعین کا تذکرہ نہیں کرے گا، اور جس کے پیش نظر فقہی مسائل کا استنباط وغیرہ امور ہیں وہ جس مسئلہ میں مرفوع روایت نہ ملے یا کسی مرفوع روایت کو تقویت دینا مقصود ہو وہاں وہ آثار ذکر کرے گا۔

---

(١) "سير أعلام النبلاء، ٥/٤٥٦، مكتبة الإسلامية.

لہذا متقدمین کی کتب میں آثار صحابہ و تابعین مختلف کتب میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں؛ لہذا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس باب میں محدثین کے مناہج پر تفصیلی گفتگو سے پہلے ایک اجمالی نظر ان کتب پر بھی ڈال لی جائے جن کے مؤلفین نے ان آثار کے جمع کا اہتمام کیا ہے۔

***

آثار صحابہ و تابعین پر مشتمل کتب پر ایک اجمالی نظر

ان آثار پر مشتمل کتب میں سے بہت سی تو زمانے کی دست برد کا شکار ہو کر مفقود ہو گئیں، موجودہ دور میں جو کتب پائی جاتیں ہیں ان میں سے چند مشہور کتب کا مختصر تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ محدثین کے انفرادی مناہج کے ساتھ ساتھ مظان آثار سے بھی کچھ واقفیت حاصل ہو جائے۔

آثار صحابہ و تابعین پر مشتمل کتب کی اقسام:

متقدمین کی کتب میں ان آثار کو عموماً سند کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ پھر بعد میں آنے والوں نے ان کتب متقدمین سے اخذ کر کے اپنی کتابوں میں بلاسند ذکر کیا تو ان آثار پر مشتمل کتب کی اس اعتبار سے دو قسمیں ہو گئیں:

۱۔ آثار مسندہ پر مشتمل کتب۔

۲۔ بلاسند آثار پر مشتمل کتب۔

آثار مسندہ پر مشتمل کتب کی اقسام:

آثار صحابہ و تابعین پر مشتمل ائمہ مذاہب کی کتب:

ائمہ مذاہب چونکہ مسائل فقہیہ پر استدلال میں صحابہ و تابعین کے آثار ذکر کرتے ہیں، لہذا ان کی کتب یعنی:

١- "كتاب الآثار" للإمام أبي حنيفة

٢- موطأ إمام مالک

٣۔ "كتاب الأمّ" للإمام الشافعي

بھی آثار صحابہ و تابعین کے ایک بڑے ذخیرہ پر مشتمل ہیں۔

مصنّفات اور کتب الآثار:

جن کے مؤلفین کی اغراض میں آثار صحابہ و تابعین کو جمع کرنا شامل تھا جیسے (مصنّف) یا اس

جیسی دیگر کتب لکھنے والے حضرات تو ان کی کتب اس باقاعدہ اہتمام کی بناء پر دیگر کتب کی بنسبت زیادہ آثار پر مشتمل ہیں جیسے:

٤۔ مصنف ابن أبي شيبة

یہ غالباً کتب متقدمین میں آثار کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔

٥۔مصنف عبدالرزاق

یہ "مصنف ابن أبي شيبة" کے بعد آثار کا سب سے بڑا ذخیرہ سمجھا جاتا ہے، اور ترتیب کی عمدگی میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے، زیادہ تر اہل حجاز کے آثار پر مشتمل ہے۔

٦۔شرح معاني الآثار

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات کتب حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنفؒ ابی جعفر الطحاوی کا تذکرہ کیا ہے۔[1] بظاہر وہ یہی شرح معانی الآثار ہے کہ مصنف کی تعریف اس پر صادق آتی ہے، اور علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کوئی اور مصنف معلوم نہیں، نیز اگر اس سے کوئی اور کتاب مراد لی جائے تو ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اس جلیل القدر کتاب کے تذکرہ سے خالی شمار ہو گا۔

٧۔تهذيب الآثار للطبري

اس میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ مسند کی ترتیب پر روایات لائے ہیں، اور ان کی مفصل شرح فرماتے ہیں، یہ بھی آثار کا بہت اہم ذخیرہ ہے گو نامکمل ہے، اس کا ایک حصہ قاہرہ مصر سے محمود محمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق کے ساتھ چھپا ہے، پھر اور مکتبات سے بھی شائع ہوا ہے، اس کا ایک مفقود جزء بھی علی رضا بن عبد اللہ کی تحقیق کے ساتھ دار المامون للتراث سے چھپ چکا ہے۔

حافظ ابن منذر نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ (ت ۳۱۸ھ) کی کتب:

حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن منذر نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں، امام بخاری امام ترمذی، ابوحاتم الرازی وغیرہ ائمہ محدثین رحمہم اللہ سے شرف تلمذ ہے، حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور امام الحرم تھے، ان کو محمد بن عبد اللہ بن الحکم رحمۃ اللہ علیہ کا تلمذ نصیب ہوا جن کے

(١) "سير أعلام النبلاء" ترجمة ابن حزم، ٢٠٢/١٨.

بارے میں امام الائمہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ما رأيت في فقهاء الإسلام أعرف بأقاويل الصحابة والتابعين من محمد بن عبد الله بن عبد الحكم".[1]

یعنی فقہاء اسلام میں صحابہ و تابعین کے اقوال کو محمد بن عبد اللہ سے زیادہ جاننے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔

ان سے تلمذ کا اثر تھا کہ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ کی کتب آثار صحابہ و تابعین کا بہت بڑا ذخیرہ سمجھی جاتی ہیں، ان میں سے کچھ تو مفقود ہیں جو موجود ہیں وہ درج ذیل ہیں:

٨- الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف

یہ شاید ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ کی ہی دوسری کتاب «المبسوط في السنن» یا "السنن والإجماع والاختلاف" کا اختصار ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں ایک ہی کتاب کے نام ہوں، بہر حال یہ مبسوط اور سنن تو اب مفقود ہے، «الأوسط» مختلف مطبعات سے چھپ چکی ہے، "دارالفلاح" سے ١٥ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

٩- الأشراف على مذاهب العلماء

یہ «الأوسط» کا اختصار ہے، ١٠ جلدوں میں صغیر انصاری صاحب کی "دارالمدينة للطباعة والنشر" سے چھپی ہے۔

١٠- الإقناع

یہ "الأشراف" کا اختصار ہے، "دارالمعرفة" سے شائع ہوئی ہے۔

ان کتب کے علاوہ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر بھی آثار کا بڑا خزانہ ہے جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

---

(١) "سير أعلام النبلاء" ١٢/٤٩٨.

آثار پر مشتمل کتب سنن:

١١- سنن سعيد بن منصور

کثرت سے آثار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے نیز ابن خیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فہرست میں اسے مصّنف قرار دیا ہے، اور بظاہر مصنف کی تعریف کے اس پر صادق آنے میں کوئی مانع نہیں ہے، اس کا کچھ حصہ ڈاکٹر سعد بن عبد اللہ الحمید رحمۃ اللہ علیہ اور کچھ حبیب الرحمن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے چھپا ہے۔

١٢- سنن دارقطني

١٣- "سنن كبرى" للبيهقي

١٤- سنن دارمي

آثار پر مشتمل تفاسیر:

١٥- تفسير سفيان الثوري

١٦- تفسير عبدالرزاق الصنعاني

١٧- تفسير ابن جرير الطبري

١٨- تفسير ابن المنذر النيشابوري

آثار مسندہ پر مشتمل کتب الاختلاف اور دیگر کتب:

١٩- التمهيد لابن عبدالبر

٢٠- المحلي لابن حزم

٢١- اختلاف الفقهاء لابن جرير الطبري

٢٢- اختلاف العلماء لابن نصر (پوری سند کم ہی ذکر کرتے ہیں۔)

٢٣- ناسخ الحديث ومنسوخة لابن شاهين: (آثار صحابہ و تابعین پر اہم کتاب ہے۔)

٢٤- احكام القرآن للجصاص

٢٥- مختصر اختلاف العلماء للجصاص

٢٦- مسائل حرب الكرماني(یہ بھی آثار صحابہ پر مشتمل بہت اہم کتاب ہے۔)

٢٧- الطهور لأبی عبید (صرف مسائل طہارت پر مشتمل ہے۔)

آثار غیر مسندہ پر مشتمل کتب:

٢٨- جامع الترمذي(آثار صحابہ و تابعین معلوم کرنے کے لئے بہت اہم ہے، اس کتاب کا تفصیلی منہج آگے آرہا ہے۔)

٢٩- معرفة السنن والآثار لأبي بكر البيهقي(دکتور عبد المعطی امین قلعجی کی تحقیق کے ساتھ ۱۵ جلدوں میں دار الوعی سے چھپی ہے۔)

٣٠- الاستذكار لأبي عمر ابن عبد البر

٣١- بداية المجتهد لابن رشد

٣٢- المجموع للنووي

٣٣- شرح النووي على صحيح مسلم

٣٤- المغني لابن قدامة

٣٥- المجموع لابن تيمية

٣٦- فتح الباري لابن رجب:(آثار صحابہ و تابعین جاننے کے لئے بہت اہم کتاب ہے مکتبہ شاملہ میں موجود ہے۔)

٣٧- فتح الباري لحافظ ابن حجر

٣٨- عمدة القاري للعلامة العيني

رحمهم الله عليهم أجمعين رحمة واسعة.

آثار صحابہ پر موجودہ دور کے مؤلفین کی کتب:

موجودہ دور میں بعض مؤلفین نے متقدمین کی کتب سے آثار کو جمع کرنے کا کام بھی کیا ہے، ان کی اس محنت کی وجہ سے کتب محدثین میں بکھرے ہوئے یہ نوادر یکجا مل جاتے ہیں، ان میں

سے چند ایک درج ذیل ہیں:

٣٩- ماصح من آثار الصحابة في الفقه

(یہ ایک پاکستانی عالم دین ابو یحیی زکریا بن غلام قادر کی تالیف ہے، انہوں نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ آثار انہوں نے ١٠٠ کے قریب مصادر سے جمع کئے ہیں، ہر اثر کے بعد اس کا حکم بھی ذکر کرتے ہیں، اور عموما ایک سے زیادہ مصادر کا حوالہ دیتے ہیں، نیز سند بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان کی کتاب چار ہزار سے زائد آثار پر مشتمل ہے۔)

٤٠- موسوعة آثار الصحابة

(سید کسروی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف کردہ ہے، اس میں انہوں نے مسند کی ترتیب پر آثار جمع کئے ہیں، "دار الكتب العلمية" سے چھپی ہے۔)

٤١- سلسلة الآثار الصحيحة أو الصحيح المسند من أقوال الصحابة والتابعين: لأبي عبدالله الداني بن منير آل زهوي

(دار الفاروق سے طبع ہوئی ہے۔) اس جیسی چند اور کتب بھی ہیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

***

آثار موقوفہ کے ذکر کرنے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

دیگر محدثین کے علاوہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے بھی "صحیحین" میں موقوف روایات یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال اور اسی طرح مقطوع روایات یعنی تابعین کے اقوال وافعال بھی ذکر کئے ہیں، اور یہ آثار امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی بنسبت زیادہ ذکر کئے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تراجم ابواب اور معلقات میں احادیث موقوفہ و مقطوعہ لائے ہیں، اصول کتاب میں ان کو اس بناء پر ذکر نہیں کیا کہ ان کی شرط جو ان کی کتاب کے نام سے ظاہر ہے وہ یہی تھی کہ وہ احادیث مسندہ یعنی مرفوع متصل روایات ہی ذکر کریں گے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

موقوفات میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صرف وہ روایات لاتے ہیں جو ان کے نزدیک جزما صحیح ہوتی ہیں، گو وہ ان کی شرط کے مطابق نہ ہوں، اور جن روایات میں ضعف یا انقطاع ہو ان کی صحت کا یقین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نہیں ہوتا، الاّ یہ کہ وہ ضعف تعدد طرق یا حدیث کے اپنے قائل کی طرف نسبت میں مشہور ہونے کی وجہ سے زائل ہو چکا ہو (تو اگر ایسا ہو تو پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ضعیف اثر کو بھی تعلیقاً لے آتے ہیں۔

اور موقوفات میں سے جو بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ و تابعین کے فتاوی اور بہت سی آیات میں ان کے تفسیری اقوال جو ذکر کئے ہیں، تو وہ (عموما) ان مسائل میں ہیں جن میں ائمہ میں اختلاف تھا، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جو مذہب مختار تھا اس کی تائید و تقویت کے لئے وہ آثار لائے ہیں۔

تو یہاں یہ کہنا مناسب ہو گا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں جو کچھ بھی لائے ہیں وہ (دو طرح کا ہے): یا تو ان چیزوں میں سے ہے جن کو بطور ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے (اسے حافظ صاحب نے مترجم بہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے) اور یا ان چیزوں میں سے ہے جن کے لئے ترجمہ لایا جاتا ہے

(اسے مترجم لہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے) تو امام بخاری کے ہاں اس تصنیف میں مقصود بالذات تو وہ احادیث صحیحہ مسندہ ہیں جو مترجم لہ ہیں۔

البتہ تبعا اور مقصود بالعرض کے طور پر احادیث موقوفہ اور احادیث معلقہ بلکہ آیات مکرمہ بھی لائے ہیں تو یہ سب مترجم بہ کے طور پر ہیں، البتہ جب بعض روایات کو دیگر بعض کے اعتبار سے دیکھیں اسی طرح بعض کی جو دیگر بعض سے نسبت ہے اس کا اعتبار کریں مثلا: ایک حدیث مفسر ہے اور دوسری اس کی تفسیر ہے تو اس اعتبار سے ان موقوفات میں سے بعض دوسری روایات کے لئے مترجم لہ بن جائیں گی، لیکن مقصود بالذات وہ اصل مترجم لہ ہے، تو اسے سمجھ لیجئے کہ یہ مؤلف پر وارد ہونے والے اس قبیل کے بہت سے اعتراضات کے دور ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔ واللہ الموفق.

اور جو وصل وارسال کے تعارض کے بارے میں کہا گیا ہے وہی یہاں وقف ورفع میں تعارض کے بارے میں کہا جاسکتا ہے، تو جس روایت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں رفع راجح تھا اسی پر انہوں نے اعتماد کیا ہے، اور موقوف بھی لائے ہیں مگر اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ یہ روایت ان کے ہاں رفع میں مؤثر نہیں۔[1]

***

(١) "هدى الساري" ص: ١٥.

موقوف روایات میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

«صحيح مسلم» میں موقوف روایات «صحيح البخاري» کی بنسبت کم ہیں، ان میں سے بھی زیادہ تر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح کے (مقدمہ) میں لائے ہیں نہ کہ اصل کتاب میں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بل جمع مسلم الطرق كلها في مكان واحد، واقتصر على الأحاديث دون الموقوفات، فلم يعرج عليها إلا في بعض المواضع على سبيل الندور، تبعا لا مقصودا".[1]

یعنی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تمام طرق حدیث ایک مقام پر جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، اور موقوفات کے بجائے احادیث (مرفوعہ) پر اکتفاء کیا ہے، تو وہ موقوف احادیث کی طرف متوجہ نہیں ہوئے سوائے چند مقامات کے کہ وہاں شاذونادر کچھ موقوفات ذکر کی ہیں، وہ بھی تبعاً ہیں نہ کہ مقصوداً۔

اور مقدمہ صحیح میں بھی جو موقوف روایات امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ لائے ہیں زیادہ تر ان کا تعلق روایت حدیث کے مسائل سے ہے، یعنی روایت کرنے میں کن چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے، اور مقدمہ کے علاوہ جو موقوفات لائے ہیں وہ زیادہ تر مرفوع احادیث کے ورود کی مناسبات وغیرہ کے بیان میں ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ موقوفات کو ایک چھوٹے سے جزء میں ذکر کیا ہے جس کا نام "الوقوف على ما في صحيح مسلم من الموقوف" ہے، یہ جزء عبد اللہ اللیثی الانصاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے مؤسسة الكتب الثقافيه سے چھپ چکا ہے۔

***

(١) "هدى الساري" ص: ١٢.

موقوف روایات میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ موقوف روایات ذکر کی ہیں، لیکن عموماوہ ایساتب کرتے ہیں جب اس روایت میں رفع اور وقف میں اختلاف ہو، تو اختلاف بیان کرنے کے لئے یاخطاء پر تنبیہ کے لئے موقوف روایت لاتے ہیں، مثلا: وتر کے باب میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کرکے فرماتے ہیں: «أوقفه زهير».[1] پھر زہیر کے طریق سے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف نقل کیا ہے۔

یاخطاء پر تنبیہ کے لئے یوں فرماتے ہیں: «الصواب موقوف» مثلا: "باب الصلاة على الحمار میں یحیی بن سعید" کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرکے فرمایا: «الصواب موقوف».[2]

یاپھر یہ فرماتے ہیں کہ: یہ فلاں صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، مثلا: باب اكتفاء المأموم بقرأة الإمام میں فرماتے ہیں: «هذا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطأ، إنما هو قول أبي الدرداء».[3]

ایساکلام ہو جس کا حدیث سے استخراج کیا گیا ہو (یعنی اس میں مرفوع احادیث سب ذکر کی گئی ہیں البتہ احادیث سے مستخرج ومستنبط اقوال صحابہ وتابعین کے جمع کا اہتمام نہیں کیا گیا)۔

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قوله" (إلا أن يكون كلام...) مستثنى منقطع، والمراد -والله أعلم-أن الكتاب مستوعب في نظر المؤلف لجميع السنن، لكنه لم يتعرض لذكر كلام الأئمة الفقهاء من الصحابة والتابعين فمن بعدهم، الذي استنبطوه من السنن بوجه من وجوه الاستنباط، فمثل هذا الكلام لا يوجد في كتابه إلا نادرا، والله تعالى أعلم بالصواب".[4]

---

(١) "سنن النسائي" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب كيف الوتر بثلاث.

(٢) "سنن النسائي" رقم الحديث: ٧٤١، كتاب المساجد، باب الصلاة على الحمار.

(٣) "سنن النسائي، رقم الحديث: ٩٢٣، كتاب الافتتاح، باب اكتفاء المأموم بقرأة الإمام.

(٤) المصدر السابق.

یعنی (إلا أن یکون کلام...) یہ مستثنیٰ منقطع ہے، اور مراد واللہ اعلم یہ ہے کہ مؤلف کے خیال میں کتاب جمیع سنن کا استیعاب کرتی ہے، لیکن مصنف نے صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ فقہاء کے اس کلام سے تعرض نہیں کیا جو ان حضرات ائمہ نے سنن سے استنباط کے طریقوں میں سے کسی طریقہ پر استنباط کے طور پر فرمایا ہے، ایسا کلام امام صاحب کی کتاب میں شاذونادر ہی ملتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باقی امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طرز عمل اس بناء پر نہیں تھا کہ وہ اقوال صحابہ و تابعین کو اہم خیال نہیں کرتے تھے، بلکہ اس بناء پر تھا کہ ان کے پیش نظر ان مرفوع احادیث کا جمع کرنا تھا جن پر احکام کی بنیاد ہے، لہذا انہوں نے اپنے منہج کی پیروی میں موقوف و مقطوع روایات کو ذکر نہیں کیا۔ واللہ أعلم بالصواب۔

***

موقوف روایات میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی «سنن» میں موقوف احادیث بھی بیان کرتے ہیں، اور "حدیث موقوف" یا "فلان لم یرفعه" جیسی عبارات سے اس کا موقوف ہونا بتلاتے ہیں، اور کبھی حدیث ضعیف کی تقویت کے لئے بھی موقوف روایت لاتے ہیں تاکہ وہ حسن کے درجہ کو پہنچ جائے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کی تعریف میں جو دیگر طرق سے مروی ہونے کے ذریعے تقویت کی بات کی ہے تو اس میں یہ نہیں کہا کہ یہ تقویت صرف حدیث مرفوع کے ذریعے ہی ہوگی۔

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اس پر لکھتے ہیں:

"وقول الترمذي رحمه الله:«ويروي من غير وجه نحوذلك» ولم يقل: «عن النبي صلي الله عليه وسلم» فيحتمل أن يكون مراده عن النبي صلى الله عليه وسلم، ويحتمل أن يحمل كلامه على ظاهره، وهو أن يكون معناه يروى من غير وجه ولو موقوفا، ليستدل بذلك على أن هذا المرفوع له أصل يعتضد به".(۱)

یعنی امام ترمذی کا یہ قول «ويروي من غير وجه نحو ذلک» یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہونے کا نہیں فرمایا (بلکہ صیغہ مجہول "یُروی" لائے ہیں) تو اس بات کا احتمال بھی ہے کہ ان کی مراد (اس تقویت دینے والے طریق کا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہونا ہو، اور یہ احتمال بھی ہے کہ کلام کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ کسی بھی دوسرے طریق سے مروی ہو گو وہ طریق موقوف ہی ہو، تاکہ اس سے اس بات پر استدلال کیا جاسکے کہ اس کے مرفوع کے لئے کوئی اصل موجود ہے جس کی بناء پر اسے تقویت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں فقہاء صحابہ اور تابعین کے مذاہب بھی بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، تو گویا «سنن ترمذي» میں موجود موقوفات کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

---

(۱) "شرح علل الترمذي" ۱ /۳۸۷.

موقوف روایات میں امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر بھی مرفوع احادیث کا جمع کرنا ہے، لہذا وہ شاذونادر ہی موقوف روایت ذکر کرتے ہیں، پیچھے مرسل روایات میں امام ابن ماجہ کے منہج کے بیان میں حافظ ابن طاہر رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں قول گذر چکا، جس سے واضح ہے کہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ حتی الامکان مرفوع روایت ہی لاتے ہیں، جامعہ اردنیہ کے ایک صاحب شاید اسماعیل خالد ابو خالد التمیمی ہیں ان کا ایک رسالہ "الآثار الموقوفة على الصحابة في سنن ابن ماجه" کے نام سے ہے جس میں انہوں نے ۹۸ موقوفات ذکر کئے ہیں۔

لیکن ان میں وہ موقوفات بھی ہیں جس میں کسی صحابی کا واقعہ ہے اور اس کے ضمن میں کوئی مرفوع حدیث بیان ہوئی ہے۔ جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ جس میں انہوں نے عورتوں کو مسجد جانے سے منع نہ کرنے والی روایت سنائی، تو ان کے صاحبزادے نے (اپنے زمانہ کے حالات کی وجہ سے) عرض کیا کہ ہم تو ان کو روکیں گے، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ شدید غصہ ہوئے کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سناتا ہوں اور تم کہتے ہو ہم منع کریں گے۔

اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے، اب ان واقعات میں مرفوع روایات بھی بیان ہوئی ہیں، تو اگر ایسے واقعات کو چھوڑ کر خالص موقوفات کو دیکھا جائے تو ان کی تعداد اور کم ہو جاتی ہے۔

***

موقوف روایات میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

«موطأإمام مالک» صرف حدیث کی کتاب نہ تھی، بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی کتاب بھی تھی، اس لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر صرف مرفوع احادیث کا جمع کرنا نہ تھا، بلکہ احادیث وآثار سے فقہی مسائل کا استنباط تھا، لہذا وہ صرف احادیث مرفوعہ پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ صحابہ وتابعین کے اقوال اور فقہاء امت کی آراء وعمل أہل مدینہ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

«موطأ» میں موقوف روایات کے عدد کے بارے میں «شرح زرقاني» میں قاضی ابو بکر ابہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"جملة ما في «الموطأ» من الآثارعن النبي صلى الله عليه وسلم، وعن الصحابة والتابعين ألف وسبع مئة وعشرون حديثا، المسند منها ست مئة حديث، والمرسل مئتان واثنان وعشرون حديثا، و الموقوف ست مئة وثلاثة عشر، ومن قول التابعين مئتان وخمسة وثمانون".[1]

تو اس قول کے مطابق «موطأإمام مالک» میں چھ سو تیرہ(۶۱۳) موقوفات اور دو سو پچاسی(۲۸۵) اقوال تابعین ہیں۔

اور ان کے ذکر میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ترتیب عمومایہ ہے کہ وہ پہلے حدیث مرفوع لاتے ہیں چاہے متصل ہو یا مرسل، ان میں بھی عموما احادیث مرفوعہ متصلہ کو مقدم کرتے ہیں، پھر مراسیل لاتے ہیں، پھر اس بارے میں صحابہ وتابعین کے وارد شدہ اقوال ذکر کرتے ہیں بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال لاتے ہیں، اور جن دیگر صحابہ کے اقوال ذکر کرتے ہیں ان میں بھی زیادہ تر اہل مدینہ کے حضرات ہوتے ہیں، پھر بلاغات لاتے ہیں اور عمل اہل مدینہ کا تذکرہ کرتے ہیں، اور کبھی اپنی رائے بھی ذکر

---

(۱) "شرح الزرقاني على موطأ مالک" ۱/۶۱، الثقافة الدينية.

کرتے ہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس ترتیب کے بارے میں فرماتے ہیں:

"إن الإمام مالكا جعل بناء مذهبه على الروايات المرفوعة إلى النبي صلي الله عليه وسلم موصولة كانت أو مرسلة، وبعدها على قضايا عمر ثم على فتاوى ابن عمر رضي الله عنهما، وبعد ذلك على فقهاء المدينة كابن المسيب وعروة وقاسم وسالم وسليمان بن يسار وأبي سلمة وأبي بكربن عمرو بن حزم وعمر بن عبد العزيز وغيرهم".(1)

اور یہ وہی ترتیب ہے جس کا ارادہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمۃ ماجشون رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب دیکھ کر ظاہر کیا تھا جس کا تذکرہ پیچھے گزر چکا۔

پھر بعض ابواب «موطأ» میں ایسے بھی ہیں جن میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے صرف آثار موقوفہ ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

باقی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو وہ بھی در حقیقت اہل علم و فضل کے اقوال پر مبنی ہوتی ہے، ابن فرحون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب «الديباج المذهب في أعيان المذهب» میں ابن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں ایک روایت نقل کی ہے، جس میں امام صاحب سے ان کی کتاب میں مذکور اصطلاحات کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے تفصیل سے ان کی وضاحت کی جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

"وقال بن أبي أويس: قيل لمالك: قولك في الكتاب: الأمر المجتمع عليه والأمر عندنا أو ببلدنا وأدركت أهل العلم سمعت بعض أهل العلم؟

فقال: أما أكثر ما في الكتاب برأيي فلعمري ما هو برأيي، ولكن سماع من غير واحد من أهل العلم والفضل والأئمة المهتدى بهم الذين أخذت عنهم، وهم الذين كانوا يتقون الله تعالى فكثر علي فقلت: «رأيي» وذلك رأيي إذ كان رأيهم رأي الصحابة الذين أدركوهم عليه وأدركتهم أنا على ذلك، فهذا وراثة توارثوها قرناً عن قرن إلى زماننا.

وما كان «أرى» فهو رأي جماعة ممن تقدم من الأئمة. وما كان فيه الأمر المجتمع

(1) "أوجز المسالك" ١/٩٧، دارالقلم.

عليه فهو ما اجتمع عليه من قول أهل الفقه والعلم لم يختلفوا فيه. وما قلت «الأمر عندنا» فهو ما عمل به الناس عندنا وجرت به الأحكام وعرفه الجاهل والعالم. وكذلك ما قلت فيه:«ببلدنا». وما قلت فيه:«بعض أهل العلم» فهو شيء استحسنته من قول العلماء.

وأما ما لم أسمع منهم فاجتهدت ونظرت على مذهب من لقيته، حتى وقع ذلك موقع الحق أو قريباً منه، حتى لا يخرج عن مذهب أهل المدينة وآرائهم وإن لم أسمع ذاك بعينه، فنسبت الرأي إلي بعد الاجتهاد مع السنة وما مضى عليه عمل أهل العلم المقتدى بهم والأمر المعمول به عندنا منذ لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم والأئمة الراشدين مع من لقيت. فذلك رأيهم ما خرجت إلى غيره". (١)

یعنی ابن اویس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ آپ کی کتاب میں آپ کے قول«الأمر المجتمع عليه»، اور«الأمر عندنا» یا«ببلدنا» یا«أدركت أهل العلم» یا«سمعت بعض أهل العلم» سے کیا مراد ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ زیادہ تر جو میری کتاب میں میری رائے کے الفاظ ہیں تو بجان من وہ میری رائے نہیں بلکہ متعدد اہل علم و فضل اور وہ ائمہ جو مقتدا ہیں، ان سے میں نے لیا ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالی سے ڈرنے والے تھے، لہذا میرے سامنے جب بکثرت وہ بات آئی تو میں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے، اور وہ بھی میری رائے تب ہوتی ہے جب ان ائمہ کی رائے ان صحابہ کی رائے کے موافق ہو جن کو انہوں نے اس رائے پر پایا، پھر میں نے ان ائمہ کو اس رائے پر پایا تو یہ رائے تو در حقیقت وہ وراثت ہے جو زمانہ در زمانہ منتقل ہوتی ہوئی ہمارے زمانے تک پہنچی ہے، اور میں نے جو بھی رائے قائم کی ہے تو ائمہ متقدمین کی ایک جماعت کی بھی وہی رائے رہی ہے۔

اور جو اس«موطأ» میں«الأمرالمجتمع عليه»(کے الفاظ ہیں) تو وہ ایسا امر ہے جس پر اہل فقہ و علم کا اتفاق ہے اور اس میں انہوں نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔

اور جو میں نے کہا:«الأمر عندنا» تو اس سے مراد وہ ہے جس پر ہمارے ہاں (یعنی مدینہ

---

(١) "الديباج المذهب" ١/١٢٠، دارالتراث.

میں)لوگوں کا عمل ہے اور اس کے مطابق احکام جاری ہوتے ہیں، اور ہر جاہل وعالم انہیں پہچانتا ہے، اور وہ بھی اسی طرح ہے جس کے بارے میں میں کہتا ہوں «ببلدنا»، اور جس کے بارے میں میں «بعض أهل العلم» کہتا ہوں تو وہ اقوال علماء میں سے وہ قول ہوتا ہے جو میرے ہاں مستحسن ہے۔

اور جو میں نے ان حضرات سے نہیں سنا تو میں نے اجتہاد کیا، اور جن سے میری ملاقات ہوئی اس کے مذہب کو میں نے دیکھا کہ وہ حق تک یا اس کے قریب تک پہنچ گیا ہے، بایں طور کہ وہ اہل مدینہ کے مذہب اور ان کی آراء سے باہر نہیں نکلا، اگرچہ بعینہ وہ قول میں نے اس سے نہ سنا ہو۔

تو میں نے اپنی جانب جو رائے کی نسبت کی ہے وہ سنت اور جس پر مقتداء اہل علم کا عمل رہ چکا ہے، اور جو ہمارے ہاں معمول بہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ راشدین کے دور سے موجودہ دور کے علماء تک اس سے اجتہاد کے بعد کی ہے، تو یہ درحقیقت ان حضرات کی ہی رائے ہے، میں نے اس کے علاوہ کی طرف توجہ نہیں کی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اہل مدینہ کے اجتماعی تعامل کی حیثیت:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اہل مدینہ کے اجتماعی تعامل کی بہت حیثیت رہی ہے، اور وہ خبر واحد سے تعارض کے موقع پر اسے ترجیح دیتے ہیں، ان کے دور میں مصر کے مشہور فقیہہ امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے اہل مدینہ کے عمل کے خلاف کچھ فتاوی دیئے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خط لکھا، جس میں اہل مدینہ کے تعامل کی اہمیت واضح کی، اس کے جواب میں لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے (جو خود بھی امام مالک کے پائے کے فقیہ تھے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کو امام مالک سے بھی افقہ قرار دیتے ہیں) انہوں نے مفصل جواب لکھا، جس میں یہ واضح کیا کہ ان کے فتاوی کی بنیاد بھی صحابہ کرام کا عمل ہی ہے، اور ایسا نہیں کہ انہوں نے عمل صحابہ کے خلاف فتوی دیا ہو، اور دیگر شہروں میں جو جلیل القدر صحابہ کرام مثلا حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے حضرات جہاد کے لئے تشریف لے گئے ان کے عمل کو بھی دیکھا جائے گا۔

بہرحال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اہل مدینہ کا اجتماعی تعامل حجت تھا، اس لئے وہ «موطأ» میں: "الأمر المجتمع عليه عندنا، السنة التي لااختلاف فيها عندنا، الذي أدركت عليه أهل العلم ببلدنا، اور الأمر عندنا كذا وكذا" وغیرہ اصطلاحات کے ذریعے اہل مدینہ کا تعامل بیان کرتے ہیں۔

البتہ یہ ضرور ہوا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تعامل اہل مدینہ سے کیسا تعامل مراد تھا؟ ہر تعامل یا کوئی مخصوص تعامل؟ نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی وجہ سے بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ شاید امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہر اس حدیث کو رد کر دیتے ہیں جو اہل مدینہ کے تعامل کے خلاف ہو یا صرف اہل مدینہ کے اجماع کو تسلیم کرتے ہیں دیگر مقامات کے علماء کے اجماع کو نہیں مانتے۔

ان شبہات کی بناء پر اس موضوع پر متقدمین کے ہاں خوب بحث ومباحثہ رہا ہے، شوافع اور احناف میں سے بہت سے حضرات نے اور علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس پر بہت کچھ لکھا ہے، پھر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے «ترتیب المدارک» اور قاضی ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ نے «أحكام الفصول» وغیرہ کتب کے ذریعے بہت سے شبہات کا ازالہ کیا۔

ان حضرات نے واضح کیا کہ یہ بات کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کے اجماع کے علاوہ کے اجماع کو قبول نہیں کرتے یا محض اس بناء پر کہ کوئی حدیث تعامل اہل مدینہ کے خلاف ہے تو ہر طرح کی روایت کو رد کر دیتے ہیں، تو یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں، اور رد احادیث میں ہمارے اصول سے ناواقفیت کا نتیجہ ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اہل مدینہ کا تعامل مختلف طرح کا ہے: ایک وہ تعامل ہے جس کی بنیاد نقل پر ہے وہ ان کے ہاں حجت ہے، اور دوسرا وہ تعامل جس کی بناء اجتہاد اور قیاس پر ہے، اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے، اور اکثر مالکیہ کے نزدیک وہ حجت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

موقوف روایات میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے «شرح معاني الآثار» کے مقدمہ میں اس بات کا ارادہ ظاہر کیا کہ میں بطور دلیل آثار صحابہ و تابعین بھی لاؤں گا چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"أَذْكُر.... وَ إِقَامَةَ الْحُجَّةِ لِمَنْ صَحَّ عِنْدِي قَوْلُهُ مِنْهُمْ بِمَا يَصِحُّ بِهِ مِثْلُهُ مِنْ كِتَابٍ أَوْ سُنَّةٍ أَوْ إِجْمَاعٍ أَوْ تَوَاتُرٍ مِنْ أَقَاوِيلِ الصَّحَابَةِ أَوْ تَابِعِيهِمْ".(۱)

یعنی میں ان فقہاء میں سے جس کا قول میرے نزدیک صحیح ہو گا کتاب و سنت اور اجماع اور صحابہ و تابعین کے جو اقوال تواتر سے مروی ہیں، ان کے ذریعے ایسی دلیل قائم کروں گا جس سے استدلال کرنا درست ہو۔

چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ بکثرت آثار صحابہ سے استدلال کرتے ہیں، اسی وجہ سے ان کی کتاب آثار صحابہ کا ایک وقیع ذخیرہ سمجھی جاتی ہے۔

حافظ ذہبی «سير أعلام النبلاء» میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں «شرح معاني الآثار» کی خوبیاں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومنها: أنه يشتمل على كثير من الأحاديث المرفوعة، والآثار عن الصحابة والتابعين والأئمة بعدهم وآرائهم في الفقه ما لا يوجد في غيره من الكتب، حاشا مصنف عبد الرزاق ومصنف ابن أبي شيبة والمحلي، ولذلك قال العيني في كتاب الزكاة، باب "الصدقة علي بني هاشم": فانظر إلى اتساع رواية الطحاوي وجلالة قدره الذي أخرج في حكم واحد نادر الوقوع بالنسبة إلى غيره عن إثنى عشر صحابيًّا مع استنباط الأحكام والتوغل فيها".(۲)

یعنی ان خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ ان کی کتاب صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ کے کثیر اقوال پر مشتمل ہے، جو دیگر کتب میں دستیاب نہیں ہوتے، سوائے "مصنف عبدالرزاق"، "مصنف ابن أبي شيبة" اور "محلّي" لابن حزم کے۔

(۱) "شرح معاني الآثار ۹/۱، مطبع مصطفائي.

(۲) "سير أعلام النبلاء".

اور اسی وجہ سے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے "كتاب الزكاة باب الصدقة على بني هاشم" میں فرمایا ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس وسعت روایت اور جلالت قدر کو دیکھو کہ دیگر مسائل کی بنسبت ایک نادرالوقوع مسئلہ میں وہ بارہ صحابہ سے روایت لاتے ہیں، بایں طور کہ ان روایات سے احکام کا استنباط بھی کرتے ہیں اور اس میں گہری نظر سے کام لیتے ہیں۔

آثار صحابہ و تابعین کی اسی کثرت کی بناء پر ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے «شرح معاني الآثار» کو مصنف کے نام سے ذکر کیا ہے جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ کار آثار کے ذکر کرنے میں یہ ہے کہ مرفوع روایات ذکر کرنے کے بعد «وقد روى عن جماعة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم...» فرما کر ان صحابہ کی روایات لاتے ہیں، اور اس کے بعد تابعین اور بعد والوں کے اقوال ذکر کرنا چاہتے ہیں تو: «وقد روى عن جماعة ممن بعده مايوافق ذلک وغيره ألفاظ» لا کر ذکر کرتے ہیں۔

یا کبھی موقوف و مقطوع دونوں طرح کی روایات کو «وقد روى في ذلک عمن بعد النبي صلى الله عليه وسلم» وغیرہ عنوان سے اکٹھا ذکر کرتے ہیں۔

اگر اس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہوتا ہے تو اس کا بھی تذکرہ کرتے ہیں، اسی طرح اگر کسی مسئلہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوتا ہے تو اسے بھی ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ جمعہ کے روز غسل کے عدم وجوب پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کا تذکرہ کیا ہے۔

***

تکرار، اختصار اور تقطیع حدیث میں محدثین کے مناہج

- تکرار حدیث سے مراد پورے متن کو اسی سند سے یا دوسری سند سے مکرر ذکر کرنا۔
- اختصار حدیث سے مراد ایک طویل حدیث کو مختصر ذکر کرنا۔
- تقطیع حدیث سے مراد ایک روایت کے مختلف ٹکڑوں کو مختلف ابواب میں ذکر کرنا۔

محدثین کے ہاں تکرار حدیث بلا فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے چند مقاصد ہوتے ہیں:

ان مقاصد کے باوجود اکثر محدثین اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ تکرار حقیقی نہ ہو، لہذا جب کبھی مثلا ایک حدیث سے مختلف مسائل ثابت ہوتے ہوں جس کی وجہ سے اسے مختلف ابواب میں ذکر کرنے کی نوبت آئے تو وہ اس روایت کو دوسری سند سے لے آتے ہیں، اس طرح وہ ظاہر میں اور "من وجه" تو تکرار ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں اور "من كل الوجوه" تکرار نہیں ہوتا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض شراح کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "باب تعجيل الوقوف" میں فرمایا کہ اس باب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث لائی جاسکتی تھی، لیکن میں دوبارہ نہیں لانا چاہتا، حافظ صاحب یہ قول نقل کرکے فرماتے ہیں کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قصدا کسی بھی حدیث کو اس کی پوری سند و متن کے ساتھ دوبارہ نہیں لاتے اور اگر ان سے ایسا کہیں ہوا بھی ہے تو وہ بلا قصد کے ہے اور ایسا بہت قلیل ہے۔

حافظ صاحب کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"وَقد حكى بعض شرَّاح البُخَارِيّ أَنه وَقع فِي أثْنَاء الْحَج فِي بعض النّسخ بعد بَاب قصر الْخطْبَة بِعَرَفَة بَاب تَعْجِيل الْوُقُوف، قَالَ أَبُو عبد الله يُزَاد فِي هَذَا الْبَاب حَدِيث مَالك عَن بن شِهَابٍ وَلَكِنِّي لَا أُرِيدُ أَنْ أُدْخِلَ فِيهِ معادا انْتهى، وَهُوَ يَقْتَضِي أَنه لَا يتَعَمَّد أَن يخرج فِي كِتَابه حَدِيثا معادا بِجَمِيعِ إِسْنَاده وَمَتنه وَإِن كَانَ قد وَقع لَهُ من ذَلِك شَيْء فَعَن غير قصد وَهُوَ قَلِيل جدا".(١)

---

(١) المصدر السابق.

تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتاب میں بظاہر تکرار بہت زیادہ ہے حتی کہ حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا تقریبا بیس مقامات پر ذکر کی ہے، ان کے ہاں بھی جو تکرار ہے وہ عموما حقیقی نہیں، بلکہ ظاہری تکرار ہے، اسی طرح اختصار حدیث اور تقطیع حدیث کے بھی مقاصد ہیں جن کا تذکرہ آرہا ہے۔

تکرار حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "هدى الساري" میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تکرار حدیث کی وجوہات پر حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کا طویل کلام نقل کیا ہے، اس سے نہ صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بلکہ دیگر محدثین کے ہاں بھی تکرار کی وجوہ پر روشنی پڑتی ہے۔

چنانچہ حافظ صاحب فرماتے ہیں:

"قَالَ الْحَافِظ أَبُو الْفضل مُحَمَّد بن طَاهِر الْمَقْدِسِي فِيمَا روينَاهُ عَنهُ فِي جُزْء سَمَّاهُ "جَوَاب المتعنت"، إعلم أَن الْبُخَارِيّ رَحمَه الله كَانَ يذكر الحَدِيث فِي كِتَابه فِي مَوَاضِع ويستدل بِهِ فِي كل بَاب بِإِسْنَاد آخر ويستخرج مِنْهُ بِحسن استنباطه وغزارة فقهه معنى يَقْتَضِيهِ الْبَاب الَّذِي أخرجه فِيهِ، وقلما يُورد حَدِيثا فِي موضِعين بِإِسْنَاد وَاحِد وَلَفظ وَاحِد، وَإِنَّمَا يُورِدهُ من طَرِيق أُخْرَى لمعان نذكرها، وَالله أعلم بمراده منها".(١)

یعنی حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ اس "جزء" میں جو ان سے ہمیں روایت کیا گیا ہے جس کا نام انہوں نے "جواب المتعنت" رکھا ہے فرماتے ہیں:

تم یہ بات جان لو کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کو اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر ذکر کرتے ہیں، اور ہر باب میں اس روایت مکررہ سے علیحدہ سند سے استدلال کرتے ہیں، اور اپنے حسن استنباط اور فقہی مہارت کی بناء پر اس حدیث سے ایسے معنی کا استخراج کرتے ہیں جس کا وہ باب تقاضا کر رہا ہے جس میں وہ روایت لائے ہیں، اور بہت کم ایک حدیث کو دو جگہ ایک ہی سند اور ایک جیسے الفاظ سے لائے ہیں، وہ اس روایت کو مختلف سند سے ہی لاتے ہیں۔

---

(١) "هدى الساري" ١/١٥، دارالمعرفة بيروت.

(اور یہ تکرار بھی) چند مقاصد کے پیش نظر (ہوتا ہے) جن کا ہم تذکرہ کریں گے اور ان کی اس تکرار سے مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

پھر حافظ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل مقاصد کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ حدیث کو حد غرابت سے نکالنا:

فرماتے ہیں:

"فَمِنْهَا: أَنه يخرج الحَدِيث عَن صَحَابِيّ ثمَّ يُورِدهُ عَن صَحَابِيّ آخر، وَالْمَقْصُود مِنْهُ أَن يخرج الحَدِيث عَن حد الغرابة، وَكَذَلِكَ يفعل فِي أهل الطَّبَقَة الثَّانِيَة وَالثَّالِثَة، وهلم جرا إِلَى مشايخه، فيعتقد من يرى ذَلِك من غير أهل الصَّنْعَة أَنه تكْرَار، وَلَيْسَ كَذَلِك لاشْتِمَاله على فَائِدَة زَائِدَة".

یعنی ان مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک صحابی سے حدیث لاتے ہیں پھر وہی حدیث دوسرے صحابی سے لاتے ہیں اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ حدیث غرابت کی حد سے نکل جائے اور ایسا ہی وہ دوسرے اور تیسرے طبقہ میں کرتے ہیں (یعنی کبھی دوسرے یا تیسرے طبقہ میں راوی تبدیل ہوتا ہے، تو اس تبدیلی کی وجہ سے وہ دوسری روایت لاتے ہیں) حتی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ تک ایسا کرتے ہیں، تو جو اس فن کا ماہر نہیں ہوتا، وہ جب اسے دیکھتا ہے تو اسے تکرار خیال کرتا ہے، حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا، اس دوسری روایت کے زائد فائدہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے۔

۲۔ حدیث کے مختلف معانی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مختلف اسانید سے لانا:

حافظ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مِنْهَا: أَنه صحّح أَحَادِيث على هَذِه الْقَاعِدَة يشْتَمل كل حَدِيث مِنْهَا على معَان مُتَغَايِرَة، فيورده فِي كل بَاب من طَرِيق غير الطَّرِيق الأولى".(۱)

یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ روایات جب مختلف معانی پر مشتمل ہوتی ہیں تو ہر باب میں

---

(۱) "المصدر السابق.

نئی سند سے روایت لاتے ہیں جو دوسرے باب میں مذکور اسی روایت کی سند سے مختلف ہوتی ہے۔

۳۔احادیث کا مکمل اور مختصر مختلف طرح سے مروی ہونا:

فرماتے ہیں:

"وَمِنْهَا أَحَادِيث يَرْوِيهَا بعض الروَاة تَامَّة، ويرويها بَعضهم مختصرة، فيوردها كَمَا جَاءَت ليزيل الشُّبْهَة عَن نَاقِليهَا".

یعنی ان مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ بعض روایات کو بعض رواۃ تو مکمل بیان کرتے ہیں اور بعض اسی روایت کو مختصر ذکر کرتے ہیں تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جیسے روایت پہنچی ہوتی ہے، ویسے ہی نقل کر دیتے ہیں۔

تاکہ ان احادیث کے ناقلین سے شبہ کو دور کریں (یعنی بعض لوگوں کو جو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے محدثین احادیث نقل کرنے میں کچھ ردوبدل کرتے ہوں تو اس شبہ کے ازالہ کے لئے وہ روایت جیسے پہنچی ہوتی ہے، ویسے ہی نقل کرتے ہیں اور روایت اگر مختصر ہو تو تکمیل معنی کے لئے دوبارہ اس راوی سے لانے کی ضرورت پیش آتی ہے جس نے مکمل ذکر کی ہوتی ہے، لہذا تکرار ہو جاتا ہے)۔

۴۔احادیث کا مختلف الفاظ پر مشتمل ہونا:

حافظ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَمِنْهَا أَن الروَاة رُبمَا اخْتلفت عباراتهم، فَحدث راو بِحَدِيث فِيهِ كلمة تحْتَمل معنى وَحدث بِهِ آخر، فَعبر عَن تِلْكَ الْكَلِمَة بِعَينهَا بِعِبَارَة أُخْرَى تحْتَمل معنى آخر، فيورده بِطرقِهِ إِذا صحت على شَرطه، ويفرد لكل لَفظه بَابا مُفردا".(۱)

یعنی ان مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ رواۃ بسا اوقات مختلف عبارات ذکر کرتے ہیں تو ایک راوی نے حدیث بیان کی جس میں کوئی کلمہ تھا جو ایک معنی کا احتمال رکھتا تھا تو بعینہ اسی کلمہ کو دوسرے راوی نے دوسری عبارت سے بیان کیا جو دوسرے معنی کا احتمال رکھتا تھا، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان

---

(۱) "هدى الساري" ۱۵/۱، دارالمعرفة بيروت.

سارے طرق سے لے آتے ہیں، جب کہ وہ طرق ان کی شرط کے مطابق ہوں اور ہر لفظ کے لئے علیحدہ باب قائم کرتے ہیں۔

۵۔ وصل وارسال یا رفع ووقف میں تعارض ہونا:

"وَمِنْهَا أَحَادِيث تعَارض فِيهَا الْوَصْل والإرسال، وَرجح عِنْده الْوَصْل فاعتمده، وَأورد الْإِرْسَال منبها على أَنه لَا تَأْثِير لَهُ عِنْده فِي الْوَصْل، وَمِنْهَا أَحَادِيث تعَارض فِيهَا الْوَقْف وَالرَّفْع، وَالْحكم فِيهَا كَذَلِك".(۱)

یعنی ان مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ وہ روایات جن میں وصل اور ارسال میں تعارض ہو اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وصل راجح ہو تو وہ اس پر اعتماد کرتے ہیں اور ارسال اس بات پر تنبیہ کے لئے ذکر کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک اس مرسل روایت سے وصل پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اسی طرح وہ احادیث جن میں رفع اور وقف میں تعارض ہو اور مذکورہ بالا صورت ہو تو ویسا ہی حکم وہاں ہو گا۔(یعنی وہاں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گو یہ روایت مرسلا یا موقوفا بھی منقول ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ متصل یا مرفوع ہے)

۶۔ سند میں رواۃ کی تعداد میں فرق ہونا:

فرماتے ہیں:

"وَمِنْهَا: أَحَادِيث زَاد فِيهَا بعض الرواة رجلا فِي الْإِسْنَاد ونقصه بَعضهم، فيوردها على الْوَجْهَيْنِ حَيْثُ يَصح عِنْده أَن الرَّاوِي سَمعه من شيخ حَدثهُ بِهِ عَن آخر، ثمَّ لَقِي الآخر، فحدثه بِهِ، فَكَانَ يرويهِ على الْوَجْهَيْنِ".(۲)

یعنی ان مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسی احادیث جن کی سند میں بعض رواۃ نے ایک آدمی کا اضافہ کیا اور بعض نے وہ فرد کم کر دیا تو وہ اس کو دونوں طرح لے آتے ہیں، اس بناء پر کہ ان کے ہاں صحیح یہ ہوتا ہے کہ راوی نے اپنے شیخ سے اس روایت کو سنا ہوتا ہے، تو وہ اس سے بیان

(۱) المصدر السابق.

(۲) "المصدر السابق".

کرتا ہے، پھر دوسرے راوی (یعنی شیخ الشیخ) سے اس کی ملاقات ہو جاتی ہے، تو وہ (واسطہ چھوڑ کر براہ راست) اس سے بیان کرنے لگتا ہے، تو امام صاحب اس روایت کو دونوں طرح سے لے آتے ہیں۔

۷۔ حدیث معنعن میں سماع کی تصریح:

فرماتے ہیں:

"ومنها: أنه رُبَمَا أورد حَدِيثا عنعنه رَاوِيه فيورده من طَرِيق أُخْرَى مُصَرحًا فِيهَا بِالسَّمَاعِ على مَا عرف من طَرِيقَته فِي اشْتِرَاط ثُبُوت اللِّقَاء فِي المعنعن".(۱)

یعنی ان مقاصد میں سے یہ بات بھی ہے کہ کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایسی حدیث لاتے ہیں جس کے راوی نے عن سے نقل کیا ہوتا ہے، تو حدیث معنعن میں ثبوتِ لقاء کی اپنی معروف شرط کی بناء پر اس کو دوسرے طریق سے اس حال میں لاتے ہیں کہ اس میں سماع کی تصریح ہوتی ہے۔

تقطیع حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

حافظ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری میں تکرار حدیث پر گفتگو کے بعد تقطیع حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَهَذَا جَمِيعه فِيمَا يتَعَلَّق بِإِعَادَة الْمَتْن الْوَاحِد فِي مَوضِع آخر أَو أَكثر، وَأما تقطيعه للْحَدِيث فِي الْأَبْوَاب تَارَة واقتصاره مِنْهُ على بعضه أُخْرَى، فَذَلِك لِأَنَّهُ إِن كَانَ الْمَتْن قَصِيرا أَو مرتبطا بعضه بِبَعْض، وَقد اشْتَمَل على حكمين فَصَاعِدا، فَإِنَّهُ يُعِيدهُ بِحَسب ذَلِك مراعيا مَعَ ذَلِك عدم إخلائه من فَائِدَة حَدِيثِيَّةٌ وَهِي إِيرَاده لَهُ عَن شيخ سوى الشَّيْخ الَّذِي أخرجه عَنهُ قبل ذَلِك كَمَا تقدم تَفْصِيله، فتستفيد بذلك تَكْثِير الطّرق لذَلِك الحَدِيث، وَرُبَمَا ضَاقَ عَلَيْهِ مخرج الحَدِيث حَيْثُ لَا يكون لَهُ إِلَّا طريق واحدة، فيتصرف حينئذ فيه، فيورده في موضوع موصولا وفي موضوع معلقا، ويورده تارة تاما، وتارة مقتصرا على طرفه الذي يحتاج إليه في ذلك الباب، فان كان المتن مشتملا على جمل متعددة لاتعلق لإحداها بالأخرى، فانه يخرج كل جملَة مِنْهَا فِي بَاب مُسْتَقل فِرَارًا من التَّطْوِيل،

(۱) المصدرالسابق.

وَرُبمَا نشط فساقه بِتَمَامِهِ، فَهَذَا كُله فِي التقطيع".(١)

یعنی یہ سب تو ایک متن کو دوسری جگہ یا متعدد جگہ لانے کے بارے میں تھا، اور رہی بات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کی کبھی مختلف ابواب میں تقطیع کی اور کبھی اس حدیث کے بعض حصہ پر اکتفاء کر لینے کی تو وہ اس لئے ہوتا ہے کہ اگر متن چھوٹا ہو یا اس کا کچھ حصہ دوسرے حصہ سے مرتبط ہو (ایسے طور پر کہ دونوں حصوں کو جدا کرنے کی صورت میں معنی میں خرابی کا اندیشہ ہو) اس حال میں کہ وہ متن دو یا دو سے زائد احکام پر مشتمل ہو تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس پورے متن کا اعادہ کر لیتے ہیں اس حال میں کہ دوسری جگہ دوسرے حکم کے استنباط کے ساتھ اس بات کی رعایت بھی رکھتے ہیں کہ یہ دوبارہ لانا حدیثی فائدہ سے بھی خالی نہ ہو (یعنی دوسری جگہ لانے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ دوسرے حکم پر اسی حدیث سے استنباط کر لیا، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صرف اس فقہی فائدہ پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ حدیثی فائدہ بھی ملحوظ رکھتے ہیں) اور وہ اس حدیث کو اس شیخ کے علاوہ جس سے پہلے وہ حدیث لائے ہیں کسی دوسرے شیخ سے اس روایت کو لانا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گذر چکی تو اس سے اس حدیث کے کثرت طرق کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔

اور کبھی مخرج حدیث تنگ ہوتا ہے بایں معنی کہ اس حدیث کا صرف ایک ہی طریق ہوتا ہے (یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق) تو اس وقت اس میں تصرف کرتے ہیں اور کسی جگہ اسے موصولا لے آتے ہیں اور کسی دوسری جگہ معلق لاتے ہیں اور کبھی اسے مکمل لاتے ہیں اور کبھی صرف اس کے اس حصے پر اکتفاء کر لیتے ہیں جس کی اس باب میں ضرورت ہوتی ہے۔

پھر اگر متن متعدد ایسے جملوں پر مشتمل ہو جن کا ایک دوسرے سے (مذکورہ بالا) تعلق نہ ہو تو تطویل سے بچنے کے لئے ہر جملے کو مستقل باب میں لاتے ہیں اور کبھی نشاط ہوتا ہے تو مکمل لے آتے ہیں تو تقطیع میں یہ سب ہوتا ہے۔

---

(١) "فتح الباری" ١/١٥، دارالمعرفة.

اختصار حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَأما اقْتِصَاره على بعض الْمَتْن، ثمَّ لَا يذكر الْبَاقِي فِي مَوضِع آخر، فَإِنَّهُ لَا يَقع لَهُ ذَلِك فِي الْغَالِب إِلَّا حَيْثُ يكون الْمَحْذُوف مَوْقُوفا على الصَّحَابِيّ، وَفِيه شَيْء قد يحكم بِرَفْعِهِ، فَيقْتَصر على الْجُمْلَة الَّتِي يحكم لَهَا بِالرَّفْع ويحذف الْبَاقِي، لِأَنَّهُ لَا تعلق لَهُ بموضوع كِتَابه كَمَا وَقع لَهُ فِي حَدِيث هزيل بن شُرَحْبِيل عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنهُ، قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْإِسْلَام لَايُسَيِّبُونَ..[1]

یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ متن پر اکتفاء کرلینا پھر باقی کا دوسری جگہ ذکر نہ کرنا تو ایسا عموما ان کے ہاں نہیں ہوتا، مگر یہ کہ محذوف کسی صحابی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہو اور اس میں کوئی ایسا جملہ ہو جو مرفوع کے حکم میں ہو تو صرف اس جملہ پر اکتفاء کرلیتے ہیں جو حکما مرفوع ہے، اور باقی کو حذف کردیتے ہیں، اس لئے کہ اس (موقوف روایت) کا ان کی کتاب کے موضوع سے تعلق نہیں جیسا کہ حضرت ہزیل بن شرحبیل رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا اہل اسلام سائبہ نہیں بناتے، سائبہ تو اہل جاہلیت بناتے تھے۔۔۔۔الخ

یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے حافظ صاحب اس روایت کا کچھ حصہ ذکر کرکے فرماتے ہیں:

"فاقتصر البُخَارِيّ على مَا يُعْطي حكم الرّفْع من هَذَا الحَدِيث الْمَوْقُوف، وَهُوَ قَوْله إِن أهل الْإِسْلَام لَا يسيبون، لِأَنَّهُ يستدعى بِعُمُومِهِ النَّقْل عَن صَاحب الشَّرْع لذَلِك الحكمه وَاخْتصرَ الْبَاقِي، لِأَنَّهُ لَيْسَ من مَوْضُوع كِتَابه وَهَذَا من أخْفى الْمَوَاضِع الَّتِي وَقعت لَهُ من هَذَا الْجِنْس، وَإِذا تقرر ذَلِك اتَّضَح أَنه لَا يُعِيد إِلَّا لفائدة حَتَّى لَو لم تظهر لإعادته فَائِدَة من جِهَة الْإِسْنَاد، وَلَا من جِهَة الْمَتْن لَكَانَ ذَلِك لإعادته لأجل مُغَايرَة الحكم الَّتِي تشْتَمل عَلَيْهِ التَّرْجَمَة الثَّانِيَة مُوجبا لِئَلَّا يعد مكررا بِلَا فَائِدَة كَيفَ وَهُوَ لَا يخليه مَعَ ذَلِك من فَائِدَة إسنادية وَهِي إِخْرَاجه للإسناد عَن شيخ غير الشَّيْخ الْمَاضِي أَو غير ذَلِك على مَا سبق تَفْصِيله وَهَذَا بَين لمن استقرأ كِتَابه وأنصف من نَفسه وَالله الْمُوفق لَا إِلَه غَيره".[2]

---

(١) المصدر السابق.

(٢) المصدر السابق.

یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقوف حدیث کے صرف اتنے حصہ پر اکتفاء کرلیا جسے رفع کا حکم دیا جاسکتا تھا اور وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول "أهل الإسلام لايسيبون" ہے اس لئے کہ یہ اپنے عموم کی وجہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ صاحب شرع سے منقول ہو اور باقی کو بطور اختصار چھوڑ دیا، اس لئے کہ وہ ان کی کتاب کے موضوع سے متعلق نہ تھا اور یہ اس جنس کے مقامات میں سے جو میرے سامنے آئے سب سے زیادہ مخفی مقام تھا۔

اور جب یہ بات محقق ہوگئی تو واضح ہو گیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بلا کسی فائدہ کے روایت کا اعادہ نہیں کرتے حتی کہ اگر اسناد کی جہت سے کوئی فائدہ ظاہر نہ ہو اور نہ ہی متن کی جہت سے تو اس صورت میں اعادۃ اس حکم کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے جس پر دوسرا "ترجمة الباب" مشتمل ہے تاکہ بلا فائدہ مکرر شمار نہ ہو اور ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ وہ اعادہ فائدہ اسنادیہ سے بھی خالی نہیں ہوتا اور وہ اسنادی فائدہ پہلے مذکور شیخ کی اسناد کے علاوہ اسناد سے روایت کا لانا وغیرہ ہے جیسا کہ مفصل گذر چکا، اور یہ بات بالکل واضح ہے، ہر اس شخص کے لئے جس نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کو بغور دیکھا اور خود سے انصاف کیا ہے، اور اللہ ہی تمام امور کی توفیق دینے والا ہے جس کے سواء کوئی معبود نہیں۔

تکرار حدیث میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے تکرار اور اعادہ کے قائل نہ تھے جو بے مقصد اور محض تطویل کا باعث ہو، البتہ اس تکرار سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہو تو الگ بات تھی۔

چنانچہ اپنی صحیح کے مقدمہ میں اپنے شاگرد کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَسَأَلْتَنِي أَنْ أُلَخِّصَهَا لَكَ فِي التَّأْلِيفِ بِلَا تَكْرَارٍ يَكْثُرُ، فَإِنَّ ذَلِكَ زَعَمْتَ مِمَّا يَشْغَلُكَ عَمَّا لَهُ قَصَدْتَ مِنَ التَّفَهُّمِ فِيهَا، وَالِاسْتِنْبَاطِ مِنْهَا".(١)

یعنی آپ نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں آپ کے لئے زیادہ تکرار کے بغیر اختصار سے کام لیتے ہوئے تالیف کروں، اس لئے کہ آپ کے خیال کے مطابق اس (تکرار) سے اس تالیف سے جو

(١) "صحيح مسلم" ١/٣، دار أحياء التراث العربي بيروت.

سمجھنا اور استنباط کرنا آپ کو مقصود ہے، اس میں خلل واقع ہو گا۔

پھر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تکرار حدیث میں اپنا منہج خود ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"إِنَّا نَعْمِدُ إِلَى جُمْلَةِ مَا أُسْنِدَ مِنَ الْأَخْبَارِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَقْسِمُهَا عَلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ، وَثَلَاثِ طَبَقَاتٍ مِنَ النَّاسِ عَلَى غَيْرِ تَكْرَارٍ، إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ مَوْضِعٌ لَا يُسْتَغْنَى فِيهِ عَنْ تَرْدَادِ حَدِيثٍ فِيهِ زِيَادَةُ مَعْنًى، أَوْ إِسْنَادٌ يَقَعُ إِلَى جَنْبِ إِسْنَادٍ، لِعِلَّةٍ تَكُونُ هُنَاكَ، لِأَنَّ الْمَعْنَى الزَّائِدَ فِي الْحَدِيثِ الْمُحْتَاجَ إِلَيْهِ يَقُومُ مَقَامَ حَدِيثٍ تَامٍّ، فَلَا بُدَّ مِنْ إِعَادَةِ الْحَدِيثِ الَّذِي فِيهِ مَا وَصَفْنَا مِنَ الزِّيَادَةِ، أَوْ أَنْ يُفَصَّلَ ذَلِكَ الْمَعْنَى مِنْ جُمْلَةِ الْحَدِيثِ عَلَى احْتِصَارِهِ إِذَا أَمْكَنَ، وَلَكِنْ تَفْصِيلُهُ رُبَّمَا عَسُرَ مِنْ جُمْلَتِهِ، فَإِعَادَتُهُ بِهَيْئَتِهِ إِذَا ضَاقَ ذَلِكَ أَسْلَمُ، فَأَمَّا مَا وَجَدْنَا بُدًّا مِنْ إِعَادَتِهِ بِجُمْلَتِهِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِنَّا إِلَيْهِ، فَلَا نَتَوَلَّى فِعْلَهُ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى".(١)

یعنی ہم ارادہ کریں گے ان تمام روایات کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسنداً منقول ہیں پھر ہم انہیں بغیر تکرار کے تین اقسام اور لوگوں کے تین طبقات پر تقسیم کریں گے، البتہ یہ کہ کوئی ایسا مقام آجائے جس میں ایسی حدیث کے اضافہ سے استغناء نہ ہو جس میں کوئی زائد معنی پایا جاتا ہو، یا کسی ایسی وجہ سے جو وہاں پائی جاتی ہو کہ ایک اسناد دوسری اسناد کے پہلو میں آجائے، تو حدیث میں ایسا زائد معنی جس کی ضرورت ہو وہ تو پوری حدیث کے قائم مقام ہوتا ہے تو اس حدیث کا اعادہ تو ضروری ہے جس میں ہم نے کسی زائد معنی کے ہونے کا وصف بیان کیا ہے۔

یا پھر اس معنی کو پوری حدیث سے مختصر کر کے جدا کیا جائے جبکہ ایسا کرنا ممکن ہو

لیکن بعض اوقات اسے جدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے تو جب ایسا کرنا دشوار ہو تو اس حدیث کا اسی ہئیت پر اعادہ کرنا ہی زیادہ محفوظ طریقہ ہو گا۔ بہر حال جب ہم پوری حدیث کے اعادہ سے کوئی چارہ کار پائیں گے تو ان شاء اللہ اس (تکرار واعادہ) کا ارتکاب نہ کریں گے۔

باقی امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کا منہج تکرار حدیث میں قریب قریب ہی ہے، ان دونوں حضرات کے ہاں عموماً تکرار ظاہری ہی ہوتا ہے حقیقی نہیں جیسا کہ مفصل بیان ہو چکا نیز امام مسلم

---

(١) "المرجع السابق".

رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر بھی وہ سارے مقاصد و فوائد ہو سکتے ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے منہج کے بیان میں ذکر کئے گئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حدیث کا تکرار عموماً مختلف ابواب میں ہوتا ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عموماً اسی باب میں وہ روایت مکرر ہوتی ہے، اور اس فرق کی وجہ ان کی اغراض کا فرق ہے، اسے ملحوظ رکھنا اس باب میں مفید ہو گا۔ واللہ أعلم بالصواب۔

حدیث کی تقطیع اور اختصار میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا کلام سے حدیث کے اختصار میں ان کا منہج بھی واضح ہو گیا کہ جب کسی حدیث میں کوئی زائد معنی پایا جاتا ہو اور اس حدیث کو مختصر کر کے اس زائد معنی کو جدا کرنا ممکن ہو تو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ وہاں اختصار و تقطیع میں حرج نہیں سمجھتے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عموماً یہ اختصار بھی ان کے ہاں تب ہوتا ہے جب حدیث کے تکرار کی نوبت آئے۔

البتہ چونکہ ان کی غرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض سے مختلف ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر احادیث سے فقہی مسائل کا استنباط ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر احادیث صحیحہ کے متون واسانید کو پورے اہتمام سے جمع کرنا ہے لہذا عموماً ان کے ہاں تقطیع اور اختصار نہیں ہوتا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شیوخ مغاربہ کی جانب سے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فائق قرار دینے کی وجوہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والثاني: أن البخاري كان يرى جواز الرواية بالمعنى، وجواز تقطيع الحديث من غير تنصيص على اختصاره بخلاف مسلم.

والسبب في ذلك أمران:

أحدهما: أن البخاري صنف كتابه في طول رحلته، فقد روينا عنه أنه قال: رب حديث سمعته بالشام فكتبته بمصر ورب حديث سمعته بالبصرة فكتبته بخرسان، فكان لأجل هذا ربما كتب الحديث من حفظه، فلا يسوق ألفاظه برمتها، بل بتصرف فيه ويسوقه بمعناه. ومسلم صنف كتابه في بلده بحضور أصوله في حياة كثير من مشايخه، فكان يتحرز في الألفاظ ويتحرى في السياق.

الثاني: أن البخاري استنبط فقه كتابه من أحاديثه، فاحتاج أن يقطع المتن الواحد إذا

اشتمل على عدة أحكام ليورد كل قطعة منه في الباب الذي يستدل به على ذلك الحكم الذي استنبط منه، لأنه لو ساقه في المواضع كلها برمّته لطال الكتاب.

ومسلم لم يعتمد ذلك، بل يسوق أحاديث الباب كلها سردا عاطفا بعضها على بعض في موضع واحد، ولو كان المتن مشتملا على عدة أحكام، فإنه يذكره في أمس المواضع وأكثرها دخلا فيه ويسوق المتون تامة محررة، فلهذا ترى كثيرا ممن صنف في الأحكام بحذف الأسانيد (من المغاربة) إنما يعتمدون على كتاب مسلم في نقل المتون".[1]

یعنی دوسری وجہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت بالمعنی اور اختصار کی تصریح کئے بغیر حدیث کی تقطیع کو درست سمجھتے تھے بخلاف امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے، اور اس کا سبب دو چیزیں تھیں۔

ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اپنے اسفار کے دوران تصنیف کی ہے کہ ہمیں انہیں کی جانب سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ بسا اوقات کوئی روایت میں نے شام میں سنی تو اسے مصر میں لکھا اور کوئی حدیث بصرہ میں سنی تو اسے خراسان میں لکھا تو وہ اس وجہ سے کہ بعض اوقات وہ حدیث اپنے حافظہ سے لکھتے ہیں تو بعینہ وہی الفاظ نہیں لاتے، بلکہ ان میں کچھ تصرف کرتے ہیں اور اس کا معنی لاتے ہیں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اپنے شہر میں اس کتاب کے مصادر کی موجودگی میں اپنے بہت سے مشائخ کی حیات میں لکھی ہے تو وہ الفاظ وسیاق کے لانے میں بہت احتیاط اور پوری کوشش سے کام لیتے ہیں۔

اور دوسرا امر یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے فقہ کا استنباط ان احادیث سے کیا ہے تو ان کو ضرورت پیش آئی کہ ایک متن جب متعدد احکام پر مشتمل ہو، تو وہ اس کے ٹکڑے کریں تاکہ ان میں سے ہر ٹکڑا اس باب میں لاسکیں جس میں اس حکم پر استدلال کیا جارہا ہو جو اس ٹکڑے سے مستنبط ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ ہر جگہ مکمل حدیث لاتے تو کتاب طویل ہو جاتی۔

اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بنیاد نہیں رکھی بلکہ وہ بطور سرد کے باب کی احادیث بتمامہ ایک دوسری کے ساتھ ملی ہوئی ایک ہی جگہ لاتے ہیں اور اگر متن متعدد احکام پر مشتمل ہو تو وہ اسے اس مقام پر ذکر کرتے ہیں جو اس کے زیادہ مناسب ہوتا ہے اور جس کو اس میں زیادہ دخل

(١) "النكت" لابن حجر: ٢٨٢/١، عمادة البحث العلمي.

ہوتا ہے، اور متون کو ایسے لاتے ہیں کہ وہ پورے لکھے ہوئے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ جن حضرات نے اسانید کو حذف کر کے احکام کی احادیث پر مشتمل کتب تصنیف کی ہیں ان میں سے اکثر حضرات نے نقل متون میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر اعتماد کیا ہے۔

تکرار حدیث میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی تکرار حدیث پایا جاتا ہے حتی کہ حدیث "إنما الأعمال بالنيات" کو سولہ (۱۶) مرتبہ لائے ہیں، اور دوبارہ لانے کا مقصد یا تو یہ ہوتا ہے کہ پہلے جس مسئلہ کا استنباط کیا تھا اب اس سے مختلف کسی دوسرے حکم کا استنباط مقصود ہے یا کسی راوی کی تعیین، یا متن روایت کی تحقیق وغیرہ مقاصد ہوتے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ استنباط احکام امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اصلی اور بنیادی ہدف ہے اور اس بات میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طرز عمل کے مشابہ ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو کہا جاتا ہے "فقه البخاري في تراجمه" یہی بات اگر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہی جائے کہ "فقه النسائي في تراجمه" تو کچھ غلط نہ ہوگی۔ چنانچہ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فإنه لكونه زاحم إمام الصنعة أبا عبد الله البخاري في تدقيق الاستنباط والتبويب لما يستنبطه بدون إسقاط بحيث يكرر لذلك المتون، ويُصَوّر كونه القصد الأعظم من الفنون ومنه: قصة عائشة رضي الله عنها في اتباعها سرًا النبي صلى الله عليه وسلم – لما خرج من عندها ليلًا إلى البقيع، فإنه ذكرها في الأمر بالاستغفار للمؤمنين من الجنائز وأعادها في باب الغيرة من النكاح بسندها ومتنها سواء، ولكن بزيادة في نسب شيخه فقط وباختصار يسير من آخر المتن،مع زيادة طريقين للحديث، شيخ ابن جريج في أحدهما غير شيخه في المذكور فيهما".(۱)

یعنی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے ذریعے باریک بینی سے استنباط اور مستنبط شدہ کی بغیر کسی اسقاط کے تبویب میں امام فن ابو عبد اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ہمراہی کی ہے۔

(۱) "بغية الراغب المتمني" ص: ۲۸-۲۷، مكتبة العبيكان.

بایں طور کہ وہ اس غرض سے (یعنی استنباط احکام کے لئے) متون کو مکرر لاتے ہیں اور اس (استنباط احکام) کے ہونے کو فنون میں سے سب سے بڑا مقصد تصور کرتے ہیں۔

اور اس کی امثلہ میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں جانے کا واقعہ ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بقیع کی جانب تشریف لے گئے تھے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو "كتاب الجنائز باب الأمر بالاستغفار للمؤمنين" میں ذکر کیا ہے اور "باب الغيرة من النكاح" میں اسی سند و متن سے دوبارہ لائے ہیں، لیکن صرف اپنے شیخ کے نسب میں اضافہ ذکر کیا ہے اور متن کے آخر میں معمولی سے اختصار سے کام لیا ہے مع اس کے کہ حدیث کے دو طریق زیادہ ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک میں ابن جریج کے شیخ ان دونوں طرق میں مذکور شیخ کے علاوہ ہیں (یعنی پہلے والی روایت اور ان اضافی طرق میں سے ایک میں ابن جریج کے شیخ عبد اللہ بن ابی ملیکہ ہیں اور دوسرے طریق میں ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ عبد اللہ بن کثیر ہیں)۔

کبھی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ باب کو بھی اسی روایت کے ساتھ مکرر لے آتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں تراجم میں معمولی سا تفاوت ہوتا ہے اور ان کی حدیث میں کوئی فرق نہیں ہوتا، کبھی دونوں مقامات میں سے کسی ایک میں کچھ اضافہ کرتے ہیں رواۃ سند میں سے جو مہمل رہ گیا تھا اس کی تعیین کی تکمیل کے لئے، کبھی ان دونوں روایات میں سے ہر ایک کے لئے مختلف سند لاتے ہیں اور کبھی صرف باب کا تکرار ہوتا ہے متن کا نہیں۔

چنانچہ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقد يقع له تكرير الباب مع حديثه سواء مما لم يظهر لي الأمر فيه على الاستواء، وقد يكون بين الترجمتين في الجملة تفاوت يسير، ولا يأتي في حديثهما بزيادة حسبما إليه يشير، كترجمته: في المياه بماء البحر وفي الطهارة بالوضوء بماء البحر وحديثهما واحد سندًا، ومتنا، وربما يزيد في أحد الموضعين مُكَمِّلا تعيين ما أهمله من رواة السنَّد أوّلا، وقد يُوردُ في كل منهما للحديث الواحد طريقا؛ ليزداد الناظر له في المتن تحقيقا، ومنه: عقده للوضوء بالثلج وللوضوء بماء الثلج ترجمتين، وذكر في كل منهما طريقا لحديث واحد، ثم إنه في

الطهارة عقد ترجمة واحدة للوضوء بماء الثلج والبرد وذكر فيها الحديث من الطريقين معا....

وقد يكرر الباب خاصة دون متنه، وهذا أسهل مما سبق بين أهل فَنِّه".[1]

حدیث کی تقطیع اور اختصار میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل تکرار حدیث میں اور ان سے فقہی استنباط میں گو بہت حد تک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مشابہ ہے، لیکن تقطیع حدیث ان کے ہاں بہت کم ہے عموما پوری روایت دوبارہ ذکر کرتے ہیں، البتہ کبھی یہ کرتے ہیں کہ متن کو ایسے طور پر مختصر کر دیتے ہیں جس سے معنی میں خلل نہ آئے۔

تکرار حدیث میں امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ بھی حدیث کا مختلف طرق سے اعادہ کرتے ہیں، جبکہ دوسرے طریق سے مروی روایت کچھ زائد امور پر مشتمل ہو۔

اس بارے میں وہ اہل مکہ کی جانب اپنے خط میں فرماتے ہیں:

"وَإِذا أعدت الحَدِيث فِي الْبَاب من وَجْهَيْن أَو ثَلَاثَة، فإنما هُوَ من زِيَادَة كَلَام فِيهِ وَرُبمَا تكون فِيهِ كلمة زِيَادَة على الْأَحَادِيث".[2]

یعنی جب میں نے کسی باب میں حدیث کا دو یا تین طرق سے اعادہ کیا ہے تو وہ اس میں اضافی کلام کی وجہ سے ہے اور بعض اوقات اس روایت میں دیگر روایات کی بنسبت کوئی کلمہ زیادہ ہوتا ہے۔

پھر اگر دوسری روایت پہلی روایت سے مختلف حکم پر مشتمل ہو تو پوری روایت کو دوبارہ لے آتے ہیں ورنہ اگر صرف لفظوں کا اختلاف ہو تو اس کی سند ذکر کرنے کے بعد صرف وہ الفاظ جن میں اختلاف ہے نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

---

(١) المصدر السابق.

(٢) "ثلاث رسائل" ص: ٣٢، مكتب المطبوعات الإسلامية.

تقطیع اور اختصار حدیث میں امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں امام بخاری کی طرح تقطیع حدیث نہیں ہے البتہ اختصار سے ضرور کام لیتے ہیں، بلکہ یہ اختصار ان کی سنن کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک ہے۔

اس بارے میں اپنا منہج ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَرُبمَا اختصرت الحَدِيث الطَّوِيل، لِأَنِّي لَو كتبته بِطُولِهِ لم يعلم بعض من سَمعه وَلَا يفهم مَوضِع الْفِقْه مِنْهُ، فاختصرت لذَلِك".(١)

یعنی بسااوقات میں نے طویل حدیث کو مختصر کیا ہے، اس لئے کہ اگر میں اس کو پوری طوالت کے ساتھ لکھتا تو بعض سامعین اس طویل روایت میں سے فقہی مسئلے کا محل استدلال نہ سمجھ پاتے تو اس لئے میں نے اسے مختصر کر دیا۔

اختصار کی اس مذکورہ بالا صورت کے علاوہ ان کے ہاں ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ایک حدیث لاتے ہیں، پھر دوسری روایت کی صرف سند ذکر کر کے "بمعناہ" کا لفظ لانے پر اکتفاء کرتے ہیں اس طرح انہیں متن کو دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اس لفظ "بمعناہ" میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہوتا ہے کہ دونوں روایتوں میں اگرچہ لفظی فرق ہو لیکن یہ فرق معنی پر اثر انداز نہ ہوگا معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ دو روایتوں میں سے اگر کسی ایک میں کچھ زیادتی ہوتی ہے تو پہلے ایک روایت کو سند سمیت ذکر کرتے ہیں، پھر دوسری روایت کی سند ذکر کر کے صرف ان زائد الفاظ کو لاتے ہیں اور "وذکر الحدیث" کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں، باقی روایت دوبارہ نہیں لاتے۔

جب اختصار حدیث کسی دوسرے راوی کی جانب سے ہو تو ان کے مختصر کرنے کا تذکرہ بھی کرتے ہیں جیسا کہ "كتاب الطهارة، باب كيف يستاك" میں فرماتے ہیں:

"قال أبوداود قال مسدّد: فكان حديثاً طويلاً ولكني اختصرته".

---

(١) المصدر السابق.

تکرار حدیث میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ عموما احادیث کے تکرار سے اجتناب ہی کرتے ہیں اور بہت کم مواقع ہیں جہاں ان کی کتاب میں تکرار کی نوبت آئی ہے یہاں تک کہ جو شخص اس تکرار کو تلاش کرنا چاہے تو اس کو جستجو و تأمل کرنا پڑتا ہے، اور تکرار میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ چار مقامات پر وہ روایت لائے ہیں اور یہ بھی نادر ہے، ورنہ عموما تین مقامات سے زیادہ کا تکرار ان کے ہاں نہیں ملتا۔

نیز یہ کہ اس تکرار میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے متن حدیث یا سند میں فوائد حدیثیہ کو ملحوظ رکھتے ہیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایسا نہیں ہے، بلکہ ان کے ہاں اسی متن اور اسی سند کیساتھ تکرار پایا جاتا ہے، اور تکرار کے دوران کبھی تو وہ متن یا سند میں کسی فائدہ جدیدہ کی رعایت کرتے ہیں اور کبھی اس کی رعایت نہیں کرتے۔

علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے "تحفة الأحوذي" کے مقدمہ میں ان مکررات کے شمار میں ایک فصل قائم کی ہے اور ان مکررات کا استیعاب کرنے کی کوشش کی ہے، تو وہ صرف چھ صفحات پر مشتمل ہیں، لیکن دکتور نورالدین عتر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس فصل میں وہ استیعاب نہیں کر سکے کہ مجھے ایسی مکرر روایات بھی ملی ہیں جو اس فصل میں موجود نہیں ہیں، پھر انہوں نے سنن ترمذی میں تکرار کی کچھ مثالیں ذکر کی ہیں جن میں ایسی مثال بھی لائے ہیں جو "مقدمة تحفة الأحوذی" کی اس فصل میں موجود نہیں ہے۔[1]

تقطیع اور اختصار حدیث میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

جیسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تکرار بہت کم ہے ایسے ہی ان کے ہاں تقطیع اور اختصار بھی نادر ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بسا اوقات ایسی حدیث کا اختصار بھی کرتے ہیں جو ان کی کتاب میں دوسری جگہ مطول طور پر موجود نہیں ہوتی، لیکن وہ اس اختصار پر "وفي الحديث قصة"، یا "وفي

---

(١) "الإمام الترمذی والموازنة بين جامعه وبين الصحيحين، ص:٩٩، مطبعة لجنة التاليف والنشر قاهرة.

الحديث كلام أكثر من هذا" اور "وفي الحديث قصة طويلة" وغیرہ عبارات لاکر تنبیہ کر دیتے ہیں۔

جیسا کہ "مثله" کی ممانعت والی روایت کا ایک حصہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "وفي الحديث قصة".[1]

اسی طرح "باب صفة القيامة" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں۔

"قال أبوعيسى: هذا حديث حسن صحيح، وفي الحديث قصة طويلة.."

تکرار، اختصار اور تقطیع حدیث میں امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

حافظ ابن نقطہ رحمۃ اللہ علیہ نے "التقييد" میں "سنن ابن ماجه" کی خصوصیات ذکر کرتے ہوئے ابن طاہر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

"قال ابن طاهر :ولعمري إن كتاب أبي عبدالله بن ماجه من نظرفيه علم مزية الرجل من حسن الترتيب، و غزارة الأبواب، وقلة الأحاديث، وترك التكرار، ولايوجد فيه من النوازل، والمقاطيع، والمراسيل، والرواية عن المجروحين إلاقدر ما أشار إليه أبو زرعة".[2]

یعنی ابن طاہر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بجان من جو کوئی ابو عبد اللہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کو (بغور) دیکھ لے گا تو وہ اس شخص کی حسن ترتیب اور کثرت ابواب اور قلت احادیث اور ترک تکرار کی بناء پر خصوصی امتیاز کو جان لے گا۔

اور اس کتاب میں نووارد مسائل پر فتاوی اور اور احادیث کے ٹکڑے اور مراسیل اور مجروح رواۃ سے روایت نہیں پائی جاتی، مگر اسی مقدار کے بقدر جس کی جانب حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔

اس میں ترک تکرار بھی ایک وصف بیان کیا ہے، تو اس ترک تکرار سے مراد یہ ہے کہ

---

(١) "سنن الترمذي:، باب ماجاء في النهي عن المثلة.

(٢) "ألتقييد" ٢٨٢/١، مطبوعة تحت وزارة الأوقاف قطر.

مختلف ابواب میں حدیث کو مکرر نہیں لاتے، البتہ ایک ہی باب میں متن یا سند کا اختلاف بیان کرنے کے لئے یا کسی موضوع کی احادیث کی تقویت کے لئے مختلف طرق سے بسا اوقات حدیث کو مکرر لاتے ہیں، اور اس معاملہ میں امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل بڑی حد تک امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے طرز عمل کے مشابہ ہے کہ وہ بھی جب اعادہ و تکرار سے کام لیتے ہیں تو اسی باب میں اعادہ و تکرار ہوتا ہے دیگر ابواب میں اس روایت کو مکرر نہیں لاتے، اور مقصود تقویت حدیث، متون سند میں اختلاف یا زائد الفاظ کی وضاحت وغیرہ امور ہوتے ہیں، تو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی مقاصد کے پیش نظر ایسا کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عموماً تقطیع اور اختصار کا نہ ہونا بھی اس کلام سے معلوم ہو رہا ہے اور وجہ وہی ہے کہ ان کی غرض میں اور امام بخاری و دارمی رحمہما اللہ وغیرہ حضرات کی غرض میں فرق ہے۔

تکرار، اختصار اور تقطیع حدیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تدوین حدیث کا طریقہ کار یہ تھا کہ روایت کا جس باب سے تعلق ہوتا تھا اس باب میں ذکر کر دیتے تھے، بہت سے ابواب قائم کرنا جس میں احادیث کو مکرر لانا پڑے اس کا رواج امام بخاری و دارمی رحمہما اللہ وغیرہ حضرات محدثین کے دور میں ہوا۔

حافظ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ جامع الاصول کے "مقدمہ" میں فرماتے ہیں:

"ومنهم من يثبت الأحاديث في الأماكن التي هي دليل عليها، فيضعون لكل حديث باباً يختص به، فإن كان في معنى الصلاة، ذكروه في «باب الصلاة» وإن كان في معنى الزكاة، ذكروه في «باب الزكاة»، كما فعله مالك بن أنس في كتاب «الموطأ» إلا أنه لقلة ما فيه من الأحاديث قلت: أبوابه ثم اقتدى به من بعده، فلما انتهى الأمر إلى زمن البخاري ومسلم، وكثرت الأحاديث المودعة في كتابيهما، كثرت أبوابهما وأقسامهما، واقتدى بهما من جاء بعدهما.[1]

---

(١) "جامع الأصول" ١/٤٤، مكتبة دارالبيان.

یعنی ان محدثین میں سے بعض حضرات وہ تھے جو احادیث کو انہی مقامات پر رکھتے تھے جن کی وہ دلیل ہوتی تھیں تو ہر حدیث کے لئے وہ باب وضع کرتے جس سے وہ حدیث مختص ہوتی تھی۔

تو اگر وہ صلوۃ کے معنی میں ہوتی تو اسے "باب الصلوة" میں ذکر کرتے تھے اور اگر زکوۃ کے معنی میں ہوتی تو اسے "باب الزكوة" میں ذکر کرتے، جیسا کہ (امام) مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے "موطأ" میں کیا ہے، البتہ یہ کہ ان کتب میں احادیث کے قلیل ہونے کی وجہ سے ابواب کم تھے، پھر بعد والوں نے ان کی اقتداء کی، پھر جب معاملہ (امام) بخاری و مسلم رحمہما اللہ کے زمانہ تک پہنچا اور ان کی کتابوں میں احادیث کی تعداد بڑھ گئی تو ان کے ابواب اور اقسام بھی بڑھ گئے، اور ان دونوں حضرات کے بعد میں آنے والوں نے ان کی اقتداء کی۔

البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ضرورت کے وقت کبھی کبھار حدیث کو مختصر کر دیتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ ان روایات کی شرح میں "اختصره مالك هذا الحديث وغیرہ الفاظ کے ذریعے اختصار کی نشاندہی فرماتے ہیں، اس کے علاوہ تقطیع حدیث سے بھی کام لیتے ہیں۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "شرح شرح نخبة الفكر" میں فرماتے ہیں:

"وَأما تقطيع مُصَنف الحَدِيث الواحد، وتفريقه فِي الْأَبْوَاب للاحتجاج بِهِ فِي الْمحَال المتفرقة المتنوعة، فَهُوَ إِلَى الْجَوَاز أقرب، وَقد فعله الْأَئِمَّة: كمالكٍ، وَأحمد، وَأبي دَاوُد، وَالنَّسَائِيّ، وَغَيرهم".(١)

یعنی مصنف کا ایک حدیث کی تقطیع کرنا اور اسے مختلف ابواب میں متفرق کر کے لانا تاکہ مختلف مقامات میں اس سے استدلال کیا جاسکے تو وہ (اختصار کی بنسبت) جواز کے زیادہ قریب ہے۔

اور ائمہ محدثین نے ایسا کیا ہے جیسا کہ امام مالک، احمد، ابوداود اور نسائی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات ہیں۔

---

(١) "شرح شرح النخبة" للقاري:٤٩٦، دار الأرقم لبنان.

تکرار، اختصار اور تقطیع حدیث میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں روایت کا تکرار عموماً اسی باب میں تعدد طرق کے ذریعے روایت کو تقویت دینے کی غرض سے ہوتا ہے،(اور یہ روایت کو متعدد اسانید اور مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے لانا امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت ہے)۔

اس میں بھی عموماً یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ ایک روایت کو سند اور متن کیساتھ ذکر کرنے کے بعد جب دوسری سند سے ذکر کرتے ہیں تو متن دوبارہ نہیں لاتے، بلکہ سند ذکر کر کے مثلہ یانحوہ کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں، البتہ دوسری روایت میں اگر الفاظ کا فرق ہو، تو اسے ذکر کرتے ہیں جیسا کہ "باب ما يقتل المحرم من الدواب" میں فرماتے ہیں:

"فَذَكَرَ بِإِسْنَادِهِ مِثْلَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: الْغُرَابُ الْأَبْقَعُ".

اسی طرح اگر ایک روایت کو کسی دوسرے باب میں ذکر کرنے کی نوبت آتی ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح دوسری سند سے لے آتے ہیں گویا تکرار میں فوائد حدیثیہ ملحوظ رکھتے ہیں، چنانچہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی روایت دوبارہ نقل کی ہے تو اس پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"أخرج الطحاوي هذا فيما مضى من هذا الباب عن أبي بكرة، عن أبي داود، عن شعبة، عن هشام بن عروة... ولا يقال: إنه تكرار؛ للاختلاف في السند والمتن، ولكن لو ذكر الجميع في موضع واحد لكان أضبط وأصوب".(١)

نیز جب حدیث طویل ہو تو کبھی اسے مختصر بھی کر دیتے ہیں، لیکن ایسے موقع پر عموماً وہ "فذكرحديثا طويلا" وغیرہ الفاظ سے اختصار پر تنبیہ کرتے ہیں مثلاً "كتاب الطهارة، باب فرض الرجلين في الوضوء" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بتلانے کی روایت ذکر کی ہے۔

اس میں چونکہ محل استشہاد صرف پاؤں دھونے کا مقام تھا، اس لئے حدیث کو مختصر کر دیا۔

---

(١) "نخب الأفكار"٦/١١٧، وزارة الأوقاف قطر.

فقال: يَاابْنَ عَبَّاسٍ أَلَا أَتَوَضَّأُ لَكَ كَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ؟ قُلْتُ: بَلَى فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي، فَذَكَرَ حَدِيثًا طَوِيلًا. قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ بِيَدَيْهِ جَمِيعًا حَفْنَةً مِنْ مَاءٍ فَصَكَّ بِهَا عَلَى قَدَمِهِ الْيُمْنَى وَالْيُسْرَى كَذَلِك.(١)

اسی طرح عقبہ بن مالک لیثی رضی اللہ عنہ کی سریہ سے متعلق روایت ذکر کی ہے اس میں فرماتے ہیں:

"قَالَ: «بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً، فَأَغَارَتْ عَلَى الْقَوْمِ، فَشَدَّ رَجُلٌ وَاتَّبَعَهُ رَجُلٌ مِنَ السَّرِيَّةِ»، ثُمَّ ذَكَرَ حَدِيثًا طَوِيلًا أَرَدْنَا مِنْهُ مَا فِيهِ مِنْ ذِكْرِ الْغَارَةِ".(٢)

***

(١) "شرح معاني الآثار" ٣٤/٦١، عالم الكتب.

(٢) "المصدر السابق" ٢٠٨/٣.

تراجم ابواب میں امام بخاریؒ کا منہج

امام بخاریؒ کے قائم کردہ تراجم ابواب مشہور و معروف اور استنباط مسائل میں ان کی دقت نظری اور تفقہ کا شاہکار ہیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ "فقه البخاري في تراجمه" کتاب کی ترتیب کو دیکھا جائے تو امام بخاری نے صحیح بخاری میں ستانوے کتب قائم کی ہیں، اور ہر کتاب کو چند ابواب پر تقسیم کیا ہے، پھر ابواب کے عناوین قائم کیے ہیں، جو باب میں موجود احادیث کے مضمون و مفہوم پر دلالت کرتے ہیں، انہیں عناوین کو تراجم ابواب کہا جاتا ہے۔

ان تراجم کی احادیث پر دلالت کے ظہور اور خفاء کے اعتبار سے چند اقسام ذکر کی جاتی ہیں۔

۱- تراجم ظاہرہ:

تراجم ظاہرہ ان تراجم کو کہا جاتا ہے کہ جو ابواب میں موجود احادیث پر بالکل واضح دلالت کریں، اور پڑھنے والے کو استدلال کے لیے غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئے۔

۲- تراجم خفیہ:

یہ وہ تراجم ہیں کہ جن کی دلالت احادیث الباب پر واضح نہ ہو، اور پڑھنے والے کو ترجمۃ الباب اور احادیث مبارکہ میں مناسبت قائم کرنے کے لیے غور و فکر کی ضرورت پیش آئے۔

۳- تراجم مرسلہ:

تراجم مرسلہ ان تراجم کو کہتے ہیں کہ جہاں پر امام بخاریؒ کوئی بات بلاترجمہ لاتے ہیں، اور صرف لفظ "باب" کا عنوان قائم کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ تراجم ظاہرہ اور خفیہ دونوں کو متعدد انداز میں قائم کرتے ہیں، اور ان کو فقہی اجتہادات سے اس طرح مزین فرماتے ہیں کہ افکار اور عقول حیران و سرگرداں رہ جاتے ہیں۔

تراجم ظاہرہ:

تراجم ظاہرہ وہ تراجم ہیں کہ جو مافی الباب احادیث کے مضمون پر دلالت مطابقی کرتے ہوں، ان کا فائدہ یہ ہے کہ یہ مافی الباب احادیث کے مضمون کو واضح کرتے ہیں جیسا کہ "هذا

الباب فيه كيت وكيت"،"باب ذكر الدليل علي الحكم الفلاني"

تراجم ظاہرہ میں امام بخاریؒ کا منہج:

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری کے مقدمہ میں امام بخاریؒ کے قائم کردہ تراجم ظاہرہ کی مثال ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مثال:

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے"باب علامة الإيمان حب الأنصار" پھر اس باب کے تحت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت لے کر آئے ہیں:"آية الإيمان حب الأنصار وآية النفاق بغض الأنصار".

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ تراجم ظاہرہ کو تین انداز میں قائم کرتے ہیں، کبھی تو باب میں موجود مکمل حدیث کو ترجمۃ الباب بنادیتے ہیں جیسے:"باب قول النبي ﷺ "اللهم علمه الكتاب" پھر اس کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث لے کر آئے ہیں "ضمني رسول الله صلى الله عليه وسلم وقا ل:اللهم علمه الكتاب".

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کے بعض حصے کو ترجمۃ الباب بنادیتے ہیں جیسے:"باب من يرد الله به خيرا يفقه في الدين" پھر اس کے تحت حضرت امیر معاویہؓ کی حدیث لے کر آئے ہیں"من يرد الله به خيرا يفقه في الدين. وإنما أنا قاسم والله يعطي، ولا تزال هذه الأمة قائمة على أمر الله لا يضرهم من خالفهم حتى ياتي أمر الله ".

اور کبھی نہ تو ترجمۃ الباب میں بعینہ حدیث نقل کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث کا کوئی حصہ، بلکہ ترجمۃ الباب اپنے الفاظ میں قائم کرتے ہیں لیکن اس ترجمۃ الباب میں حدیث مبارکہ کا معنی پایا جارہا ہوتا ہے، گویا ترجمۃ الباب حدیث کے ہم معنی الفاظ سے قائم کرتے ہیں جیسے: "باب الإغتباط في العلم والحكمة" اور اس کے تحت حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث لے کر آئے ہیں"لا حسد إلا في اثنتين:رجل آتاه الله مالا، فسلط على هلكته في الحق، ورجل آتاه الله

الحكمة، فهو يقضي بها و يعلمها". یہاں حسد کا معنی اغتباط کا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اس بارے میں مزید تفصیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کبھی امام بخاریؒ ترجمۃ الباب کو استفہام کے انداز میں قائم کرتے ہیں جیسے:"باب هل يكون كذا؟" "باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم؟".

استفہامی انداز میں ترجمۃ الباب قائم کرنے سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایک حکم میں دو احتمال ہوتے ہیں لیکن کوئی ایک بھی راجح یا ظاہر نہیں ہوتا۔

اور بسا اوقات ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ کوئی آیت قرآنیہ یا کوئی اثر بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ ترجمۃ الباب میں کوئی حدیث کا لفظ ذکر کر دیتے ہیں اور اس کے تحت آیت یا کوئی اثر ذکر کر دیتے ہیں، یہ اس بات کی جانب اشارہ ہوتا ہے کہ اس باب میں کوئی ایسی روایت نہیں ملی جو کہ امام بخاریؒ کی شرائط کے مطابق ہو۔

علامہ نورالدین عترؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے تراجم ظاہرہ میں دو اور انداز بھی پائے جاتے ہیں۔

امام بخاریؒ ترجمۃ الباب میں ایسا جملہ خبریہ ذکر کرتے ہیں جس میں بہت سارے احتمالات موجود ہوتے ہیں، لیکن اس کے تحت ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں کہ جن سے کوئی ایک احتمال متعین ہو جاتا ہے، مثلا امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے:

"باب المسح على الخفين" اس کے تحت صرف وہ احادیث لے کر آئے ہیں جو صرف مسح کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں، اگرچہ ترجمۃ الباب میں اور بھی احتمالات تھے کہ مثلا مسح کی مشروعیت یا مسح کی کیفیت یا مسح کی مدت بیان کی جائے، لیکن مسح کی مشروعیت کے بارے میں احادیث لا کر باقی دونوں احتمالات کو رد کر دیا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ ترجمۃ الباب بھی خاص ذکر کرتے ہیں اور اس کے تحت احادیث بھی خاص ہی لاتے ہیں، مثلا امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے "باب الوضوء مرة مرة "پھر اس کے تحت حضرت ابن عباسؓ کی روایت لے کر آئے ہیں:"توضأ النبي ﷺ مرة مرة".

تراجم خفیہ:

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: تراجم خفیہ میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہوتا ہے، لیکن اس کے تحت ایسی روایات ذکر کرتے ہیں کہ جن کی وجہ سے کوئی ایک احتمال متعین ہو جاتا ہے، جیسے امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے "باب أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها" اس ترجمۃ الباب میں عموم ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے ان جانوروں کے پیشاب کو دھونے کا حکم بیان کیا جائے، یا تداوی وغیرہ میں استعمال کا حکم بیان کیا جائے، اسی طرح اور بھی احتمالات موجود ہیں، لیکن اس کے بعد حضرت انسؓ کی روایت ذکر کر کے ایک معنی کو متعین کر دیا:

" عن أنس رضي الله عنه قال: قَدِمَ أناسٌ مِن عُكْل أو عُرنية، فاجتووا المدينة، فأمرهم النبي الله بلقاح وأن يشربوا من أبوالها وألبانها، فانطلقوا، فلما صحوا قتلوا راعي النبي ﷺ..."

اور کبھی معاملہ بالکل اس کے برعکس ہوتا ہے کہ حدیث میں تو عموم ہوتا ہے، کئی معانی کا احتمال ہوتا ہے، لیکن ترجمۃ الباب ایسا قائم کرتے ہیں کہ جس سے کوئی ایک معنی متعین ہو جاتا ہے، مثلاً امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے، "باب جهر الإمام بالتامين" پھر اس کے تحت حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت لے کر آئے ہیں:

"إذا أمن الإمام فأمنوا، فإنه من وافق تأمينه تأمين الملائكة، غفر له ماتقدم من ذنبه".

یہاں پر امام بخاریؒ نے باب آمین بالجہر کا قائم کیا ہے لیکن جو حدیث لے کر آئے ہیں وہ آمین بالجہر میں صریح نہیں ہے، بلکہ اس میں ایک احتمال تھا آمین بالجہر کا اسی احتمال کو امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں متعین کر دیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ تراجم خفیہ قائم کرنے میں امام بخاریؒ کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ بسا اوقات امام بخاریؒ ترجمۃ الباب اس طرح قائم کرتے ہیں کہ بادی النظر میں اس کی کوئی اہمیت ہمیں نظر نہیں آتی، لیکن جب ہم دقت نظری سے دیکھیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس

ترجمۃ الباب میں بھی امام بخاریؒ نے اس بہت سارے مخفی خزانے سمو دئے ہیں، مثلا امام بخاریؒ نے دوباب قائم کیے ہیں"باب قول الرجل: ماصلينا" اور "باب قول الرجل: فاتتنا الصلاة" ان دونوں کو اگر بادی النظر میں دیکھا جائے تو بالکل عام سے معلوم ہوتے ہیں، لیکن اگر دقت نظری سے دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ در حقیقت امام بخاریؒ ان لوگوں پر رد کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہنا مکروہ خیال کرتے ہیں۔

علامہ نور الدین عترؒ نے تراجم خفیہ میں امام بخاریؒ کے دو انداز اور بھی بیان کیے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب میں ایک ایسا حکم ہوتا ہے جس پر باب میں موجود احادیث دلالت نہیں کر رہی ہوتیں، لیکن اس حدیث کا ایک اور طریق دوسری جگہ پر مذکور ہوتا جس میں یہ حکم بھی مذکور ہوتا ہے، جیسے امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے "باب الشعر في المسجد" اس میں انہوں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف کی روایت نقل کی ہے۔"أنه سمع حسان ابن ثابت الأنصاري يستشهد أبا هريره: أنشدك الله، هل سمعت النبي ﷺ يقول: يا حسان أجب عن رسول الله ﷺ، اللهم أيده بروح القدس؟ قال أبو هريره: نعم.

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت حسانؓ کے مسجد میں اشعار پڑھنے کا ذکر بالکل بھی نہیں ہے، لیکن بخاری میں ہی دوسری جگہ روایت موجود ہے جس میں مسجد میں اشعار پڑھنے کا ذکر ملتا ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب اور حدیث مبارکہ میں بظاہر تو مطابقت نہیں ہوتی لیکن اگر حدیث کی تشریح میں غور و فکر کریں تو نتیجہ کے اعتبار سے اس کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہو جائے گی، کیونکہ نتیجہ کے اعتبار سے یہ حدیث اور ترجمۃ الباب آپس میں لازم و ملزوم ہوتے ہیں، جیسے امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے "باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة" اس باب میں آپ ﷺ کی مرض الوفاۃ والی وہ روایت ذکر کی ہے جس آپ ﷺ ابو بکرؓ کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ ان سے کہیں کہ وہ صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم کو امامت کروائیں۔ اس حدیث مبارکہ کی اگر تشریح اور ترجمۃ الباب میں غور و فکر کریں تو مناسبت بالکل واضح ہو جائے گی۔

تراجم مرسلہ:

تراجم مرسلہ کو قائم کرنے کی عموماً محدثین دو وجوہات ذکر کرتے ہیں:

اس باب میں موجود احادیث کا ماقبل باب سے ہی تعلق ہوتا ہے اور لفظ "باب" یہ بمنزلہ فصل کے ہوتا ہے، کبھی ان احادیث کا تعلق اس کتاب سے ہوتا ہے جس کتاب میں یہ باب ہوتا ہے نہ کہ ماقبل باب سے، اور ایسا بہت کم ہوتا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے ان کی مثالوں کو فتح الباری کے مقدمے بھی ذکر کیا ہے۔

تراجم ابواب میں امام بخاریؒ کے منہج کا خلاصہ:

امام بخاریؒ کے تراجم ابواب میں منہج کی تلخیص مولانا یاسر عبداللہ صاحب نے مولانا یونس جونپوریؒ کے افادات سے چودہ نکات کی شکل میں لکھی ہے وہ درج ذیل ہے۔

استدلال کی مذکورہ انواع کا خلاصہ:

۱: اپنے پاس موجود کسی حدیث کی جانب اشارہ مقصود ہو، جیسے: باب التقاضي والملازمة في المسجد.

۲- دیگر محدثین کی کسی حدیث کی جانب اشارہ مقصود ہو، جیسے: باب كنس المسجد و التقاط القذى والخرق والعيدان.

۳:۔ ترک استفسار سے استدلال، جیسے: باب وضوء الرجل مع امرأته وفضل وضوءالمرأة.

۴:- مجموعی روایات سے استدلال، جیسے: باب بدء الوحي، اور باب من أجابالفتيا بإشارة اليد والرأس.

۵:- عموم سے استدلال، جیسے: "باب السؤال والفتيا عند رمي الجمار" کے تحت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی حدیث لائے ہیں، جس میں "وهو عند الجمرة" کے الفاظ ہیں۔

۶:-اصل سے استدلال، جیسے:"باب ماجاء في الفخذ" کے تحت حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "فخذه على فخذي" سے استدلال۔

۷:-اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے استدلال۔

۸:"اولویت"(اولی ہونے) سے استدلال، جیسے:"باب البول قائما وقاعدًا" میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک اولی" سے قعود ثابت کیا ہے، اور "باب التيمن في الوضوء والغسل" میں غسل میت کے متعلق حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ہی کی حدیث لائے ہیں۔

۹:ہر محتمل سے استدلال، حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بقول امام موصوف کی کتاب "صحیح بخاری" میں اس نوع کے تراجم بہت سے ہیں، جیسے:"باب العلم في المصلى" کے تحت روایت میں حضور ﷺ کے زمانے کا احتمال بھی ہے اور آپ کی وفات کے بعد کا بھی احتمال ہے، اسی طرح "باب الرجل يأتم بالإمام ويأتم الناس بالمأموم".

۱۰:-دستیاب الفاظ (ظاہر حدیث) سے استدلال، جیسے:"باب الوضوء مرتين" اور "باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة".

۱۱:- ایسی دو حدیثوں سے استدلال، جن میں سے ایک مقید اور دوسری مطلق ہو، امام موصوف انہیں ایک ہی حدیث قرار دیتے ہیں اور پہلی حدیث کی قید کو دوسری حدیث میں ملحوظ رکھتے ہیں، جیسے:"كتاب الزكاة" میں "باب وجوب الزكاة" کے تحت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں، جس میں " تؤتي الزكاة" کے الفاظ ہیں (اور "المفروضة" کی قید نہیں ہے) اسی باب کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "المفروضة" کی قید وارد ہے۔

۱۲:-التزام (دلالت التزامی) سے استدلال، جیسے:"باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان" میں انسان کے بالوں کی طہارت کو حضرت شاہ ولی اللہؒ ہی کے بقول "دلالت التزامی" سے ثابت کیا ہے۔

۱۳:-عادت سے استدلال، جیسے:"باب طول القيام في صلاة الليل" کے تحت حضرت

حذیفہ رضی اللہ کی حدیث لائے ہیں، جس میں "إذا قام من الليل" کے الفاظ ہیں، علامہ ابن رشید نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد "قیام عادی" ہے۔

۱۴: - قیاس سے استدلال، جو محل نظر ہے، بلکہ میرے نزدیک یہ استدلال دلالۃ النص یا اشارۃ النص یا اقتضاء النص یا عموم یا احتمال یا اولویت سے ہوتا ہے۔

***

تراجم ابواب میں امام مسلمؒ کا منہج

علماء کرام اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں تراجم بذات خود مرتب نہیں فرمائے، امام نوویؒ نے ان کو مرتب کیا ہے چنانچہ اس سلسلے میں ہم امام نوویؒ کے کلام کا خلاصہ اپنے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں: امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کو ابواب پر مرتب فرمایا، حقیقت میں تو یہ ابواب کی ہی ترتیب پر ہے، لیکن امام مسلمؒ نے ان ابواب کو ذکر نہیں فرمایا، اب یہ بھی ممکن ہے کہ امام مسلمؒ نے طوالت کے خوف سے ہی ابواب کو ذکر نہیں فرمایا، یا پھر کسی اور وجہ سے، پھر بعد میں حضرات محدثین میں سے بعض نے تراجم قائم کیے ہیں، ان میں سے بعض تو ماشاءاللہ عمدہ ہیں اور ان میں سے بعض متعدد وجوہات کی بناء پر ناقص ہیں، لیکن ہم ان شاءاللہ ایسے تراجم قائم کریں گے جو کہ اپنی مثال آپ ہوں گے۔

حضرات محدثین اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ امام نوویؒ نے جو وعدہ کیا پھر اس کو احسن انداز میں پورا بھی فرمایا۔

***

تراجم ابواب میں ارباب سنن اربعہ کا منہج

ان چاروں کتب میں تراجم استنباطیہ تراجم ظاہرہ کی بنسبت بہت کم ہیں، جبکہ صحیح بخاری میں تراجم استنباطیہ کثرت سے موجود ہیں۔

تراجم ظاہرہ:

جس طرح امام بخاریؒ تراجم ظاہرہ کو استفہامیہ انداز میں قائم کرتے ہیں بعینہ اسی طرح امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ بھی تراجم ظاہرہ کو کبھی استفہامیہ انداز میں قائم کرتے ہیں، تینوں کی مثالیں درج ذیل ہیں:

قال أبو داود: باب أيرد السلام وهو يبول؟

وقال الترمذي: باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل؟

وقال النسائي: باب هل يؤذنان جميعا أو فرادى؟

وقال ابن ماجة: باب تخرج المرأة في عدتها؟

اور کبھی امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ جملہ خبریہ عامہ کے انداز میں ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں جیسے:

قال أبو داود: باب السواك.

وقال الترمذي: باب ما جاء في السواك.

وقال النسائي: باب الماء الدائم.

وقال ابن ماجة: باب السواك.

اور کبھی امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ جملہ خبریہ خاصہ کے انداز میں ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں جیسے:

قال أبو داود: باب في الاستنجاء بالماء.

وقال الترمذي: باب ما جاء في أن مسح الرأس مرة.

وقال النسائي: الأمر بإراقة ما في الإناء إذا ولغ فيه الكلب.

وقال ابن ماجه: باب فرض الزكاة.

اور کبھی امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ بطور اقتباس کے ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں جیسے:

قال أبو داود: باب الماء لا يجنب.

وقال الترمذي: باب لا تقبل صلاة بغير طهور.

وقال النسائي: باب من أدرك ركعة من الصلاة.

وقال ابن ماجة:باب الماء من الماء.

تراجم خفیہ:

جس طرح امام بخاریؒ تراجم خفیہ مختلف انداز میں قائم کرتے ہیں، اسی طرح امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ بھی ان کو مختلف انداز میں لاتے ہیں۔

ا۔ امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ ترجمۃ الباب ایسا قائم کرتے ہیں جو کہ عام ہوتا ہے اور اس کے تحت باب میں احادیث خاص ذکر کرتے ہیں، تینوں کی مثالیں درج ذیل ہیں:

قال أبو داود: باب التشديد فيمن يرفع قبل الإمام أو يضع قبله.

اس باب کے تحت امام ابوداودؒ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت لے کر آئے ہیں، جس میں وہ فرماتے ہیں:

"أما يخشى أو ألا يخشى أحدكم إذا رفع رأسه والإمام ساجد أن يحوّل الله رأسه رأس حمار، أو صورته صورة حمار".

اگر غور کریں تو یہ بات آشکارہ ہو جائے گی کہ ترجمۃ الباب میں "رفع" اور "وضع" دونوں کا ذکر ہے، جبکہ جو وہ حدیث لے کر آئے ہیں اس میں صرف "رفع" کا ہی ذکر ہے۔

وقال الترمذي: باب ما جاء في الوضوء من القيء والرعاف.

اس باب کے تحت امام ترمذیؒ حضرت ابو درداءؓ کی روایت لے کر آئے ہیں جو کہ درج ذیل ہے:

عن أبي الدرداء رضي الله عنه: أَنَّ رسول الله ﷺ قاء فأفطر فتوضأ ... الحديث.

یہاں پر ترجمۃ الباب میں قئ اور نکسیر دونوں کا ذکر ہے، جبکہ حدیث مبارکہ میں فقط قئ کا ہی ذکر ہے ترجمۃ الباب عام ہے اور حدیث خاص ہے۔

وقال النسائي: باب الوضوء من النوم.

اس باب کے تحت امام نسائیؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعا روایت لے کر آئے ہیں:

عن أبي هريرة رضي الله عنه – مرفوعاً: إذا استيقظ أحدكم من منامه، فلا يدخل يده في الإناء حتى يفرغ عليها ثلاث مرّات، فإنه لا يدري أين باتت يده.

اس ترجمۃ الباب میں وضو کا ذکر ہے جبکہ حدیث مبارکہ میں صرف ہاتھ دھونے کا ہی حکم دیا گیا ہے، لہذا ترجمۃ الباب عام ہوا اور حدیث خاص ہوئی۔

قال ابن ماجه:باب وضوء النوم:

اس باب کے تحت امام ابن ماجہؒ حضرت ابن عباسؓ کی روایت لے کر آئے ہیں:

عن ابن عباس رضي الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قام من اليل، فدخل الخلاء، فقضي حاجته،ثم غسل وجهه وكفيه، ثم نام.

اس ترجمۃ الباب میں وضو کا ذکر ہے جبکہ حدیث مبارکہ میں صرف منہ دھونے اور ہاتھ دھونے کا ہی حکم دیا گیا ہے، لہذا ترجمۃ الباب عام ہوا اور حدیث خاص ہوئی۔

۲۔ اور کبھی بالکل اس کے برعکس ہوتا ہے، یعنی ترجمۃ الباب خاص ہوتا ہے، جبکہ اس میں موجود احادیث عام ہوتی ہیں، جن کی مثالیں درج ذیل ہیں:

قال أبو داود: باب في الرجل يذكر الله تعالى على غير طهر.

اس باب کے تحت حضرت عائشہؓ کی روایت لے کر آئے ہیں، وہ فرماتی ہیں: "كان رسول الله ﷺ يذكر الله عز وجل على كل أحيانه".

یہاں ترجمۃ الباب میں فقط یہ ذکر ہے کہ کیا ناپاکی میں ذکر اللہ کر سکتے ہیں؟ جبکہ جس حدیث کو لے کر آئے ہیں وہ عمومی ہے، اس میں پاکی اور ناپاکی دونوں حالتوں کا ذکر ہے۔

وقال الترمذي: باب ما جاء في السهو عن وقت صلاة العصر.

اس باب کے تحت امام ترمذیؒ حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت لے کر آئے ہیں جس میں

وہ فرماتے ہیں:الذي تفوته صلاة العصر فكأنما وُتِرَ أهله وماله.

ترجمۃ الباب میں صرف اس نماز کا ذکر ہے جو سہواً چھوٹ جائے جبکہ حدیث مطلقاً چھوٹ جانے کے بارے میں ہے کہ چاہے عمداً ہو یا سہواً ہو۔

وقال النسائي: باب الرخصة في السواك بالعشي الصائم.

اس باب کے ضمن میں امام نسائیؒ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت لے کر آئے ہیں، چنانچہؒ فرماتے ہیں:عن أبي هريرة رضي الله عنه: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عنه كل صلاة.

ترجمۃ الباب میں خاص شام کے وقت مسواک کرنے کا ذکر ہے، جبکہ حدیث مبارکہ عام ہے اس میں وقت کی تخصیص نہیں ہے۔

وقال ابن ماجه:باب ذكر الله عز وجل على الخلاء.

اس باب کے تحت حضرت عائشہؓ کی روایت لے کر آئے ہیں،وہ فرماتی ہیں: "كان رسول الله ﷺ يذكر الله عز وجل على كل أحيانه".

یہاں ترجمۃ الباب میں فقط یہ ذکر ہے کہ کیا بیت الخلاء میں ذکر اللہ کر سکتے ہیں؟ جبکہ حدیث کو لے کر آئے ہیں وہ عمومی ہے اس میں دونوں حالتوں کا ذکر ہے۔

۳۔ تراجم خفیہ قائم کرنے میں امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ بسا اوقات ترجمۃ الباب اس طرح قائم کرتے ہیں کہ بادی النظر میں اس کی کوئی اہمیت ہمیں نظر نہیں آتی، لیکن جب ہم دقت نظری سے دیکھیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس ترجمۃ الباب میں بھی انہوں نے بہت سارے مخفی خزانے سمو دئے ہیں، مثلاً:

قال أبو داود: باب الصلاة على الخمرة.

وقال الترمذي: باب الصلاة على الخمرة.

وقال النسائي: باب الصلاة على الخمرة.

وقال ابن ماجة: باب الصلاة على الخمرة.

ان چاروں کو اگر بادی النظر میں دیکھا جائے تو بالکل عام سے معلوم ہوتے ہیں، لیکن اگر

دقت نظری سے دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ در حقیقت امام ابو داود، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ ان لوگوں پر رد کرنا چاہتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ نماز صرف زمین پر ہی پڑھنا جائز ہے، اس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

۴۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب اور حدیث مبارکہ میں بظاہر تو مطابقت نہیں ہوتی، لیکن اگر حدیث کی تشریح میں غور و فکر کریں تو نتیجہ کے اعتبار سے اس کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہو جائے گی، کیونکہ نتیجہ کے اعتبار سے یہ حدیث اور ترجمۃ الباب آپس میں لازم و ملزوم ہوتے ہیں، تینوں ائمہ کی کتب کی مثالیں درج ذیل ہیں:

قال أبو داود: باب سترة الإمام سترة من خلفه.

اس باب کے تحت امام ابو داودؒ "عمر و بن شعيب عن أبيه عن جده" کی روایت ذکر کرتے ہیں، چنانچہ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: هبطنا مع رسول الله ﷺ من ثنية أذاخر، فحضرت الصلاة – يعني فصلّى إلى جدر- فاتخذه قبلة ونحن خلفه، فجاءت بهمة تمر بين يديه، فما زال يُدارئها حتى لصق بطنه بالجدر و مرت من ورائه.

وقال الترمذي: باب ما جاء متى يؤمر الصبي بالصلاة.

اس باب کے تحت امام ترمذیؒ حضرت سبرہ بن معبد الجہنی رضی اللہ عنہ کی روایت مرفوعا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن سَبْرة بن مَعْبَد الجهني رضي الله عنه مرفوعاً: علموا الصبي الصلاة ابن سبع سنين، واضربوه عليها ابن عشر.

اس کا نتیجہ اگر اخذ کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ بچے کو نماز کی تعلیم سات سے لے کر نو سال تک دی جائے گی۔

وقال النسائي: باب النية في الوضوء.

اس باب کے تحت امام نسائیؒ حضرت عمرؓ کی مرفوع روایت ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن عمر رضي الله عنه : إنّما الأعمال بالنيات ... الحديث.

لزوم کے اعتبار سے حدیث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت اس طرح ہے کہ چونکہ وضو بھی ایک نیت ہے، اس لیے اس کے لیے بھی نیت ضروری ہو گی۔

وقال ابن ماجه: باب النية في القتال.

اس باب کے تحت امام ابن ماجہؒ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن أبي موسى قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يقاتل شجاعة، ويقاتل حمية، ويقاتل رياء، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، فهو في سبيل الله.

ترجمۃ الباب اور حدیث میں اگرچہ ظاہرا کوئی مطابقت نہیں ہے، لیکن اگر غور و فکر کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حدیث اور ترجمۃ الباب لازم و ملزوم ہیں۔

تراجم مرسلہ:

امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ امام بخاری رحمہم اللہ کی بنسبت اپنی کتب میں تراجم مرسلہ جو لے کر آئے ہیں، ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے، تاہم تینوں کتب میں سے ایک ایک مثال ذکر کر دیتے ہیں:

قال أبو داود: باب حدثنا مسدد وعباد بن موسى قالا: حدثنا هشيم... الحديث.

وقال الترمذي: باب منه آخر.حدثنا هناد، حدثنا عبدة ومثالها عندعن محمد بن إسحاق الحديث.

وقال النسائي: باب نوع آخر. أخبرنا عبد الله بن محمد بن تميم، قال: حدثنا حجاج ... الحديث.

وقال ابن ماجه: حدثنا أبوبكر ابن أبي شيبه، حدثنا حفص بن غياث، عن الأعمش....الحديث.

***

کتب محدثین کی خصوصیات و امتیازات

خصوصیات وامتیازات صحیح بخاری

صحت روایات کا خصوصی اہتمام:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کے جمع کرنے میں صحت کا جو اعلی معیار ملحوظ رکھا ہے، اس کی بنیاد پر اس کتاب کو "أصح الكتب بعد كتاب الله" کہا گیا ہے اور یہ اعلی معیار صحت اس کتاب کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔

امت کی جانب سے تلقی بالقبول:

صحیحین کی روایات کو امت کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے، بقول حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے یہ تلقی خود صحت کے قرائن میں سے ایک قرینہ ہے۔

استنباط مسائل میں دقت نظری:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث سے مسائل کے استنباط میں جس دقت نظری کا مظاہرہ کیا ہے، وہ اور کسی کے بس کی بات نہیں ہے، اور چونکہ ان کے پیش نظر استنباط مسائل ہے اس لیے احادیث کے تکرار اور تقطیع کی نوبت بھی آتی ہے تاکہ محل استنباط واضح ہو سکے۔

۱: جمع روایات میں خصوصی اہتمام:

عمر بن محمد بن بجیر البجیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے یہ کتاب مسجد حرام میں لکھی ہے، ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے استخارہ کیا، دو رکعت نماز پڑھی، اور جب تک اس کی صحت کا یقین نہیں ہو گیا اس وقت تک اس کو کتاب میں درج نہیں کیا۔[1]

۲: تراجم الابواب:

نفس تراجم ہی "صحیح بخاری" کی ایک امتیازی خصوصیت ہے، علماء کا کہنا ہے کہ اس جیسے تراجم آج تک کسی نے قائم نہیں کیے، ان میں سے بعض تراجم تو آج تک معرکۃ الاراء بنے ہوئے

---

(١) "هدي الساري"ص:٤٨٩، الناشر: دار المعرفة — بيروت.

ہیں۔[1] انہیں تراجم کو دیکھتے ہوئے کسی نے کہا تھا: "فقه البخاري في تراجمه".[2]

۳: آیات قرآنیہ کے ذریعے اثبات احکام:

اثبات احکام کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تراجم میں آیات قرآنیہ ذکر کرتے ہیں۔[3]

۴: آثار صحابہ سے تائید و تعیین:

مختلف فیہ مسائل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جو مسلک راجح ہوتا ہے اس کی تائید اور تقویت کے لیے آثار صحابہ و تابعین کو نقل کرتے ہیں۔[4]

۵: ثلاثیات صحیح بخاری:

ثلاثیات بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات میں شمار کی جاتی ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بائیس ثلاثیات اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔

فرق باطلہ کی تردید:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری میں فرق باطلہ مثلاً: مرجیہ، جہمیہ، معتزلہ اور قدریہ وغیرہ کا رد بھی کرتے ہیں۔

***

---

(١) "فيض الباري" ١/٣٥، مكتبة: رشيديه كوئته.

(٢) "هدى الساري" ص:١٣، الناشر: دار المعرفة – بيروت.

(٣) "ارشاد الساري" ١/٢٦٤، الطبعة: اولى ١٤٤٢ھ، الناشر: دار ابن حزم.

(٤) "ارشاد الساري" ١/٢٧١، الطبعة: اولى ١٤٤٢ھ، الناشر: دار ابن حزم.

خصوصیات وامتیازات "صحیح مسلم"

۱: متفق علیہ صحیح روایات کے جمع کا اہتمام:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں موجود روایات کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

"ليس كل شيئ عندي صحيح وضعته ههنا، إنما وضعت ههنا ما أجمعواعليه".(۱)

یعنی میں نے اس کتاب میں ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہو، وہ ذکر نہیں کی بلکہ ان احادیث کو ذکر کیا ہے جن کی صحت پر ائمہ فن کا اجماع ہو۔

بالسند روایات لانے کا اہتمام:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ عموماً بالسند ہی روایات لاتے ہیں، ان کی کتاب میں تعلیقات کا وجود بہت کم، نہ ہونے کے برابر ہے، پوری کتاب میں صرف ایک روایت "كتاب التيمم" میں ایسی لائے ہیں جسے معلقا ذکر کیا ہے، اور کتاب میں کہیں بھی موصولا موجود نہیں، باقی چودہ معلق روایات ایسی لائے ہیں جو اسی کتاب میں دیگر مقامات پر موصولا موجود ہیں۔

۲: ترتیب وتنسیق کی عمدگی:

دیگر کتب کی بنسبت "صحيح مسلم" سے استفادہ بہت ہی آسان ہے۔ چونکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ہر حدیث کو اس کے مناسب مقام پر بیان کرتے ہیں، پھر اسی جگہ اس حدیث کے متعدد طرق اور مختلف الفاظ ذکر کرتے ہیں۔(۲)

۳: الفاظ تحمل واداء میں فروق کی رعایت:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ "حدثنا" اور "أخبرنا" کے فرق کو مد نظر رکھتے ہوئے روایات نقل کرتے ہیں، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سمیت دیگر حضرات اس کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے۔(۳)

---

(۱) "شرح نووی" ۱/۱٦، الناشر: دار إحياء التراث العربي بيروت، الطبعة الثانية، ۱۳۹۲.

(۲) "فتح الملهم" ۱/۲٦۱، الناشر: دار إحياءالتراث العربي.

(۳) "فتح الملهم" ۱/۲٦٤، الطبعة: أولى، الناشر: دار إحياءالتراث العربي.

۴:مرفوع روایات کے جمع کا اہتمام:

صحیح مسلم میں آثار و تعلیقات شاذ و نادر ہیں، زیادہ تر احادیث مرفوعہ ہی ہیں۔[۱]

۵:ضبط اسماء و الفاظ میں خصوصی اہتمام:

ضبط اسماء و الفاظ میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر فوقیت حاصل ہے، مثلا اہل شام سے روایات کرنے میں کبھی کبھار امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے تسامح ہو جاتا ہے، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مغالطہ نہیں ہوتا، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر روایات سفر کے دوران لکھی ہیں، وہ خود فرماتے ہیں: بسا اوقات ایک حدیث میں مدینہ میں سنی اور اسے شام میں لکھا، اور کوئی شام میں سنی تو اسے مکہ میں لکھا، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے علاقہ میں قیام کے دوران اس وقت لکھی، جب ان کے شیوخ اور کتب ان کے پاس موجود تھے۔[۲]

۶:روایت باللفظ کا اہتمام:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ دوسرے محدثین کی بنسبت روایت باللفظ کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔[۳]

۷:مقدمہ صحیح مسلم:

صحیح مسلم کا مقدمہ بھی اس کی امتیازی خصوصیت ہے، جس میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی صحت و ضعف کے اعتبار سے تقسیم کی ہے، اور مراتب رواۃ و رجال وغیرہ مختلف ضروری مباحث پر مفصل بحث کی ہے۔

***

(۱) "فتح الملهم" ۱/۲٦۱،الطبعة: أولى، الناشر:دار إحياءالتراث العربي.

(۲) "فتح الملهم" ۱/۲٦۰،الطبعة: أولى، الناشر:دار إحياءالتراث العربي.

(۳) "فتح الملهم" ۱/۲٦۰،الطبعة: أولى، الناشر:دار إحياءالتراث العربي.

خصوصیات وامتیازات "سنن أبی داود"

مستدلات فقہاء کے جمع کا اہتمام:

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء امصار اور علماء کے مستدلات جمع کرنے کے ارادے سے یہ کتاب مرتب فرمائی، لہذا یہ کتاب فقہاء کے مستدلات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔

حسن روایات کا بڑا ذخیرہ:

فقہاء احادیث حسان سے بکثرت استدلال کرتے ہیں، لہذا امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حسن روایات کا ایک بڑا ذخیرہ سمجھی جاتی ہے۔

مرفوع روایات پر اکتفاء:

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کی غرض مرفوع روایات کا جمع کرنا ہے، لہذا موقوف اور مقطوع روایات کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔

مشہور روایات لانے کا اہتمام:

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ غریب اور غیر معروف روایات لانے سے اجتناب کرتے ہیں، اور معروف اور علماء وفقہاء میں مشہور روایات لانے کا اہتمام فرماتے ہیں۔

۱: اصح مافی الباب روایت کا اہتمام:

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ ہر باب میں اس باب کی اصح روایت کو ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

۲: جمع احادیث میں اختصار کا اہتمام:

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے اکثر ہر باب میں دو یا تین روایات ذکر کرتے ہیں، اگرچہ اس باب میں صحیح احادیث بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

۳: کسی فائدہ کے حصول کے لیے تکرار احادیث:

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ عموما اس وقت احادیث کا تکرار کرتے ہیں، جب دوسری روایت میں کوئی ایسی زیادتی پائی جاتی ہو کہ جس سے کوئی حکم مستنبط ہوتا ہے۔

۴: محل استشہاد واضح کرنے کے لیے اختصار روایات:

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات حدیث کو مختصر ذکر کرتے ہیں، اور صرف محل استشہاد کو ذکر کر دیتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پوری روایت ذکر کرنے سے مطلوبہ فائدہ ہی حاصل نہ ہو، اور مخاطب وجہ استنباط نہ سمجھ سکے۔

۵: متروک رواۃ سے اجتناب:

امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں کسی بھی متروک راوی سے روایت نہیں لاتے۔

۶: ضعف احادیث کی وضاحت:

اگر کسی حدیث میں ضعف شدید ہو تو امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ اس کو بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

سکوت ابو داؤد کی اہمیت:

سنن ابی داود کی جن روایات پر امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے سکوت کیا ہے، وہ بھی خود ان کے بقول صالح یعنی قابل قبول درجہ کی روایات ضرور ہیں۔

***

خصوصیات و امتیازات "جامع ترمذی"

۱: کتاب کا بیک وقت جامع اور سنن ہونا:

یہ کتاب بیک وقت جامع بھی ہے اور سنن بھی، جامع اس لیے ہے کہ مختلف اصنافِ حدیث کو جمع کیا ہے، اور سنن اس لیے کہ اسے فقہی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔

۲: تکرار احادیث سے اجتناب:

اس کتاب میں صحیح بخاری وغیرہ دیگر کتب حدیث کی بنسبت احادیث کا تکرار بہت کم ہے۔

۳: مستدلات فقہاء کا مجموعہ:

اس میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امصار فقہاء کے بنیادی مستدلات کو جمع کیا ہے، اور ہر ایک کے لیے الگ باب قائم کیا ہے، ہر باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء کے مذاہب بالالتزام بیان کیے ہیں، جس کی وجہ سے یہ کتاب حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ کا بھی قابل قدر ذخیرہ بن گئی ہے۔

۴: درجہ استناد کی وضاحت:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہر حدیث کے بارے میں اس کا درجہ استناد بھی بیان کرتے ہیں، اور سند کی کمزوریوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اگر حدیث کی سند میں کوئی علت یا اضطراب ہو تو اس کی مفصل تشریح فرماتے ہیں۔

۵: احادیث حسان کا ذخیرہ:

بقول ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث حسن کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب کے ذریعے شہرت دی ہے۔

۶: تعارف رواۃ:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول ہے کہ وہ مشتبہ اور غیر معروف رواۃ کا تعارف بھی کراتے ہیں، بالخصوص جو راوی نام سے مشہور ہیں، ان کی کنیت اور جو کنیت سے مشہور ہیں، ان کا نام بیان فرماتے ہیں، تاکہ اشتباہ باقی نہ رہے، اور بعض اوقات اس پر بھی بحث کرتے ہیں کہ راوی کا مروی عنہ سے سماع بھی ہے یا نہیں۔

۷: حسن ترتیب و تسہیل تراجم ابواب:

''جامع ترمذی'' کی ترتیب بہت ہی عمدہ اور تراجم ابواب نہایت ہی سہل ہیں، اور اس سے حدیث کا تلاش کرنا بہت ہی آسان ہے۔

۸: معمول بہ روایات کے جمع کا اہتمام:

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی تمام روایات کسی نہ کسی فقیہ کے ہاں معمول بہ ہیں، صرف دو احادیث کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ کسی کے ہاں بھی معمول بہا نہیں ہیں، ایک بغیر عذر کے جمع بین الصلوتین، اور دوسری شارب خمر کے قتل کے سلسلہ میں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں یہ دونوں حدیثیں بھی معمول بہا ہیں، کیونکہ احناف پہلی حدیث کو جمع صوری پر اور دوسری حدیث کو سیاست پر محمول کرتے ہیں۔

۹: حدیث کے اخراج کا ایک انوکھا انداز:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ باب میں جس حدیث کا اخراج کرنا مقصود ہوتا ہے اس کو عموماً غیر مشہور اور غیر صحیح طریق سے لاتے ہیں، حالانکہ اس حدیث کے اور بھی معروف اور صحیح طرق ہوتے ہیں۔

صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے چند فوائد ذکر کیے ہیں:

۱: لوگ اس غیر مشہور حدیث سے بھی واقف ہو جائیں۔

۲: اس کی سند میں جو علت ہے اس پر بحث کر کے لوگوں کے سامنے اس علت کی وضاحت کر دی جائے۔

۳: اس حدیث کے متن میں جو زیادتی یا معنوی خوبی ہے جو کہ صحیح حدیث میں نہیں ہے، وہ بھی لوگوں کے سامنے آجائے۔

۱۰: علل ترمذی:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''العلل'' میں نہ صرف یہ کہ اپنی کتاب کا منہج ذکر کیا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ چند اور ضروری مباحث بھی کیے ہیں مثلاً: حدیث مرسل، روایت

بالمعنی، حدیث منکر، حدیث غریب، زیادۃ ثقات، معرفت رجال، اسناد کی اہمیت اور اپنی چند اصطلاحات کا مفہوم واضح کیا ہے۔

***

خصوصیات و امتیازات "سنن نسائی"

مستدلات فقہاء کے جمع کا اہتمام:

سنن ابو داود کی طرح سنن نسائی بھی مستدلات فقہاء کا بڑا ذخیرہ ہے، نیز امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے اشد ہونے کی وجہ سے اس میں مذکور مستدلات کی بڑی اہمیت ہے۔

استنباط مسائل میں دقت نظری:

احادیث سے استنباط مسائل میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طرز اختیار فرماتے ہیں کہ فقہی مسئلہ کا عنوان قائم کرتے ہیں، اور پوری دقت نظری کو کام میں لاتے ہوئے استنباط و استدلال کے ایسے انوکھے پہلو اجاگر کرتے ہیں جن کی جانب عموماً ذہن متوجہ نہیں ہوتا ہے۔

احادیث پر تفریعات:

ایک ہی باب میں حدیثوں کی تخریج کے دوران اس کثرت سے تفریعات ذکر کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ فقہاء کی آراء کے واسطے دلائل فراہم کر رہے ہیں، اس وجہ سے ایک ایک جزیہ کے لیے حدیثیں پیش کرتے وقت ایک حدیث کو مختلف ابواب میں بار بار لاتے ہیں، مثلاً حدیث نیت کو دس مرتبہ مکرر ذکر کیا ہے۔

اقوال فقہاء اور فتاوی:

فقہاء کے اقوال اور فتاوی لاتے ہیں، اگرچہ ان کی مقدار بہت کم ہے۔

محل استشہاد پر اکتفاء کرتے ہوئے اختصار احادیث:

بعض دفعہ باب میں لمبی حدیث میں سے صرف اتنے حصے کے اخراج پر اکتفاء کرتے ہیں جس کا باب سے تعلق ہوتا ہے، اور بقیہ حدیث کو اپنی سنن میں کہیں بھی نہیں ذکر کرتے۔

احادیث متعارضہ کی تخریج:

کسی باب میں جب احادیث متعارضہ مروی ہوں اور ان کے نزدیک ثابت بھی ہوں تو انصاف کے ساتھ وہ ان سب کی تخریج کرتے ہیں، تاکہ یہ بتلائیں کہ امت میں اس باب میں جو مختلف آراء ہیں، وہ سب سنت نبوی سے ثابت ہیں، مثلاً انہوں نے "اسفار بالفجر" اور "تغلیس

بالفجر" دونوں باب قائم کیے ہیں۔

فقہی ترتیب پر ابواب بندی:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ترتیب ابواب میں فقہی اسلوب غالب ہے، چنانچہ مزارعۃ، شرکۃ، تدبیر وغیرہ کے مضامین میں آپ نے یہی فقہی اسلوب اختیار فرمایا ہے، مثلا "كتاب المزارعة"، "كتاب الشركة" وغیرہ۔

اختلاف متون واسانید کی وضاحت:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اسانید اور متون میں رواۃ کے اختلافات کو بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، ان میں سے امام کے ہاں جو راجح ہوتا ہے، اس پر ترجیحی دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔

متون میں نقد و درایت:

آپ نے ان متون کی نقد و درایت کا کام بھی انجام دیا ہے جو بظاہر صحیح معلوم ہوتے ہیں، لیکن حقیقتا وہ معلول ہوتے ہیں۔

اسماء و کنی کی وضاحت:

اسماء کی کنیتیں اور کنیتوں کے اسماء جن کے آپس میں اختلاط کا خطرہ ہوتا، ان کی بھی وضاحت فرماتے ہیں۔

متصل و مسند روایات کا اہتمام:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ متصل اور مسند احادیث لانے کی پابندی کرتے ہیں، چناچہ ان کی سنن میں تعلیقات شاذ و نادر ہی ہوں گی۔

رجال پر کلام:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کبھی کبھی سند کے بعض رجال پر بھی جرح و تعدیل کی حیثیت سے کلام کرتے ہیں۔

اصطلاحات کا استعمال:

محدثین کے ہاں رائج فنی اصطلاحات میں سے بہت ساری اصطلاحات کو آپ نے بھی

استعمال کیا ہے، چناچہ بعض دفعہ اپنے پیش رو محدثین سے نقل کرتے ہوئے اور بعض دفعہ اپنی جانب سے ان اصطلاحی تعبیرات کا استعمال فرماتے ہیں، اہم اصطلاحات میں :منکر، محفوظ، لیس بثابت، وغیرہ اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔

***

خصوصیات و امتیازات "سنن ابن ماجہ"

شاندار مقدمہ سے کتاب کی ابتداء:

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کی ابتداء ایک شاندار مقدمہ سے کی، جس کی ترتیب نہایت عمدہ ہے، اس میں سنت کی اہمیت اور بدعت کے رد سے ابتداء کی ہے، تاکہ قاری کے دل میں شروع ہی سے سنت پر اطلاع کی رغبت پیدا ہو جائے، اور اصول توحید و دین کا خوگر ہو جائے، پھر ہر ہر امر میں مذکور سنت طریقے سے واقف ہوتا چلا جائے۔

احادیث ضعیفہ کا ذکر:

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں ضعیف احادیث بھی خاصی مقدار میں لے آئے ہیں، تاکہ پڑھنے والے کے سامنے اس باب میں مذکور ضعیف احادیث ہوں، اور اسے وسعت اطلاع کا فائدہ حاصل ہو، اور اہل فن پر مخفی نہیں ہے کہ بسا اوقات یہ ضعیف روایات بھی متابعات و عواضد سے قوت پاکر قابل استدلال روایات کے زمرے میں آجاتی ہیں۔

حسن ترتیب:

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تراجم ابواب کی عمدگی و جامعیت اور ترتیب و تنسیق کی خوبی میں ممتاز ہے، بعض حضرات نے صحاح ستہ میں شامل کرنے کی وجہ اسی عمدگی ترتیب کو قرار دیا ہے۔

عدم تکرار:

احادیث کو بلا تکرار بیان کرنے اور حسن ترتیب و اختصار کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کی ہمسر نہیں ہے۔

زوائد کی کثرت:

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں بہت سی ایسی روایات بھی لائے ہیں، جو ارباب صحاح ستہ میں سے کسی اور نے ذکر نہیں کیں، زوائد کی یہ کثرت ان کی کتاب کی ایک بڑی خصوصیت شمار ہوتی ہے۔

خصوصیات و امتیازات "موطأامام مالک"

صحیح روایات کے جمع کا اہتمام:

صحت حدیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اہتمام مشہور و معروف ہے، اسی بناء پر بعض حضرات نے موطأامام مالک کو صرف صحیح روایات پر مشتمل پہلی کتاب قرار دیا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول (جو صحیح بخاری کی تالیف سے پہلے کا ہے) مشہور ہے کہ "ماعلی الأرض کتاب بعد کتاب اللہ أصح من کتاب مالك" یعنی روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد موطأامام مالک سے صحیح کتاب اور کوئی نہیں۔

مشہور رواۃ سے روایات لانے کا اہتمام:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شرط میں شہرت بطلب الحدیث بھی داخل ہے، لہذا وہ عموما ان رواۃ سے روایت لاتے ہیں جن کا علوم الحدیث سے اعتناء مشہور ہوتا ہے، تو غیر معروف رواۃ سے روایت لانے سے اجتناب کرتے ہیں۔

فقاہت مؤلف کی اہمیت:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے فقیہ اور امام متبوع بھی ہیں، لہذا ان کی روایات کی اہمیت ان کی فقاہت و جلالت شان کی وجہ سے مزید بڑھ جاتی ہے۔

علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں محدثین کے ہاں فقہاء کی روایات غیر فقیہ محدثین کے مقابلہ میں زیادہ مرغوب ہیں۔

فقہی ابواب پر مرتب شدہ پہلی کتاب:

مؤطا امام مالک کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ یہ فقہی ابواب پر مرتب شدہ حدیث کی پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔

احادیث متعارضہ میں ترجیح کا اہتمام:

متعارض احادیث میں ترجیح کے معاملے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنا منہج یہ بیان کیا ہے کہ ان میں سے اگر کسی حدیث کے موافق شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا عمل یا

قول ہو تو اس کو ترجیح دیتے ہیں، اور دوسری کو چھوڑ دیتے ہیں۔

مسائل فقہیہ اور اجتہادات:

یہ کتاب تقریبا تین ہزار مسائل میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی آراء پر مشتمل ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ باب باندھ کر باب کی مناسبت سے مسائل فقہیہ اور اپنے اجتہادات ذکر کر دیتے ہیں، کوئی موقوف یا مرفوع حدیث اس میں ذکر نہیں کرتے۔

بلاغات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بعض روایات بلا سند لاتے ہیں اور اس کے لیے "بلغنی" کی تعبیر استعمال کرتے ہیں، لہذا ان روایات کو بلاغات امام مالک کہا جاتا ہے، یہ تمام بلاغات بھی سند متصل سے ثابت ہیں۔

***

خصوصیات و امتیازات "شرح معانی الآثار"

کثرت اسانید کا اہتمام:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث کو بہت ساری سندوں سے لاتے ہیں، جس کے نتیجے میں دوسری کتابوں میں موجود احادیث کے سند و متن سے متعلق اس کتاب میں کچھ ایسی مفید زائد باتیں حاصل ہو جاتی ہیں جو ان احادیث کے سمجھنے میں یا ان میں پائی جانے والی علتوں کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں، مثلا:

(ا) نفس تعدد اسناد جس کی وجہ سے حدیث کو قوت حاصل ہوتی ہے یا اس کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(ب) کوئی حدیث دوسری کتاب میں ضعیف اور ناقابل استدلال سند سے مروی ہوتی ہے اور یہاں اس کی قوی سند مل جاتی ہے۔

(ج) کوئی حدیث دوسری کتاب میں مدلس کے عنعنہ کے ساتھ مروی ہوتی ہے، جو اس کتاب میں اسی مدلس کے طریق سے مذکور ہوتی ہے اور اس میں سماع کی تصریح ہوتی ہے، چنانچہ اس وجہ سے تدلیس کا خطرہ زائل ہو جاتا ہے۔

(د) کوئی حدیث دوسری کتاب میں کسی مختلط راوی کے طریق سے مروی ہو، جس سے اس کے شاگرد نے زمانہ اختلاط میں حدیث لی ہو، اور وہی حدیث امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے شاگرد کے طریق سے نقل کی ہو جس نے اس مختلط سے زمانہ اختلاط سے پہلے علم حاصل کیا ہو، چنانچہ یہ واضح ہو جائے گا کہ مختلط نے اس حدیث میں کوئی غلطی نہیں کی ہے۔

(ہ) کوئی حدیث دوسری کتاب میں ارسال یا انقطاع کے ساتھ مروی ہو یا موقوفا منقول ہو جبکہ وہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں متصل اور مرفوع بھی ہو سکتی ہے۔

(و) ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی حدیث دوسری کتاب میں ایسے راوی کے طریق سے ہو جس کو اس میں مبہم یا مہمل چھوڑ دیا ہو اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں اس راوی کی تعیین کر دی جائے۔

(ز) اس طرح خلط ملط ہو جانے والے اسماء اور القابات اور کنیتوں کی بھی امتیاز آسان ہو جاتا ہے۔

(ح)اضطراب، یا رفع ووقف اور وصل وارسال کا اختلاف بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

(ط)اسنادی فوائد کے علاوہ متن کے متعلق فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں، چنانچہ ایک حدیث ایک کتاب میں مختصر ہوتی ہے اور یہاں مفصل، دوسری میں مجمل ہوتی ہے تو اس میں مفسر، دوسری میں مطلق ہوتی ہے تو اس میں مقید وغیرہ متعدد فوائد حاصل ہو جاتے ہیں۔

نادر احادیث کا اجتماع:

اس کتاب میں ایسی بہت سی احادیث موجود ہیں جو کہ دوسری امہات الکتب میں موجود نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "اتحاف المهرة باطراف المسانيد العشرة" میں اس کتاب کی ان زائد احادیث کو بھی ذکر کیا ہے جو کتب ستہ میں نہیں ہیں۔

آثار صحابہ وتابعین اور اقوال ائمہ:

اس کتاب میں بہت سے آثار صحابہ وتابعین اور اقوال ائمہ پائے جاتے ہیں جو دوسری کتب میں نہیں ہوتے، اور ان کی مدد سے مراد حدیث تک پہنچنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

رفع تعارض کے مختلف اسالیب:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غرض باہم متعارض روایات میں ترجیح یا تطبیق یا نسخ کی تعیین وغیرہ کے ذریعے تعارض کو دور کر کے مذکورہ حدیث کی مراد کی تعیین بھی ہے، اس رفع تعارض میں بسا اوقات ائمہ کی آراء بالسند ذکر کرتے ہیں۔

استنباط واستدلال میں دقت نظری:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ مسائل فقہیہ کے تحت متعدد روایات لا کر پوری دقت نظری سے استنباط احکام کے ایسے مختلف پہلو اجاگر کرتے ہیں جن کی جانب عموماً ذہن متوجہ نہیں ہوتا۔

***

مؤلفین صحاحِ ستہ کے مشائخ (مکثرین)

معرفت شیوخ کا طریقہ کار:

محدثین کے شیوخ کی شناخت کی ابتداء تین طرح سے کی جاتی ہے۔

- ان میں سے عمر، ووفات کے اعتبار سے اقدم کو پہچاننا۔
- ان میں سے مشاہیر کو پہچاننا۔
- ان میں سے ان شیوخ کو پہچاننا جن سے مصنف اکثر روایت لیتے ہیں۔

تو پہلے دو طرح کے شیوخ کو پہچاننا قدرے آسان ہے کہ تاریخ وفات اور طبقات کی تعیین جو حافظ ذہبی، ابن حجر رحمہا اللہ وغیرہ حضرات کرتے ہیں، ان سے اقدم کا پتا چل جاتا ہے، اور بعض اوقات وہاں تصریح بھی ہوتی ہے کہ اس راوی کے اقدم شیوخ فلاں اور فلاں ہیں، اسی طرح مشاہیر اپنے مشہور ہونے کی وجہ سے پہچان میں آجاتے ہیں۔

لیکن مصنف جن سے بکثرت روایت کرتے ہیں، ان کی تصریح ہمیں وہاں نہیں ملتی، بلکہ عموماً اسماء الرجال کی کتب میں سب شیوخ کے اسماء یکجا لکھے ہوئے ہوتے ہیں چاہے مصنف نے ان سے ایک ہی روایت کیوں نہ لی ہو، اور ہر ہر کتاب کی جمیع روایات کو دیکھ کر شمار کرنا اور یہ فیصلہ کرنا کہ کس راوی سے زیادہ روایت کی گئی ہے، یہ بھی ایک بہت طویل اور پر مشقت کام ہے، حالانکہ محدثین کے ان شیوخ کو پہچاننا جن سے وہ بکثرت روایت لیتے ہیں اس کا ان محدث کی سند کی معرفت میں بڑا کردار ہے، اور وجہ یہ ہے کہ اساتذہ ومشائخ دو طرح کے ہوتے ہیں۔

۱- وہ شیوخ جن کی مجلس میں ایک دو یا چند بار جانے کا اتفاق ہوا اور ان سے چند احادیث سن لیں۔

۲- وہ شیوخ جن کے ساتھ بکثرت اٹھنے بیٹھنے، پاس رہنے کا اتفاق ہوا حتی کہ ان سے احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ لے لیا اور ان کی احادیث کو سفر وحضر میں ہمنشینی کی وجہ سے اچھی طرح سے پہچان لیا۔

طول صحبت اور مستقل رفاقت کی محدثین کے ہاں اہمیت:

تو یہ جو دوسری صورت ہے کہ طول ملازمت، کثرت مجالست اور سفر وحضر کی ہمنشینی اس سے ان محدثین کی احادیث کی معرفت میں جو اتقان پیدا ہوتا ہے وہ ایک دو بار کی ملاقات سے حاصل نہیں ہوتا، لہذا محدثین کے ہاں اس طول ملازمت کی بھی بڑی قدر وقیمت ہے، علامہ حازمی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیں کہ انہوں نے تلامذہ کے پانچ طبقات قائم کئے ہیں اور ان پر محدثین کی شروط کی بنیاد رکھی ہے، ان طبقات کی تقسیم میں ضبط وعدالت کے علاوہ بنیادی عنصر کیا ہے؟ وہ یہی طول ملازمت اور ممارست ہے۔

تو اب مصنف کے بھی چند شیوخ ایسے ہوتے ہیں جن کی رفاقت کا ایک لمبا زمانہ اسے میسر آیا ہوتا ہے جیسا کہ حافظ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں سعید ابن المسیبؒ کے گھٹنوں سے گھٹنا ملا کر آٹھ سال تک بیٹھا ہوں، یا میں عروۃ اور عبید اللہ بن عبد اللہ اور عبد الرحمن بن ابی بکر رحمہم اللہ کے پاس مسلسل بیٹھتا رہا یہاں تک کے میں فقیہہ ہو گیا۔

مکثرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو تلامذہ شمار کروائے ہیں وہ ایسے ہی تلامذہ ہیں تو ان کو دیکھیں انہوں نے کیسے ایک زمانہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں گذارا ہے۔

پھر صحاح ستہ کے مؤلفین کے ایسے شیوخ کو دیکھ لیں مثلا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہی شیوخ کو ہی دیکھیں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ یہ تو بس بیس کے قریب شیوخ ہیں جن کے گرد سنن ترمذی کی اسانید دائر ہیں، ان میں سے بھی نو (۹) شیوخ ایسے ہیں جن سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس کثرت سے روایات لائے ہیں کہ ان کی روایات کی مجموعی تعداد نصف کتاب سے بھی زائد ہے، تو ان نو حضرات کو پہچان لینا کیا دشوار بات ہے؟ کہ اگر حدیث پڑھانے والے استاد یا پڑھنے والے شاگرد کو صرف نو اشخاص کی معرفت سے نصف کتاب سے زیادہ میں شیوخ مصنف کا مرحلہ سمجھ آجاتا ہے تو یہ بہت کامیابی کا سودا ہے۔

اس مختصر رسالہ میں ہم صحاح ستہ کے مشائخ مکثرین کا مفصل تعارف ذکر کریں گے تاکہ ان کی معرفت اور اس معرفت کی بناء پر ان کی اسانید کی معرفت سہل ہو سکے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مکثر مشائخ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ کثیر ہیں اور أكثرهم رواية کی تعیین یہاں قدرے دشوار ہے، اس لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "هدى الساري" میں امام بخاریؒ کے شیوخ کا تعارف پانچ طبقات میں تقسیم کر کے کروایا ہے، وہ پانچ طبقات درج ذیل ہیں۔

تابعین سے روایت کرنے والے۔

وہ شیوخ جو اسی زمانے کے ہیں لیکن ثقات تابعین سے روایت نہیں کرتے۔

وہ شیوخ جن کی تابعین سے ملاقات نہیں ہے لیکن تبع تابعین میں سے کبار رواۃ سے روایت کرتے ہیں۔

طلب حدیث میں امام بخاریؒ کے رفقاء کا طبقہ۔

وہ حضرات جو عمر واسناد کے اعتبار سے درحقیقت امام بخاریؒ کے تلامذہ کے درجے کے ہیں، لیکن کسی فائدہ کے حصول کے لئے امام بخاریؒ ان سے روایت لائے ہیں۔

ان پانچوں طبقات کے رواۃ کی تفصیل "هدى الساري" سے دیکھی جاسکتی ہے۔ پھر حافظ صاحب "تهذيب التهذيب" میں "زهرة" نامی کتاب کے حوالے سے بتایا کرتے ہیں کہ اس راوی سے امام بخاریؒ یا امام مسلمؒ اپنی صحیح میں کتنی روایات لائے ہیں، اس کتاب کا پورا نام "زهرة المتعلمين في أسماء مشاهير المحدثين" ہے، حافظ مغلطائی حنفیؒ کی کتب بھی اس کے حوالوں سے بھری ہوئی ہیں، لیکن آج کل مفقود ہے، بہر حال حافظ صاحب نے "تهذيب التهذيب" میں جو ذکر کیا ہے اسے بنیاد بنا کر اور کچھ مزید تحقیق و تلاش کے بعد امام بخاریؒ کے وہ شیوخ جن سے بکثرت روایت لیتے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے، جن کے ہم تین درجات بنا سکتے ہیں۔

امام بخاریؒ کے مکثر مشائخ کا پہلا درجہ:

(وہ شیوخ جن سے دو سو سے زائد روایات لائے ہیں:)

١. عبدالله بن يوسف التنيسي ٣٥٠ روايات تقريبا.

٢. قتيبة بن سعيد بن جميل ٣٠٨ روايات.

٣. علی بن عبدالله المدینی ٣٠٣ روایات.
٤. محمد بن بشار المعروف بندار ٢٠٥ روایات.
٥. أبو الیمان الحکم بن نافع.
٦. عبدالله بن محمد المسندي

امام بخاری کے مکثر مشائخ کا دوسرا درجہ:

(وہ شیوخ جن سے سو سے دو سو کے درمیان روایات لائے ہیں)

١. أبونعیم الفضل بن دکین.
٢. أبوالولید هشام بن عبدالملک الطیالسی.
٣. سلیمان بن حرب.
٤. عبدالله بن مسلمة القعنبي.
٥. عبدالله بن عثمان بن جبلة.
٦. موسي بن إسماعیل التبوذکي.
٧. محمد بن المثني.

امام بخاری کے شیوخ مکثرین کا تیسرا درجہ:

(وہ شیوخ جن سے پچاس سے سو کے درمیان روایات لائے ہیں)

١. عبد العزیز بن عبد الله الأویسي.
٢. عبد الله بن الزبیر الحمیدي.
٣. إبراهیم بن موسی.
٤. إبراهیم بن المنذر.
٥. محمد بن یوسف الفریابي.
٦. محمد بن کثیر.
٧. حفص بن عمر.

***

امام مسلمؒ کے مکثر مشائخ

١. عبدالله بن محمد بن أبی شیبة. ١٥٤٠ روایات.
٢. زهیر بن حرب ١٢٨١ روایات.
٣. محمد بن مثنی ٧٧٣ روایات.
٤. قتیبة بن سعید ٦٨٦ روایات.
٥. محمد بن عبدالله بن نمیر ٥٧٣ روایات.
٦. محمد بن العلاء الهمدانی٥٥٦ روایات.
٧. محمد بن بشار ٤٦٠ روایات.
٨. محمد بن رافع بن أبی زید ٣٦٢ روایات.
٩. محمد بن حاتم بن میمون البغدادی ٣٠٠ روایات.
١٠. علی بن حجر بن أیاس ١٨٨ روایات.

***

امام نسائیؒ کے مکثر مشائخ

١. قتيبة بن سعيد ٦٧٧ روايات.
٢. إسحاق بن إبراهيم بن مخلد المعروف بابن راهويه ٣٤٤ روايات.
٣. عمرو بن علي الفلاس ٢٠٨ روايات.
٤. سويد بن نصر بن سويد ٢٠٨ روايات.
٥. محمد بن المثني ١٩٣ روايات.
٦. محمد بن بشار (بندار) ١٨٦ روايات.
٧. محمد بن عبدالأعلى الصنعاني ١٥٩ روايات.
٨. إسماعيل بن مسعود أبومسعود دمشقى ١٤٧ روايات.
٩. حارث بن المسكين ١٤٠ روايات.
١٠. علي بن حجر السعدي ١٣٧ روايات.
١١. يعقوب بن إبراهيم بن سعد الزهري ١١٥ روايات.
١٢. محمد بن سلمة بن أبي فاطمة المرادي ١٠٩ روايات.
١٣. محمد بن منصور بن داؤد الطوسي ١٠٨روايات.
١٤. هناد بن السري ٧٤ روايات.
١٥. محمود بن غيلان المروزي ٧٢ روايات.

***

امام ابوداودؒ کے مکثر مشائخ

١. مسدد بن مسرهد البصري ٥٣٩ روايات.
٢. عبدالله بن مسلمة القعنبي ٣٣٦ روايات.
٣. موسى بن إسماعيل التبوذكي. ٣١٤ روايات.
٤. عثمان بن أبي شيبة ٢٨٢ روايات.
٥. الإمام أحمد بن محمد بن حنبل ٢٢٩ روايات.
٦. قتيبة بن سعيد ١٥٥ روايات.
٧. أحمد بن صالح المصري١٤٩ روايات.
٨. عبدالله بن محمد النفيلي ١٤٢ روايات.
٩. حسن بن على الحلواني ١٣٢ روايات.
١٠. محمد بن كثير العبدي ١٢٩ أحاديث.
١١. مسلم بن إبراهيم الفراهيدي ١٠٨ روايات، وهو أكبر شيخ لأبي داود كذا في التقريب.
١٢. محمد بن مثنى البصري ١٠٠ أحاديث.
١٣. حفص بن عمر بن الحارث ٩٨ روايات.
١٤. محمد بن العلاء بن كريب الهمداني(أبوكريب الكوفي) ٨٥ روايات
١٥. أحمد بن عمرو بن السرح المصري ٨٠ روايات.
١٦. محمد بن يحيى بن عبدالله بن خالد الذهلى ٧١ روايات.
١٧. محمد بن بشار البصري (بندار) ٦٨ روايات.
١٨. سليمان بن حرب ٦٤ روايات.
١٩. هناد بن السرى بن مصعب (أبوالسرى الكوفي) ٦٦ روايات.
٢٠. إبراهيم بن موسى الفراء الرازي ٥٥روايات.

***

امام ترمذیؒ کے مکثر مشائخ

١. قتيبة بن سعيد ٦٠٦ روايات.
٢. محمد بن بشار ٤٣٢ روايات.
٣. محمود بن غيلان ٢٩٣ أحاديث.
٤. هناد بن السري ٢٦٣ أحاديث
٥. أحمد بن منيع البغوى ٢٦٠ أحاديث.
٦. محمد بن يحيى بن أبي عمر العدنى١٧٤ روايات.
٧. محمد بن العلاء الهمداني (أبوكريب كوفي) ١٧٧ روايات
٨. على بن حجر السعدي ١٦٣ روايات.
٩. عبدبن حميد الكشي ١٥٧ روايات.
١٠. إسحاق بن موسي بن عبدالله الخطمي ٨٩ روايات.
١١. حسن بن علي الخلال ٧٢ روايات.
١٢. حسن بن علي بن محمد الحلواني ٧٢ روايات.
١٣. سويد بن نصر المروزي ٧٠روايات.
١٤. حسين بن حريث الخزاعي ٦٤ روايات.
١٥. عبدالله بن عبدالرحمن الدارمي ٦٢ روايات.
١٦. محمد بن المثنى ٦٢ روايات.
١٧. نصر بن علي بن نصر الجهضمي ٥٧ روايات.
١٨. سفيان بن وكيع بن الجراح ٥٣ روايات.
١٩. إسحاق بن منصور الكوسج ٥٣ روايات.
٢٠. عبدالله بن سعيد بن حصين الكندي ٤٦ روايات.

امام ابن ماجہؒ کے مکثر مشائخ

١. عبدالله بن محمد بن أبي شيبة (أبوبكر بن أبي شيبة) ١٠٩٩ روايات.
٢. علي بن محمد بن إسحاق الطنافسي ٤٨٣ روايات.
٣. هشام بن عمار بن نصير السلمي ٣٢٥ روايات.
٤. محمد بن بشار (بندار) ٢٣٢ روايات.
٥. محمد بن يحيى بن عبدالله الذهلي ٢١٣ روايات.
٦. محمد بن الصباح بن سفيان الجرجرائي ١٤٧ روايات.
٧. محمد بن عبدالله بن نمير الهمداني ١٠٩ روايات.
٨. محمد بن العلاء بن كريب (أبوكريب الكوفي) ١٠٤ روايات.
٩. محمد بن رمح بن مهاجر التجيبى ١٠٠ روايات.
١٠. عبدالرحمن بن إبراهيم أبوسعيد دمشقي ٨٨ روايات.
١١. سويد بن سعد بن سهل الهروي ٢٤٠ روايات.
١٢. نصر بن علي بن نصر الجهضمي ٧٩ روايات.
١٣. بكر بن خلف البصري ٦٥ روايات.
١٤. يعقوب بن حميد كاسب المدني ٦١ روايات.
١٥. حرملة بن يحيى بن حرملة ٤٩ أحاديت.
١٦. محمد بن المثنى ٤٥ روايات.
١٧. عبدالله بن سعيد بن حصين الكندي(أبوسعيد الأشج) ٤٤ روايات.
١٨. عثمان بن محمد بن إبراهيم العبسي (ابن شيبة) ٤٢ روايات.
١٩. إسحاق بن منصور بن بهرام الكوسج ٤١ احاديث.

صحیح بخاری کے علاوہ باقی حضرات کے ان شیوخ میں سے پہلے ۱۰ کی ہی روایات کو اگر جمع کیا جائے تو یہ عموماً نصف کتاب سے زیادہ ہو جاتی ہیں، اور بیس شیوخ کی روایات کی مجموعی مقدار دو تہائی کتاب کے قریب پہنچ جاتی ہے۔

***

مشائخ تسعہ

مشائخ تسعہ سے مراد وہ حضرات ہیں جن سے صحاح ستہ کے تمام مؤلفین نے بلاواسطہ روایت کی ہے۔

ایسے شیوخ جن سے صحاح ستہ میں شامل تمام کتب کے مؤلفین نے بلاواسطہ روایت نقل کی ہے وہ نو(۹)ہیں۔

١. محمد بن المثنى بن دينار العنزي
٢. محمد بن بشار بن عثمان بن داؤد بن كيسان العبدي الملقب ببندار
٣. محمد بن العلاء بن كريب الهمذاني الملقب بأبي كريب
٤. محمد بن معمر بن ربعي أبو عبد الله القيسي البصري البحراني
٥. زياد بن يحيى أبو الخطاب البصري النكري الحساني
٦. عبد الله بن سعيد بن حصين الكندي الملقب بأبي سعيد الأشج
٧. عمرو بن علي بن بحر أبو حفص الفلاس الصيرفي الباهلي
٨. نصر بن علي بن نصر الصغير الجهضمي
٩. يعقوب بن إبراهيم الدورقي،القيسى

علامہ ذہبیؒ نے اس شعر میں انہیں جمع کیا ہے:

يعقـــــوب العنـــــبرى الجـــــوهري هـــــم
مشـــــائخ الســـــتة أعـــــرفهم بإحســـــان
بنـــــدار ابـــــن المثنـــــى الجهضـــــمى أبـــــو
ســـــعيد، عمـــــرو وقيســـــى وحســـــانى

لیکن اس میں ابو کریب رہ گئے لہذا ابدر ابن سلامۃ نے اس پر ذیل لکھا:

وأبـــــو كريـــــب رووا عنـــــه بأجمعهـــــم
والفـــــيريابي قـــــل شـــــيخ لهـــــم ثان

پھر ابن ناصر الدین دمشقی نے انہیں یکجا یوں ذکر کیا:

روي خ م د ت ن ق عن مشائخ عشرة
هم العنزي الجهضمي ابن معمر
وبندار والفلاس يعقوب دورقِ
اشج زياد ابن العلاء جوهري

ان سب اشعار میں جوہری سے مراد ابراہیم بن سعید جوہری ہیں۔ لیکن صحیح بخاری میں امام بخاریؒ کی ان سے روایت ثابت نہیں، البتہ امام مسلمؒ اور اصحاب السنن نے ان سے روایت کی ہے، درست بات یہ ہے کہ یہ نو حضرات ہیں۔

قریبی دور کے عالم شیخ اثیوبی نے سنن نسائی و مسلم کی اپنی شروح میں انہیں یوں نظم کیا ہے:

في الأخذ عن تسع شيو مهرة
لحافظين الناقدين الببررة
أولئك الأشج وابن معمر
نصر ويعقوب وعمرو السري
وابن العلاء وابن بشار كذا
ابن المثني و زياد يحتذي

فائدہ حدیثیہ پر مشتمل یہ اشعار صاحب ذوق کے لئے جواہرات سے کہیں زیادہ قیمتی ہیں، اور قیمت زر تو زر گر ہی جانتا ہے۔

***

رواہ الجماعۃ کی اصطلاح

محدثین نے جب کسی روایت کے بارے میں یہ بتانا ہو کہ وہ تمام ارباب صحاح ستہ نے نقل کی ہے تو اس کے لئے "رواه الجماعة" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، اور اگر ان حضرات میں سے کسی ایک نے نہ نقل کی ہو تو الا کے ذریعے ان کا استثناء کرتے ہیں، مثلا یوں کہتے ہیں "رواه الجماعة إلا البخاري یا رواه الجماعة إلا مسلم" تو اس اعتبار سے ہم ان شیوخ کا جائزہ بھی لے سکتے ہیں جن سے ارباب صحاح ستہ میں سے کسی ایک نے اپنی کتاب میں روایت نقل نہیں کی اور باقی سب نے نقل کی ہے۔ بطور مثال چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

شيخ الجماعة إلا البخاري:

١. إبراهيم بن سعيد جوهري.

شيوخ الجماعة إلا مسلم:

١. حسن بن محمد بن الصباح الزعفراني، أبوعلي البغدادي.
٢. زيد بن أخزم الطائي النبهاني.
٣. عبدة بن عبدالله بن عبدة الصفار الخزاعي.
٤. محمد بن أبي إبراهيم أبان بن وزير البلخي حمدويه، أبوبكرالمستملي.
٥. أبو محمد يحي بن عبدالله بن خالد الذهلي

شيوخ الجماعة إلا النسائي:

١. أحمد بن سعيد بن صخر الدارمي.
٢. حسن بن علي بن محمد الهذلي الخلال أبوعلي الحلواني.
٣. أحمد بن أبي بكر أبو مصعب الزهري المدني.

ان سے امام نسائیؒ نے بالواسطہ روایت نقل کی ہے۔

شيوخ الجماعة إلا أبي داود:

١. إسحاق بن منصور بن بهرام الكوسج.
٢. محمود بن غيلان العدوي المروزي.

شيخ الجماعة إلا الترمذي:

ایسا کوئی راوی مجھے معلوم نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

شيخ الجماعة إلا ابن ماجة:

١. قتيبة بن سعيد بن جميل بن طريف الثقفى.

***

امام بخاریؒ کے مکثر مشائخ

(۱)دوسو سے زائد روایات والے شیوخ

۱. عبد الله بن يوسف التنيسي

۲. قتيبة بن سعيد

۳. علي بن عبد الله المديني

۴. محمد بن بشار بندار

۵. أبو اليمان الحكم بن نافع

۶. عبد الله بن محمد المسندي

***

عبدالله بن يوسف التنيسى

الإسم	أبو محمد، عبدالله بن يوسف التنيسى الكلاعي، الدمشقي.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	الدمشقي التنيسى.
الرتبة	ثقة متقن.
الوفاة	٢١٨هـ من كبار العاشرة.

حالات

یہ اصلا دمشق کے رہنے والے تھے، کلاع (بفتح اللام والکاف) ایک قبیلہ ہے جو شام میں آباد تھا، پھر تینس (بکسر التاء وتشدید النون) چلے گئے تھے جو مصر کا ایک علاقہ ہے۔

امام مالک ولیث بن سعد وغیرہ کے خاص شاگرد ہیں، امام بخاریؒ، یحی بن معینؒ، ذہلیؒ وغیرہ کے استاد ہیں۔ امام مالکؒ کی خدمت میں ایک عرصے تک رہے، یحی بن معینؒ فرمایا کرتے تھے کہ موطا کے ناقلین میں اثبت ترین ہیں، ایک بار فرمایا کہ روئے زمین پر موطأ کے ناقلین میں ان سے اثبت کوئی نہیں، ایک بار ان کے ساتھ عبداللہ بن مسلمہؒ کا تذکرہ بھی کیا۔

امام بخاریؒ نے ان کو "أثبت الشامين" کہا ہے، امام بخاریؒ ان کے خاص تلامذہ میں سے تھے، امام بخاریؒ سے کہا کرتے کہ میری کتب کا مطالعہ کرتے رہیں اور ان میں جو غلطیاں ہیں ان پہ ہمیں مطلع کیا کریں، امام بخاریؒ کی شدت احتیاط اور سخت ترین شرائط کے باوجود صحیح بخاری میں ان سے تین سے زائد روایات نقل کرنا بھی ان کی جلالت شان پر دلالت کرتا ہے۔ ۲۱۸ھ کو مصر میں آپ کا انتقال ہوا۔[1]

***

(١) سير أعلام النبلاء: ١٠/٣٥٧، مؤسسةالرسالة- تهذيب التهذب: ٤/٢٢٢، دارالحديث قاهرة- شذرات الذهب، ٣/٩٠ دار ابن كثير- تقريب التهذيب: ٣٣٠ دار الرشيد.

قتيبة بن سعيد

الاسم	أبو رجاء قتيبة بن سعيد بن جميل بن طريف الثقفي البلخي البغلاني.
الشهرة	قتيبة بن سعيد الثقفي.
المسكن	بغلان افغانستان حاليا.
الرتبة	ثقة ثبت.
الوفاة	٢٤٠ هـ.

حالات

یہ بلخ کے علاقے بغلان کے رہنے والے تھے جو موجودہ دور میں افغانستان کا علاقہ ہے پھر بغداد میں ایک عرصہ تک رہے ہیں، پہلے علم رائے میں مشغول تھے، فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک مشکیزہ اترا جس نے مشرق تا مغرب کے علاقے کو گھیر لیا اور لوگ بڑھ بڑھ کر اس مشکیزے میں جو چیز تھی اسے حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن کامیاب نہیں ہوتے، میں نے آگے بڑھ کر کوشش کی تو میں کامیاب ہو گیا، صبح اٹھ کر ایک بزرگ جو خوابوں کی تعبیر کے ماہر تھے، ان کی خدمت میں گئے، تو وہ کہنے لگے بیٹا تم علم حدیث حاصل کرو، کیونکہ یہ وہ علم ہے جو مشرق ومغرب تک پھیل جائے گا، پھر یہ علم حدیث میں مشغول ہوئے، اور ان کے خواب کی تعبیر آج کھلی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے کہ اصحاب صحاح ستہ کے بڑے استاد ہیں جن سے سب نے بکثرت روایات لی ہیں، امام ابن ماجہؒ کے علاوہ باقی تمام حضرات صحاح ستہ ان کے براہ راست شاگرد ہیں، البتہ امام ابن ماجہؒ نے ان سے بالواسطہ روایت لی ہے۔

امام بخاریؒ کو ان سے نہ صرف خاص تلمذ حاصل ہے، بلکہ امام بخاریؒ کی قابلیت کے بھی معترف تھے، امام بخاریؒ کے متعلق فرماتے ہیں:"جالست الفقهاء والزهاد والعباد فما رأيت منذ عقلت مثل محمد بن إسماعيل، وهو في زمانه مثل عمر في الصحابة"،"میں بہت سے فقہاء، زہداء کے پاس بیٹھا ہوں مگر جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے محمد بن اسماعیل جیسا کوئی

نہیں دیکھا، ان کا مقام اپنے زمانے میں ایسا ہے جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام دیگر صحابہ کے درمیان"، امام بخاری نے ان سے صحیح بخاری میں تقریباً ۳۰۸ روایات نقل کی ہیں۔

ان کا زمانہ تدریس بہت طویل ہوا ہے، اس لیے ان کا فیض خوب پھیلا، حمیدی بھی ان کے شاگردوں میں سے ہیں اور محمد بن فضل الواعظ بھی، اور ان دونوں میں ۹۸ (اٹھانوے) سال کا فاصلہ ہے، ۲۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[1]

***

(١) سير أعلام النبلاء: ١١/١٣، مؤسسة الرسالة- تهذيب التهذب: ٥/٤٤١، دارالحديث قاهرة، شذرات الذهب: ٣/١٨٢ دارإبن كثير.

علي بن عبد الله المدينى

الإسم	ابو الحسن على بن عبد الله بن جعفر البصرى.
المسكن	بصره، مدينه.
الولادة	١٦١ هـ.
الرتبة	ثقة ثبت إمام، أعلم أهل عصره بالحديث وعلله.
الوفاة	٢٣٤ هـ.

حالات

آپؒ بصرہ میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے باپ دادا دونوں محدثین میں سے تھے، چنانچہ اس علمی ماحول میں آپ کی تعلیم وتربیت شروع ہوئی، لیکن ابھی آپ مبتدی طالب علم تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، والد کے انتقال کے بعد والدہ نے ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا۔

یحی بن سعید القطان، ابن عیینہ اور عبد الرحمن بن مہدی رحمہم اللہ جیسے حضرات سے شرف تلمذ حاصل ہوا، اور امام بخاریؒ اور ابو زرعہ رازیؒ جیسے حضرات ان کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

ان کے زمانے میں علل حدیث اور علم الرجال میں ان کے پائے کا کوئی نہ تھا، بلکہ لوگ انہیں امام احمدؒ پر بھی ترجیح دیتے تھے، حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: إليه المنتهى في معرفة علل الحديث، یحی بن سعید القطانؒ جو ان کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں وہ ان کے متعلق فرماتے ہیں: أتعلّم منه أكثر مما يتعلم منّي، اور یہی قول ان کے متعلق ابن عیینہؒ سے بھی مروی ہے۔

امام بخاریؒ کی علمی وفکری تربیت میں ان کا بڑا کردار ہے، امام بخاریؒ ان کے علمی مرتبے اور جلالت شان کے بڑے معترف تھے فرمایا کرتے تھے: "مااستصغرت نفسى أمام أحد إلا ابن المدينى" یعنی کہ میں نے کسی کے سامنے خود کو حقیر خیال نہیں کیا سوائے علی بن المدینی کے (کہ ان کی جلالت شان اور وسعت علمی کے سامنے مجھے اپنا آپ کم درجہ کا ہی محسوس ہوا)۔

خلق قرآن کے مسئلے میں انہیں بھی کئی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، جب ظالموں کے ظلم کی

تاب نہ لاسکے تو ظاہر اکچھ عرصے کیلئے ان کی بات کو تسلیم کر لیا، جس کے نتیجے میں امام احمدؒ حافظ ابو زرعہ رازیؒ سمیت کئی محدثین نے ان سے روایت لینا چھوڑ دیا، پھر بعد میں انہوں نے اعلانًا توبہ بھی کرلی اور عذر بھی پیش کیا۔

وفات: ۲۳۴ھ کو آپ انتقال کر گئے۔[1]

***

(۱) سير أعلام النبلاء:ص:۱۱/۴۱، م:مؤسسة الرسالة- تهذيب التهذيب: ص:۵/۲۰۷، دارالحديث قاهرة، تقريب التهذيب: ٤٠٣، ط: موسسة الرسالة.

محمد بن بشار (بندار)

الاسم	أبوبكر محمد بن بشار بن عثمان بن داود بن كيسان العبدي البصري.
الشهرة	محمد بن بشار بندار.
المسكن	البصرة.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٥٢ هـ.

حالات

یہ مشائخ تسعہ میں سے ہیں، مشائخ تسعہ ان نو حضرات کو کہتے ہیں جن سے صحاح ستہ کے تمام مؤلفین نے براہ راست علم حاصل کیا ہے۔ ابن خزیمہؒ نے اپنی کتاب التوحید میں ان کا تذکرہ یوں کیا ہے "أخبرنا إمام أهل زمانه في العلم والأخبار محمد بن بشار". ان کا لقب بُندار ہے، بُندار اس تاجر کو کہا جاتا ہے جس کے پاس ہر طرح کا سامان موجود ہو، ان کے پاس چونکہ ہر طرح کی روایت مل جاتی تھی، اس لئے ان کو بندار کہا جانے لگا، ان کے پاس اتنی کثرت سے روایات تھیں کہ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں: میں نے ان سے پچاس ہزار احادیث لکھی ہیں، حالانکہ والدہ کی خدمت کی ضرورت کی وجہ سے یہ بصرہ میں ہی رہے، والدہ کے انتقال کے بعد آخری عمر میں چند اسفار کئے ہیں۔

بصرہ میں ان کے بڑے استاد یحیی بن سعید القطانؒ تھے، خود فرماتے ہیں میں ان کی خدمت میں بیس سال تک جاتا رہا اور اگر اس کے بعد بھی وہ زندہ رہتے تو میں مزید بھی ان کی خدمت میں جاتا، انہوں نے ۱۸ سال کی عمر سے احادیث مبارکہ کی تدریس شروع کر دی تھی اور حافظہ بہت قوی تھا تو زبانی ہی نقل کیا کرتے تھے، ابو حفص عمرو بن علی الفلاسؒ نے ان پر جرح بھی کی ہے، جسے محدثین نے معاصرانہ چشمک پر محمول کیا ہے۔

امام بخاریؒ کی قابلیت سے خوب واقف تھے، اس لئے اس بات پر فخر کرتے تھے کہ بخاریؒ ان کے شاگرد ہے، خود امام بخاریؒ کے متعلق کہتے ہیں: "هو أفقه خلق الله" حاشد بن اسماعیلؒ کہتے

ہیں کہ ایک دفعہ ہم بصرہ میں تھے کہ ہمیں امام بخاریؒ کی آمد کی خبر ملی، جب وہ تشریف لائے تو محمد بن بشارؒ نے کہا کہ آج فقہاء کے سردار آئے ہیں۔

امام بخاریؒ نے ان سے ڈھائی سو سے زیادہ اور امام مسلمؒ نے ساڑھے چار سو سے زائد روایات لی ہیں۔

وفات: ۲۵۲ھ میں انتقال ہوا۔[1]

***

(۱) سير أعلام النبلاء: ١٢/١٤٤، مؤسسة الرسالة، تهذيب التهذيب: ٦/١٥٩ دارالحديث قاهرة، شذرات الذهب: ٣/٢٣٨، دار-بن كثير -

أبواليمان

الإسم	الحكم بن نافع، أبواليمان البهراني الحمصي.
الولادة	حول ١٣٠هـ.
المسكن	حمص.
الرتبة	ثقةٌ ثبتٌ.
الوفاة	٢٢٢هـ من العاشرة.

حالات

یمن کے قبائل میں سے ایک قبیلہ بَہراء جو شام کے شہر حمص میں آباد ہو گیا، اس سے تعلق رکھنے والی ام سلمہ نامی عورت کے آزاد کردہ غلام تھے، اس لئے ان کی نسبت بَہرانی اور حمصی ہے، کم عمری میں ہی حصولِ علم میں مصروف ہوئے اور اپنے زمانے کے کبار محدثین سے استفادہ کرتے رہیں، یہاں تک کہ اسماعیل بن عیاش کے کاتب سے مشہور ہوئے، امام احمد بن حنبلؒ، یحیٰ بن معینؒ اور حافظ ذہلیؒ جیسے ائمہ جہابذہ ان کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

اگرچہ عموماً شعیب بن ابی حمزہؒ سے روایت کرتے ہیں، لیکن ان سے روایت کرنے میں بعض لوگوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے شعیب سے کوئی حدیث براہِ راست نہیں سنی، بلکہ اِجازتاً یا مناولۃً ان کو ملی ہیں، حتی کہ بعض نے تو اتنا مبالغہ کیا ہے کہ ایک کلمہ بھی ان سے نہیں سُنا، لیکن حافظ یحیٰ بن معینؒ و دیگر حضرات نے خود انہیں کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے شعیب بن ابی حمزہؒ سے باقاعدہ سماع کیا ہے ابو حاتم رازی نے ان کو ثقہ اور نبیل کہا ہے۔

ابن عمّار موصلیؒ کہتے ہیں کہ لوگ جب ان کے پاس طلب حدیث کیلئے جاتے تو اُن سے کہتے تھے کہ میرے لیے زعفران جمع کرو، وہاں آس پاس زعفران اُگتا تھا، تو لوگ ان کے لیے زعفران جمع کرتے تھے، پھر وہ ان کو اَحادیث سنایا کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں امام مالکؒ کے ہاں گیا تو اُن کے گھر میں (قیمتی) پردے اور گدے دیکھ کر مجھے عجیب لگا کہ یہ تو علماء کی شان میں سے نہیں ہے، پھر میں نے یہ خیال ترک کر دیا اور بعد

میں مجھے اپنی اس بدگمانی پر بہت پچھتاوا ہوا، مامون الرشید نے ان کو حمص کا قاضی بھی بنانا چاہا۔

امام بخاریؒ نے تقریبا ۲۶۰ کے قریب روایات ان سے نقل کی ہیں، ۲۲۲ھ کو حمص میں انتقال کر گئے۔(۱)

***

(۱) سیرأعلام النبلاء: ۱۰/۳۱۹،مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال:٧/١٤٦- تقريب التهذيب: ص:١٧٦ ط: دار الرشيد.

عبدالله بن محمد المسندي

الإسم	أبو جعفر عبدالله بن محمد بن عبدالله المسندي اليماني الجعفي.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	
الرتبة	ثقه.
الوفاة	٢٢٩هـ من العاشرة.

حالات

ماوراء النہر کے شیوخ الحدیث میں سے ایک ہیں، حافظ ذہلی ابو زرعہ رازی رحمہما اللہ بھی ان کے تلامذہ میں شامل ہیں، ان کو مسندی اس لیے کہتے ہیں کہ مسند روایت کو بڑے شوق سے روایت کرتے تھے، امام بخاریؒ کے دادا نے مسندی کے دادا ایمان الجعفیؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا، اس لیے ان کو یمانی اور جعفی کہا جاتا ہے۔

حصولِ حدیث کے لیے عرصہ دراز تک اپنے وطن سے غائب رہے اور مختلف ممالک اور شہروں کے شیوخ سے علم حاصل کر کے واپس اپنے وطن چلے گئے، سفیان ابن عیینہ اور فضیل بن عِیاض ان کے بڑے اساتذہ ہیں، ابو زرعہ رازیؒ، حافظ ذہلیؒ اور دارمیؒ جیسے لوگ ان کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، اصحاب صحاح میں سے صرف امام بخاریؒ نے ان سے روایات لی ہیں، جبکہ امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ کے واسطے سے روایت لی ہیں۔

امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ اپنے زمانے میں بلا کسی مقابلے کے ماوراء النہر کے سب سے بڑے محدث تھے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حسن بن شجاعؒ نے مجھ سے کہا کہ اب آپ سے کوئی حدیث نہیں رہ سکتی کیونکہ آپ خزانے تک یعنی مسندی تک پہنچ گئے، جبکہ وہ خود امام بخاری کے متعلق فرماتے ہیں: "من لم يجعل مُحَمَّد بن إسماعيل إمامًا فاتهموه"، یعنی جس نے امام بخاری کو اپنا امام نہیں سمجھا وہ متّہم ہے، امام بخاری نے ان سے دو سو سے زائد روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۲۹ھ کو دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔(۱)

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ص: ١٠/٦٥٨، م: مؤسسة الرسالة، الأنساب: ص: ١٢/٢٦٦، الأعلام: ص:٤/١١٧، تقريب التهذيب، ٣٢١ دار الرشيد.

سو سے زائد روایات والے شیوخ

۱) أبو نعيم الفضل بن دكين

۲) أبو الوليد الطيالسي

۳) سليمان بن حرب

۴) عبد الله بن مسلمة القعنبي

۵) عبد الله بن محمد المسندي

۶) موسي بن إسماعيل التبوذكي

۷) محمد بن المثني

أبو نعيم الفضل بن دكين

الإسم	الفضل بن دكين عمر ابن حمّاد بن زهير التيمي، الكوفي الأحول.
المسكن	كوفه.
الولادة	١٣٠هـ.
الرتبة	ثقةُ ثبتٌ.
الوفاة	٢١٩هـ من التاسعة.

حالات

مصر کے غافق قبیلے کی ایک شاخ تیم کی طرف منسوب ہونے کیوجہ سے اُنہیں تیمی کہا جاتا ہے آلِ طلحہ بن عبید اللہ کے مولیٰ تھے اس لئے ان کو طلحی اور قریشی بھی کہا جاتا ہے۔

۱۳۰ھ کو آپ کی ولادت ہوئی، اس لیے متقدمین ائمہ جیسے امام اعمش، زکریا ابن ابی زائدہ، سفیان ثوری اور شعبہ رحمہم اللہ جیسے حضرات سے شرف تلّمذ حاصل ہوا، امام اَعمشؒ سے ثقہ لوگوں میں سے روایت کرنے والے آخری شخص فضل بن دکینؒ ہیں۔

سفیان ثوریؒ کے چار معروف شاگردوں میں سے ایک ہیں، بلکہ شیوخ رجال اور انساب کی معرفت میں ائمہ نے ان کو وکیع بن جراح پر بھی ترجیح دی ہے، خود فرماتے ہیں کہ چالیس سے زیادہ شیوخ میں سفیان ثوریؒ کے ساتھ میں شریک ہوں، بعض نے تو سو سے بھی زیادہ ذکر کئے ہیں، یہاں تک کہ یحییٰ بن سعید القطانؒ کہتے تھے کہ جب کسی حدیث میں یہ میرے موافق ہو جائیں تو مجھے کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں ہے، عبد اللہ بن مبارکؒ جو ان کے اساتذہ کے طبقے میں سے ہیں، انہوں نے بھی ابو نعیمؒ سے احادیث سنی، بعض لوگ تو ابن عیینہؒ کے ساتھ ان کا موازنہ کرتے تھے، یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں دو افراد سے اثبت کسی کو نہیں دیکھا اور وہ ابو نعیم اور عفان رحمہا اللہ ہیں، یعقوب فسویؒ وغیرہ نے ان کے غایت درجہ کے متقن ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، روایت باللفظ کا بہت اہتمام کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ یحییٰ بن معینؒ اور احمد بن حنبلؒ کوفہ تشریف لے گئے تو یحییٰ بن معینؒ نے ابو نعیمؒ کا امتحان لینے کیلئے ۳۰ حدیثیں لکھیں اور ہر دس روایت کے بعد ایک ایسی حدیث لکھی جو ان کی روایات

میں سے نہیں تھی، جب ابو نعیمؒ گھر سے نکلے تو ابن معینؒ نے ان کو روایت سنانا شروع کر دیا تو جیسے ہی اس روایت پر پہنچتے جو ابن معین نے اپنی طرف سے لکھی تھی تو فوراً اس کو روکتے اور کہتے کہ یہ میری روایت نہیں ہے۔

یہ محدّث ہونے کے ساتھ ساتھ تاجر بھی تھے سلیمان بن حربؒ کے ساتھ شراکت داری تھی، کوفہ میں چادر وغیرہ کی دکان تھی۔

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ تشیُّع کی جانب کچھ میلان پایا جاتا تھا، اہل وعیال کی کثرت کی وجہ سے روایت احادیث پر اُجرت بھی لیتے تھے، امام بخاریؒ نے ان سے تقریباً ۱۸۵ روایات صحیح بخاری میں نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۱۳ھ کو رمضان سے ایک دن پہلے گردن میں نیزہ لگنے کی وجہ سے شہید ہوئے۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٠/١٤٢مؤسسة الرسالة، تهذب التهذيب: ٥/٥٨٣،شذرات الذهب: ٣/٩٣، دار ابن كثير، تقريب التهذيب: ٤٤٦، دار الرشيد.

أبو الوليد الطيالسی

الإسم	هشام بن عبدالملك أبو الوليد الطيالسی البصري، الباهلي.
الولادة	١٣٣هـ.
المسكن	بصرة.
الرتبة	ثقة، ثبت.
الوفاة	٢٢٧هـ من التاسعة.

حالات

یہ بصرہ کے رہنے والے بلند پایہ محدّث ہیں، اسحٰق بن راہویہ، بندار، ذہلی اور ابو زرعہ رازی رحمہم اللہ جیسے ائمہ جہابذہ بھی ان کے تلامذہ میں شامل ہیں، امام احمد بن حنبلؒ ان کو شیخ الاسلام کہا کرتے تھے اور کہتے تھے محدثین میں سے آج ان پر میں کسی کو مقدم نہیں کرتا، ابن وارہؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو نعیمؒ نے کہا کہ اگر بصرہ میں ابو الولیدؒ نہ ہوتے تو آپ کو بصرہ جانے کا مشورہ کبھی نہ دیتا، خود ابن وارہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان جیسا کسی کو نہیں پایا، ابو حاتم رازیؒ نے بھی ان کو امیر المحدثین کہا ہے۔

شعبہؒ بن حجاج ان کے بڑے استاد ہیں، امام بخاریؒ عموماً شعبہ کی روایات ان سے نقل کرتے ہیں، شعبہؒ کو ان کے حافظے پر اتنا اعتماد تھا کہ ایک دفعہ وہ شعبہؒ کی مجلس میں بیٹھے تھے اور روایات لکھ رہے تھے، شعبہؒ نے جب ان کو دیکھا تو حیرت کی وجہ سے پوچھا کہ آپ بھی لکھتے ہو؟ کہتے ہیں کہ پھر میں نے سیاہی اور تختہ رکھ دیا اور زبانی سننے لگا، ابو حاتم رازیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی ان کے ہاتھ میں کتاب نہیں دیکھی (زبانی درس دیا کرتے تھے)۔

ان کے شیوخ کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۷۰ تو صرف خواتین ان کے مشائخ میں شامل ہیں، امام بخاریؒ نے ان سے تقریباً ۱۲۱ کے قریب روایات صحیح بخاری میں نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۲۷ھ کو آپ انتقال کر گئے۔[1]

---

(١) سيرأعلام النبلاء: ٣٤١ /١٠ مؤسسة الرسالة، شذرات الذهب: ٣/١٢٧، دار ابن كثير، دمشق، تقريب التهذيب: ٥٧٣.

سلیمان بن حرب

الإسم	سليمان بن حرب، بن بجيل، أبو أيوب الواشحي الأزدي، البصري.
الولادة	١٤٠هـ.
المسكن	بصرة.
الرتبة	ثقه، إمام، حافظ.
الوفات	٢٢٤هـ من التاسعة.

حالات

یہ بصرہ کے رہنے والے نہ صرف مایہ ناز محدث ہیں، بلکہ علم الرجال کے بھی بڑے ماہر شمار ہوتے ہیں، شعبہ، حوشب بن عقیل اور حماد بن زید رحمہم اللہ وغیرہ حضرات سے علم حاصل کیا امام حمیدی، حافظ ذہلی اور عمرو بن علی فلاس رحمہم اللہ جیسے حضرات ان کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، بلکہ یحیٰ بن سعید القطانؒ نے بھی ان سے روایات سُنی ہیں، فقہ میں لوگ ان کو عفّانؒ پر ترجیح دیتے تھے، حماد بن زید کی خدمت میں ۱۹ سال رہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے سلیمان بن حربؒ سے اُس زمانے میں بھی لکھا جب سفیان ابن عیینہؒ حیات تھے، حدیث میں اس قدر شہرہ آفاق تھے کہ ابو حاتم رازیؒ ان کی بہت تعریف کرتے تھے، فرماتے ہیں: کہ ایک دفعہ میں بغداد میں ان کی مجلس میں شریک ہوا، تو طلباء کا مجمع چالیس ہزار پر مشتمل تھا، اس قدر ازدحام تھا کہ ایک لفظ "حدّثنا حوشب" کو دس دفعہ دہرایا پھر بھی لوگ کہتے تھے کہ آواز نہیں سنی، پھر تین مستملی آواز پہنچانے لگے، لیکن آواز مجمع کے آخر تک نہیں پہنچتی تھی، آخر میں ہارون نام کا ایک مستملی مقرر کیا گیا جس کی آواز بجلی کی کڑک کی طرح تھی وہ اکیلے یہ ذمہ داری انجام دینے لگے، ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں انہیں چونکہ رجال میں کامل معرفت حاصل ہے، اس لئے جن لوگوں سے وہ روایت کریں ان کو ثقہ سمجھا جائے، مامون الرشید کے محل کے سامنے ان کا حلقہِ درس لگتا تھا، خود مامون بھی ان کے بڑے معتقد تھے، ان کو مکہ کا قاضی بھی بنایا تھا۔

ان کی پرہیز گاری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے خبر دی کہ آپ کا فلاں آزاد کردہ غلام فوت ہو گیا اور ترکے میں بیس ہزار درہم چھوڑے ہیں، آپ نے ان میں سے ایک

درہم بھی نہیں لیا، حالانکہ اس وقت آپ کو ان دراہم کی سخت حاجت تھی، اور کہا کہ فلاں بندہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

امام بخاریؒ ان کے خاص تلامذہ میں سے تھے، اور ان پہ خاص توجہ بھی دیتے تھے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں جب میں ان کے پاس جاتا تو مجھ سے کہتے کہ امام شعبہ کے اوہام پہ ہمیں مطلع کیا کریں، ایک دفعہ اپنے تلامذہ سے امام بخاری کے متعلق کہا کہ ایک زمانے میں ان کا نام ہو گا، امام بخاری نے ۱۴۰ کے قریب روایات ان سے نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۲۴ھ کو یہ عظیم محدث خالق حقیقی سے جا ملے۔(۱)

***

(۱) سيرأعلام النبلاء: ۱۰/۳۳۰ مؤسسة الرسالة، شذرات الذهب: ۳/۱۱۰، دار ابن كثير، دمشق، تقريب التهذيب: ۲۵۰ دار الرشيد.

عبد الله بن مسلمة القعنبي المدني

الإسم	عبد الله بن مسلمة بن قعنب، أبو عبد الرحمن القعنبي البصري المدني.
الولادة	حول ١٣٠هـ.
المسكن	البصرة، المكة.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٢١هـ من صغار التاسعة.

حالات

یہ اصل میں مدینہ کے تھے، لیکن بصرہ میں رہائش پذیر ہوئے، امام مالک، ابن ابی ذئب، شعبہ اور حمادین رحمہم اللہ سے علم حدیث حاصل کیا، موطأ کے اَثبت ترین رواۃ میں سے ایک ہیں، بلکہ علی ابن مدینیؒ اور بعض دیگر ائمہ موطأ کے رواۃ میں سے اُن پر کسی کو مقدم نہیں کرتے تھے، یحیٰ بن معینؒ ان کو امام مالکؒ کے اثبت ترین شاگرد مانتے ہیں۔

خود فرماتے ہیں کہ میں بیس سال تک امام مالکؒ کے پاس آتا جاتا رہا آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ موطأ کی کوئی روایت ایسی نہیں تھی جس کو میں سو بار سن نہ چکا ہوں، ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی بھی محدّث ایسا نہیں دیکھا جو خالص اللہ کی رضا کیلئے پڑھاتا ہو سوائے وکیعؒ اور قعنبیؒ کے۔

یہ وہی محدث ہیں جن کو طلباء وقت بتایا کرتے تھے کہ فلاں وقت سبق ہو گا نہ کہ یہ طلباء کو، ایک دفعہ طلباء نے ان سے موطأ پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن عرض کیا کہ ہمارے پاس نہ صبح کو وقت ہے، نہ دوپہر کو اور نہ عصر کو، تو انہوں نے کہا کہ جب بھی تمہیں فرصت ملے میں تمہیں پڑھالوں گا اگرچہ رات کو ہی کیوں نہ ہو، اس لیے وہ اکثر رات کو درس دیتے تھے۔

ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں کہ ان جیسا متقی شخص میں نے اپنی زندگی میں کسی کو نہیں دیکھا، عمرو بن علیؒ کہتے ہیں وہ مستجاب الدعوات تھے، حمدان بلخیؒ کہتے ہیں کہ قعنبیؒ وہ شخص ہے جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے، محدثین ان کو ابدال اور راھب کہتے تھے۔ امام بخاریؒ نے ۱۴۰ کے قریب روایات ان سے نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۲۱ھ کو بصرہ میں وفات ہوئی۔[1]

---

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٠/٢٥٧،م:مؤسسةالرسالة، الأنساب: ١٠/٣٦، مجلس دائرة المعارف العثمانية،

عبدان

الإسم	عبدالله بن عثمان بن جبلة الأزدي، العتكي، المروزي.
الولادة	١٤٥هـ.
المسكن	مرو
الرتبة	ثقه، حافظ.
الوفاة	٢٢١هـ من العاشرة.

حالات

یہ مشہور محدّث عبد العزیز شاذانؒ کے بھائی، اور محدّث مکّہ عبد العزیز بن روّادؒ کے پوتے ہیں، ان کے والد عثمان بن جبلہؒ بھی بڑے محدث تھے، ان کو عبدان اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی کنیت اور نام دونوں میں لفظ عبد ہے، اس لیے عبد کے تثنیہ یعنی عبدان سے مشہور ہوئے، مرو کے مشہور محدثین میں سے ہیں، عبد اللہ بن المبارک، محمد بن میمون اور یزید بن زریع رحمہم اللہ وغیرہ ان کے اساتذہ ہیں، امام بخاریؒ نے ان سے براہ راست جبکہ باقی اصحاب صحاح ستہ نے سوائے ابن ماجہ کے ان سے واسطے کیساتھ روایات لی ہیں، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اگر خراسان کی طرف آج کل کوئی سفر کرتا ہے تو صرف عبدانؒ کی وجہ سے کرتا ہے، شعبہؒ سے روایت سننے میں قدرِ اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ صرف ایک ہی روایت سنی ہے، جبکہ دوسرے بعض کہتے ہیں کہ دس کے قریب روایات براہ راست سنی ہیں، سخاوت میں کافی مشہور تھے، کہا جاتا ہے کہ اپنی زندگی میں ایک لاکھ درہم وہ صدقہ کر چکے تھے، ابن طاہرؒ نے ان کو جوزجان کا قاضی بھی بنایا اگرچہ انہوں نے بعد میں خود استعفٰی دے دیا۔

امام بخاریؒ ان کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں، خود امام بخاریؒ کے متعلق فرماتے ہیں: ما رأيتُ شابًّا أبصر منه، اور امام بخاریؒ ابن المبارکؒ کی روایات عموما ان سے نقل کرتے ہیں، صحیح بخاری میں ایک سو بیس سے زائد روایات ان سے نقل کی ہیں۔ وفات: شعبان کے مہینے ۲۲۱ھ کو انتقال کر گئے۔[1]

الأعلام: ٤/١٣٧، تقريب التهذيب: ٣٢٣، دار الرشيد.

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٠/٢٧٠، مؤسسة الرسالة، شذرات الذهب: ٣/٩٩، دار ابن كثير، دمشق. الأعلام: ٤/١٠٢، تقريب التهذيب:٣١٣، دار الرشيد.

أبو سلمة التبوذكي

الإسم	أبو سلمة موسى بن إسماعيل المنقري البصري التبوذكي.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	البصرة.
الرتبة	ثقة، ثبت.
الوفا	٢٢٣هـ من صغار التّاسعة.

حالات

یہ تبوذکی کی نسبت کو پسند نہیں فرماتے تھے، کیونکہ تبوذکی ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو مرغی کی پوٹے وغیرہ فروخت کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ خدا اس شخص کو جزائے خیر نہ دے جس نے مجھے تبوذکی سے مشہور کر دیا اور اس کا باعث یہ ہوا کہ بعض تبوذکی لوگ میرے ہاں مہمان ہوئے تو کسی نے مجھے تبوذکی مشہور کر دیا، حالانکہ میں منقری ہوں کہ آل منقر سے میری موالات ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ بصرہ کے تبوذک محلہ میں گھر خریدا تھا اس لئے تبوذکی کے نام سے مشہور ہوئے۔

بصرہ کے نامور محدث ہیں، شیخ الاسلام سے ملقب تھے، جریر بن حازم، حماد بن سلمہ اور مبارک بن فضالہ رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کے تلامذہ میں سے ہیں، صحاح ستہ کے مصنفین میں سے امام بخاری اور ابو داود رحمہما اللہ نے ان سے براہ راست جبکہ باقیوں نے ان سے واسطے کے ساتھ روایات لی ہیں۔

حافظ ذہبیؒ نے ان کو علم کا سمندر کہا ہے، حافظ یحیٰ بن معینؒ نے ان سے پینتیس ہزار حدیثیں لکھی ہیں، علی ابن مدینیؒ فرماتے ہیں جس نے براہِ راست ابو سلمہؒ سے حدیث نہیں سنی، وہ واسطے کے ذریعے ان سے روایت لکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

ایک دفعہ یحیٰ بن معینؒ نے ان سے سوال کیا کہ فلاں حدیث جو آپ ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں وہ آپ کی کتاب کے گتے پر لکھی ہے کتاب کے اندر نہیں لکھی تو کیا آپ نے واقعی ہمامؒ سے سنی ہے، تو انہوں نے غصہ ہو کر کہا کہ میری بیوی برۃ بنت عاصم کو تین طلاق ہو، اگر میں نے یہ حدیث ہمامؒ سے نہ سنی ہو، ایک طرف تم لوگوں نے مجھ سے بیس ہزار احادیث لکھی اب یا تو ہر حدیث میں میری تصدیق کرو یا ہر حدیث کو رد کر دو، اور کہا کہ میں آج کے بعد آپ سے کبھی بھی بات نہیں کروں گا۔

امام بخاریؒ نے ان سے دو سو کے قریب روایات نقل کی ہیں۔

وفات: رجب کے مہینے میں ۲۲۳ھ کو انتقال کر گئے۔(۱)

---

(۱) سيرأعلام النبلاء: ١٠/٣٦٠مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٩/٢١، تقريب التهذيب: الرقم: ٧٨١.

محمد بن المثنى

الإسم	محمد بن المثنى بن قيس أبو موسى العنزي الزّمن.
الولادة	١٦٧
المسكن	البصرة.
الرتبة	ثقة، ثبت.
الوفاة	٢٥٢هـ من العاشرة

حالات

یہ مشائخ تسعہ میں سے ہیں، عنزہ قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے ان کو عنزی کہا جاتا ہے، ان کی پیدائش اس سال ہوئی جس سال حماد بن مسلمہؒ کی وفات ہوئی اور اسی سال محمد بن بشار بندارؒ کی پیدائش بھی ہوئی، یہ بصرہ کے مایہ ناز محدّثین میں سے ایک ہیں، حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: "جمع وصَنَّف وكتب الكثير"، حافظ ذہلی نے ان کو "حجّة" کہا ہے۔

اہل بصرہ ان کو بندارؒ پر بھی مقدم کرتے تھے امام دار قطنیؒ نے بھی ان کو بندارؒ پر مقدم کیا ہے، ایک بار مزاحا فرمانے لگے کہ ہمیں یہ شرف حاصل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمارے قبیلے کی جانب منہ کر کے نماز پڑھی ہے، صحیح بخاری کی اس روایت: "فصلى بنا الظهر والعصر وبين يديه عنزة" کی طرف اشارۃ تھا، عنزہ چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں وہ آپ ﷺ کے سامنے بطور سترہ تھا، ان کے قبیلے کا نام بھی چونکہ عنزہ تھا تو لفظ کی موافقت کی وجہ سے انہوں نے یہ بطور مزاح فرمایا۔

حافظ صفدیؒ کہتے ہیں کہ میں انہیں بندارؒ پر اس لیے ترجیح دیتا ہوں کہ دونوں ایک ساتھ پیدا ہوئے ایک سال فوت ہوئے، لیکن بندارؒ نے کوئی سفر نہیں کیا، جبکہ ابو موسیٰؒ نے کافی اسفار کئے۔

انہیں "الزمن" اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپاہج تھے، پھر خود ان سے روایت ہے کہ ایک دفعہ سخت ٹھنڈی رات میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر میں نے وضوء کیا اور دو رکعت نماز پڑھی پھر اللہ سے دعا مانگی، تو میں تندرست ہو کر چلنے لگا۔

امام بخاریؒ نے سو سے زائد روایات ان سے لی ہیں۔

وفات: ذیقعدہ ۲۵۲ھ کو آپ انتقال کر گئے۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٢/١٢٣، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٦/٣٥٩، تقريب التهذيب: ٤٨٦، مؤسسة الرسالة ناشرون.

امام بخاریؒ کے پچاس سے زائد روایات والے شیوخ:

عبدالعزيز بن عبدالله الأويسى

الإسم	عبدالعزيز بن عبدالله بن يحي الأويسى المدني الفقيه.
الولادة	ــــــــ.
المسک	المدينة.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٢٠هـ

حالات

یہ مدینہ کے فقہاء محدثین میں سے ایک ہیں، حافظ ذہبیؒ نے ان کا ترجمہ ان الفاظ سے قائم کیا ہے"الإمام الحجة من نبلاء الرِّجال"، امام مالک، عبدالرحمن بن ابی زنادرحمہااللہ وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا"موطأ"کا اکثر حصّہ امام مالکؒ سے سُنا باقی کچھ حِصّہ عرضاً لیا، امام ابوداودؒ نے ان کی توثیق کی ہے، ابوحاتم رازیؒ کہتے ہیں کہ وہ مجھے ابن بکیرؒ سے بھی زیادہ پسند ہے، امام دارقطنیؒ نے ان کو"حجة"کہا ہے۔

امام بخاریؒ نے تقریبا۹۵روایات ان سے نقل کی ہیں، حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم ان کی وفات کی متعین تاریخ پر مطلع نہیں ہوسکے، تاہم ۲۲۰ھ کے قریب ان کی وفات بتائی جاتی ہے۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٠/٣٨٩، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ١٨/١٦٠، تقريب التهذيب:٤٨٦، مؤسسة الرسالة ناشرون.

عبد الله بن الزبير الحميدي

الإسم	عبد الله بن الزبير بن عيسى الحميدي، القرشي المكي
المسكن	مكة.
الولادة	حول ١٥٠هـ.
الرتبة	ثقة حافظ فقيه، أجل أصحاب ابن عيينة.
الوفاة	٢١٩ هـ، من العاشرة.

حالات

امام حمیدی مکہ کے بلند پائے کے محدث تھے، ابراہم بن سعد، امام شافعی اور سفیان بن عیینہ رحمہم سے شرف تلمذ حاصل ہے، سفیان بن عیینہؒ کے تلامذہ میں سے اثبت ہیں۔

ابو حاتم رازیؒ ان کو رئیس اصحابِ ابن عیینہؒ کہتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ میں انیس(۱۹) سال سے زیادہ عرصہ ابن عیینہؒ کی خدمت میں رہا، یہ نہ صرف محدث تھے، بلکہ فقہ میں بھی کامل دسترس حاصل تھا، امام حاکمؒ فرماتے ہیں:" وہ اہل حجاز کے مفتی اور ان کے محدث تھے، اور اہل حجاز کیلئے آپ بمنزلہ امام احمدؒ کے تھے"، امام احمدؒ فرماتے تھے کہ "الحميدي عندنا إمام"، مصر کے سفر میں آپ امام شافعیؒ کے ساتھ تھے، ان کی مسند بھی مشہور ہے۔

امام بخاریؒ کو ان کی ثقاہت اور اتقان پر کافی اعتماد تھا، ابو عبد اللہ حاکمؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کو جب کوئی حدیث حمیدی کے پاس ملتی تو وہ کسی اور سے سننے کی کوشش ہی نہ کرتے، امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی پہلی حدیث "إنما الأعمال بالنيات" امام حمیدیؒ کی سند سے تخریج کی ہے، صحیح بخاری میں تقریبا اسی کے قریب روایات ان سے لی ہیں۔

وفات:۲۱۹ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔

***

إبراهيم بن موسى

الإسم	إبراهيم بن موسى بن يزيد أبو إسحق الفَرَّاء المعروف بالصغير.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	رائ
الرتبة	ثقة، حافظ.
الوفاة	نحو ٢٢٠هـ من العاشرة

حالات

انہوں نے سفیان بن عیینہ، وکیع بن جراح رحمہا اللہ، اور ان کے طبقے کے لوگوں سے علم حاصل کیا، ابو زرعہ رازیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اُن سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں، بلکہ ابو زرعہؒ انہیں ابن ابی شیبہؒ پر بھی ترجیح دیتے تھے، علّامہ خلیلیؒ فرماتے ہیں کہ رائے کے کبار جہابذہ علماء میں سے ایک ابراہیم بن موسیٰؒ ہے، جنہیں محدثین امام احمد اور یحییٰ بن معین رحمہا اللہ کے مرتبے میں شمار کرتے تھے۔

یہ صغیر کی نسبت سے معروف تھے، لیکن امام احمدؒ اس کو بہت ناگوار سمجھتے تھے، کیونکہ رتبہ کے لحاظ سے وہ کبیر ہیں، امام بخاریؒ نے ان سے تقریباً ۸۷ روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ان کی وفات ۲۲۰ھ سے ۲۳۰ھ کے درمیان ہوئی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١١/١٤٠، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢١٩/ ٢، تقريب التهذيب:٦٨، مؤسسة الرسالة ناشرون.

إبراهيم بن المنذر الحزامي

الإسم	إبراهيم بن المنذر بن عبدالله أبو إسحاق القرشي الأسدي الحزامي المدني.
المسكن	مدينة.
الولادة	ـــــــــ.
الرتبة	صدوق.
الوفاة	حول ٢٣٦هـ من العاشرة.

حالات

ان کے اجداد میں سے حزام بن خویلد نامی شخص تھا اس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ان کو حزامی کہتے ہیں، یہ ان رواۃ میں سے ہیں جن سے امام بخاریؒ نے ۷۵ یا اس سے کم وبیش روایات نقل کی ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ ان سے ناخوش تھے، یہاں تک کہ ایک دفعہ امام احمد بن حنبلؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور مجلس میں بیٹھنے کی اجازت طلب کی، لیکن امام احمدؒ نے اجازت نہیں دی، پھر جب امام احمدؒ مجلس سے نکلے تو انہوں نے سلام کیا، لیکن امام احمدؒ نے جواب نہیں دیا۔

البتہ باقی اکثر ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے جیسے یحییٰ بن معین امام نسائی، دار قطنی رحمہم اللہ وغیرہ۔

بعض لوگوں نے ان پر منکر روایات کا الزام لگایا ہے، لیکن علامہ ازدی اور خطیب بغدادی رحمہما اللہ وغیرہ نے یہ جواب دیا ہے کہ اصل میں وہ خود منکر روایات نقل نہیں کرتے تھے، بلکہ جن بعض شیوخ سے وہ روایت لیتے تھے، وہ منکر روایات نقل کرتے تھے۔

وفات:۲۳۶ھ کو انتقال کر گئے۔(۱)

***

(۱) سيرأعلام النبلاء: ١٠/٦٨٩، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢/٢٠٧، تقريب التهذيب: ٦٨، مؤسسة الرسالة ناشرون.

محمد بن يوسف الفريابي

الإسم	محمد بن يوسف بن واقد بن عثمان الفريابي الضبي.
الولاد	ـــــــــ.
المسكن	قيسارية ساحل شام.
الرتبة	ثقة فاضل.
الوفاة	٢١٢هـ من التاسعة.

حالات

یہ امام بخاریؒ کے ان بڑے شیوخ میں سے ہیں جن سے امام بخاریؒ نے بہت زیادہ استفادہ کیا، امام اوزاعی اور سفیان ثوری رحمہما اللہ جیسے حضرات سے شرف تلمذ حاصل ہے، سفیان ثوریؒ کی صحبت میں تو عرصہ دراز تک رہے، یہاں تک کہ ائمہ نے ان کو سفیان ثوریؒ کی روایات میں عبد الرزاقؒ پر بھی ترجیح دی ہے، امام بخاریؒ نے ان کو "أفضل زمانه" کہا ہے، امام احمد بن حنبلؒ کی ان سے مکہ میں ملاقات ہوئی تھی، اُن کی آخری عمر میں حصولِ علم کے لیے امام احمدؒ نے ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا، جب ان کے علاقے قیسار یہ کے قریب پہنچے تو امام احمدؒ کو ان کی وفات کی خبر پہنچ گئی۔

اپنا ایک خواب بیان کرتے ہیں کہ میں انگور کے ایک باغ میں داخل ہوا جس میں رنگ برنگے انگور تھے، میں نے انگور کی تمام اصناف میں سے کھایا سوائے سفید کے، میں نے یہ خواب سفیان ثوریؒ سے بیان تو انہوں نے کہا کہ اس سے مراد علم ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو بہت علم عطا کرے گا سوائے علم فرائض کے، کہا جاتا ہے کہ واقعی وہ ایسا ہی تھا، علم فرائض میں اتنا رسوخ نہیں تھا جتنا کہ باقی علوم میں۔

امام بخاریؒ نے ان سے سو سے زائد روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۱۲ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔[1]

***

(١) سير أعلام النبلاء: ١٠/١١٤، تهذيب الكمال ٢٧/٥٢، تقريب التهذيب: ٧٢٧، مؤسسة الرسالة ناشرون.

محمد بن كثير

الإسم	محمد بن كثير أبو عبدالله العبدي البصري.
الولادة	حول ١٣٣هـ.
المسكن	بصرة.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٢٣هـ من كبار العاشرة.

حالات

یہ بھی بصری محدث ہیں، اگرچہ اصلاً واسط کے تھے، البتہ بصرہ میں سکونت پزیر ہوئے، اس لیے بصری محدثین میں شمار ہوتے ہیں، مشہور راوی سلیمان بن کثیرؒ کے بھائی ہیں سلیمان ان سے ۵۰ سال بڑے تھے، سفیان ثوری، شعبہ اور مکی بن ابراہیم رحمہم اللہ سے علم حدیث حاصل کیا۔

حافظ ابن معینؒ نے ان کی تضعیف کی ہے، ابو حاتم رازیؒ نے ان کو "صدوق" کہا ہے، لیکن باقی ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کی تضعیف کی وجہ معلوم نہ ہوئی اور نہ میں نے ان کی کوئی منکر روایت دیکھی، ابن حبّان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، کہتے ہیں کہ متقی پرہیز گار بندے تھے، بالوں میں مہندی لگاتے تھے، امام بخاریؒ نے ان سے ۶۰ کے قریب روایات نقل کی ہیں، ۲۲۳ھ کو وفات ہوئی تقریبا ۹۰ سال کی عمر پائی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء٣٢٣: /١٠، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٦/٣٣٤، تقريب التهذيب:٧١٢، مؤسسة الرسالة ناشرون.

حفص بن عمر الحوضي

الإسم	حفص بن عمر بن حارث بن سخبرة أبو عمر الأزدي النميري الحوضي.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	بصرة.
الرتبة	ثقة، ثبت.
الوفاة	٢٢٥هـ من كبار العاشرة

حالات

حوض جو کہ بصرہ کا ایک علاقہ ہے اس سے تعلق رکھنے کی وجہ سے انہیں حوضی کہا جاتا ہیں، ہشام دستوائی اور اور شعبہؒ وغیرہ سے علم حاصل کیا، امام بخاریؒ اور ابو داودؒ نے ان سے بلاواسطہ جبکہ امام نسائیؒ نے واسطے کے ساتھ روایات لی ہیں۔

بلند پائے کے محدث تھے، وہب بن جریرؒ کے ہم پلہ شمار ہوتے تھے، امام احمدؒ سے جب ان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: "ثبت ثبت، متقن، لا يؤخذ عليه حرف واحد"، یعنی کہ اس کے خلاف ایک حرف بھی نہیں بولا جائے گا، علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ حفص بن أبی عمر حوضیؒ کی عدالت پر اہل بصرہ کا اتفاق ہے، ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں کہ وہ دیانت دار اور ماہر ہونے کیساتھ ساتھ فصیح اللسان بھی تھے۔

وہ لوگوں کے ہدایا کو شوق سے قبول کرتے تھے، ایک دفعہ اصبہان کے کسی شخص نے ان کو پانچ دینار ہدیہ دیا تو انہوں نے قبول کر لیا، کہا جاتا ہے کہ وہ حدیث پر اجرت بھی لیتے تھے۔

امام بخاریؒ نے ان سے ٦٠ سے زائد روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ٢٢٥ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٠/٣٥٤، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٧/٢٦، تقريب التهذيب: ١٩٥، مؤسسة الرسالة ناشرون.

امام مسلمؒ کے مکثر شیوخ

۱. **محمد بن المثنی**

۲. **قتیۃ بن سعید**

۔۔۔۔۔الخ ان کے حالات گزر چکے ہیں۔

أبوبكر ابن أبي شيبة

الإسم	عبدالله بن محمد بن أبي شيبة أبو بكر العبسي الكوفي.
الولادة	١٥٩هـ
المسكن	الكوفة.
الرتبة	ثقة، حافظ.
الوفاة	٢٣٥هـ من العاشرة.

حالات

یہ زمانے کے عظیم محدثین میں سے ایک ہیں، سید الحفاظ سے ملقب تھے، عبد اللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ اور عبد الرحمن بن مہدی رحمہم اللہ ان کے مشہور اساتذہ ہیں، انہوں نے ایک ایسے گھرانے میں پرورش پائی جس کو علم کا گھر کہا جاتا تھا، ان کے والد قاضی تھے، اور دونوں بھائی عثمان اور قاسم اوراسی طرح ان کا بیٹا ابراہیم بن ابی بکر سب کے سب زمانے کے مشہور محدثین اور حفاظ حدیث تھے، کم عمری سے ہی حصولِ علم میں مشغول ہوئے، خود کہتے ہیں کہ میں نے شریک سے مصر میں اس وقت حدیث سنی جب میں ١٦ سال کا تھا، اور اس وقت میرا حافظہ آج سے زیادہ قوی تھا۔

انہوں نے کئی تصانیف لکھیں جن میں مسند، مصنف، تفسیر وغیرہ شامل ہیں، ان کی کتاب مصنَّف (ابن ابی شیبہ) آج بھی مشہور اور لوگوں کے ہاتھوں میں متداول ہے، یہ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور علی بن المدینی رحمہم اللہ کے ہم پلہ شمار ہوتے تھے، ان کی جلالت شان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام مسلمؒ نے اُن سے ١٥٤٠ روایات لی ہیں۔

حافظ ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے احفظ کسی کو نہیں دیکھا، متوکل نے ان کے اور ان کے بھائی عثمانؒ کیلئے وظیفہ مقرر کیا تھا اور کہا تھا کہ معتزلہ اور جہمیہ کے خلاف جو احادیث وارد ہیں نقل کرتے جاؤ، ہر ایک کے پاس تیس تیس ہزار طلبہ کا حلقہ لگتا تھا۔ وفات: ٢٣٥ھ کو ان کی وفات ہوئی۔[١]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١١/١٢٢، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ١٦/٣٤، تقريب التهذيب:٤٢٤، مؤسسة الرسالة ناشرون.

أبو خيثمة زهير بن حرب

الإسم	زهير بن حرب بن شداد الحرشي، أبو خيثمة
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	بغداد.
الرتبة	ثقة، ثبت.
الوفاة	٢٣٤هـ من العاشرة.

حالات

اصل میں ان کے دادا کا نام اشتال تھا پھر عربی میں تبدیل ہو کر شَدَّاد بن گیا، یہ بغداد کے رہنے والے وہ عظیم محدّث ہیں جن کو بعض لوگوں نے ابن ابی شیبہ پر بھی ترجیح دی ہے، سفیان بن عیینہ، اسماعیل ابن علیہ اور جریر بن عبد الحمید رحمہم اللہ وغیرہ کے شاگرد ہیں، امام نسائی و ترمذی رحمہما اللہ کے علاوہ باقی اصحاب صحاح کے استاذ ہیں۔

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ "كان ثقةً، ثبتًا، حافظاً، متقناً كان أحد أعلام الحديث... أكثر التّطوّاف في العلم وجمع وصَنّف وبر في هذا الشأن". یہ خود بھی بڑے محدّث تھے، ان کے صاحبزادے عبد الرحمن بن ابی خیثمہؒ بھی مشہور محدث ہیں، ان کی تاریخ "التاريخ الكبير" مشہور ومتداول ہے، اسی طرح ان کے پوتے بھی محدث تھے، ابن حبّانؒ نے انہیں احمد بن حنبلؒ اور ابن معینؒ کے اقران میں شمار کیا ہے، امام مسلمؒ نے ان سے ۱۲۸۱ روایات لی ہیں۔

وفات: متوکّل کے زمانے میں ۲۳۴ھ کو آپ انتقال کر گئے۔(۱)

***

(۱) سيرأعلام النبلاء: ١١/٤٨٩، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٩/٤٠٢، تقريب التهذيب: ٢٦٣، مؤسسة الرسالة ناشرون.

ابن نمير

الإسم	محمد بن عبدالله بن نمير أبو عبدالرّحمن الهمداني الكوفي، درّة العراق.
الولادة	١٦٠ هـ
المسكن	عراق كوفة.
الرتبة	ثقه حافظ، فاضل.
الوفاة	٢٣٤هـ من العاشرة.

حالات

یہ عراق کے ان نامور محدثین میں سے ہیں جن کا شمار احمد بن حنبل اور علی بن مدینی رحمہما اللہ کے طبقے میں ہوتا ہے، انہوں نے اپنے والد عبد اللہ بن نمیر، حفص بن غیاث اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ سے روایات لیں، ارباب صحاح ستہ میں سے امام ترمذیؒ ونسائیؒ نے واسطے کیساتھ اور باقیوں نے براہ راست ان سے روایات نقل کی ہیں، امام احمدؒ ان کو خود پر مقدم رکھتے تھے، ریحانۃ العراق کے لقب سے ملقب تھے، ابو اسماعیل ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ ابن نمیرؒ کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کوئی عام نوجوان نہیں ہے، بلکہ ایک جگہ ان کو درّۃ العراق (عراق کا موتی) کہا ہے، کوفہ کے شیوخ کے متعلق جرح وتعدیل کے اعتبار سے ابن معینؒ اور امام احمدؒ بھی ان کی پیروی کرتے تھے، ابن الجنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ میں ابن نمیرؒ جیسا نہیں دیکھا، وہ بیک وقت علم فہم، سنت اور زہد کا پیکر تھے۔

ابو یعلیؒ فرماتے ہیں کہ ابن نمیرؒ کی حدیث سینے اور حلق کو بھر دیتی تھی، احمد بن صالحؒ سے کسی نے ابن نمیرؒ کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ آپ ایسے شخص کے بارے میں مجھ سے پوچھتے ہو جس کا مثل میں نے پورے عراق میں نہیں دیکھا، بعض لوگوں نے ان کو ان کے والد پر بھی ترجیح دی ہے حالانکہ ان کے والد علم حدیث کے نامور شہسواروں میں سے تھے، امام مسلمؒ نے ان سے ۵۷۳ روایات لی ہیں۔

وفات: ۲۳۴ھ کو آپ انتقال کر گئے۔(۱)

---

(١) سيرأعلام النبلاء ١١/٤٥٥،مؤسسة الرسالة- تهذيب الكمال،٢٥/٥٦٦، تقريب التهذيب ٦٩١ مؤسسة الرسالة ناشرون.

أبو كريب محمد بن العلاء الهمدانی

الإسم	أبو كريب محمد بن العلاء بن كريب الهمداني الكوفي
المسكن	الكوفة
الولادة	_____.
الرتبة	ثقة حافظ
الوفاة	٢٤٧ هـ

حالات

یہ مشائخ تسعہ میں سے ہیں اور کوفہ کے مشہور محدّث ہیں، ارباب صحاح ستہ کے علاوہ محمد بن یحیی ذہلی حافظ ابوزرعہ وابوحاتم الرّازی رحمہم اللہ وغیرہ بڑے بڑے حضرات محدثین نے ان سے حدیث حاصل کی ہے، محمد بن عبداللہ بن نمیرؒ کہتے ہیں عراق میں ان سے زیادہ کثیر الروایہ کوئی شخص نہیں تھا، موسی بن اسحاقؒ کہتے ہیں: میں نے ان سے ایک لاکھ احادیث سنی ہیں، ابراہیم بن ابی طالبؒ کہتے ہیں محمد بن یحی الذہلیؒ نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں عراق میں سب سے زیادہ مضبوط حافظہ والا کون ہے؟ تو میں نے جواب دیا کہ احمد بن حنبلؒ کے بعد ابو کریبؒ سے احفظ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

ابو علی نیشاپوریؒ کہتے ہیں: میں نے ابن عقدہؒ کو حفظ اور کثرت میں ابو کریبؒ کو تمام مشائخ پر فوقیت دیتے ہوئے سنا، وہ فرماتے تھے ابو کریبؒ کی بدولت کوفہ میں تین لاکھ احادیث ظاہر ہوئی ہیں۔ انہوں نے اس خوف سے کہ کل کو کوئی شخص ان کی روایات میں ردّوبدل کرکے ان کے نام سے نقل نہ کرے، اپنی کتب کو اپنے ساتھ دفن کرنے کی وصیت کی تھی تو ایسا ہی کیا گیا۔

امام مسلمؒ نے ان سے ساڑھے پانچ سو سے زائد روایات لی ہیں۔

وفات: ۲۴۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۱)

***

(۱) سیر أعلام النبلاء: ١١/٣٩٤، تهذيب التهذيب: ١/٤٣١، دار الحديث القاهره، شذرات الذهب ٣/٢٢٦ دار ابن كثير.

محمد بن رافع

الإسم	محمد بن رافع بن أبي زيد القشيري النيسابوري.
الولادة	حول ١٧٠ هـ
المسكن	نيسابور.
الرتبة	ثقة، عابد.
الوفاة	٢٤٥هـ من الحادية عشرة.

حالات

امام مالکؒ کی وفات سے کچھ سال پہلے پیدا ہوئے، کثرت اسفار کی وجہ سے شیوخ کی تعداد اتنی زیادہ ہیں کہ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں "مالا یوصف کثرة"، اسی وجہ سے امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ خراسان میں وہ صدق اور کثرت رحلات علمیہ کے اعتبار سے اپنے زمانے کے شیخ ہیں، تاہم معن بن عیسی، سفیان بن عیینہ اور عبد الرزاق صنعانی رحمہم اللہ ان کے مشہور اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، امام ابن ماجہؒ کے سوا ارباب صحاح ستہ نے ان سے روایات لی ہیں۔

حافظ جعفر بن احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ رعب دار محدّث اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا، گھر کے صحن میں ایک درخت کے ساتھ ان کا مسند درس ہوتا تھا اور ان کے ارد گرد علماء حسب مراتب بیٹھے ہوتے تھے، اور امیر خراسان کی اولاد بھی ان کی مجلس میں ہوتی تھی، نہ تو کوئی بات کر سکتا تھا نہ کسی کو ہنسنے کی جرأت ہوتی یوں محسوس ہوتا جیسا کہ سب کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں، ایک دفعہ امیر وقت کے ایک خادم ہلکا سا ہنسے تو محمد بن رافع نے فوراً اپنی مجلس ختم کر دی، امیر خراسان کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اس خادم کو قتل کرنے کا حکم دیا لوگوں نے بڑی مشکل سے انہیں بچایا۔

ان کی خودداری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ خراسان کے امیر طاہر بن عبد اللہ نے ۵ ہزار درہم بھیجے تو انہوں نے انتہائی مفلس ہونے کے باوجود رد کر دئے، امام احمدؒ کے ساتھ ان کی اچھی دوستی تھی، امام مسلمؒ نے ان سے ۳۶۰ کے قریب رویات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۴۵ھ کو آپ انتقال کر گئے۔[1]

---

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٢/٢١٤، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال:٢٥/١٩٢، تقريب التهذيب: ٦٧١، مؤسسة الرسالة ناشرون.

محمد بن حاتم السمين

الإسم	محمد بن حاتم بن ميمون أبو عبدالله المروزي، البغدادي السمين.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	بغداد.
الرتبة	صدوق ربّما وهم.
الوفاة	٢٣٥هـ من العاشرة.

حالات

یہ اصل میں مرو کے تھے، لیکن بغداد میں رہائش پذیر ہوئے، ابن عیینہ، ابن علیہ اور وکیع بن جراح رحمہم اللہ کے تلامذہ میں سے ہیں، بھاری جسامت کے حامل تھے، لہذا ان کو سمین بھی کہتے ہیں، یہ امام مسلمؒ کے ان شیوخ میں سے ہیں جن پر بعض ائمہ نے کلام کیا ہے جیسے یحیٰ بن معینؒ نے انہیں "كذّاب" جبکہ عمرو بن علی الفلّاسؒ نے انہیں "ليس بشيء" کہا ہے، لیکن اکثر ائمہ جیسے امام دار قطنی، ابن عدی اور ابن حبّان رحمہم اللہ وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے انہیں "صدوق ربّما وهم" کہا ہے، حافظ ذہبیؒ نے مذکوہ ائمہ کی جرح کو دو معاصر کی چپقلش پر محمول کیا ہے۔

یحیٰ بن سعید القطانؒ روزانہ انہیں ۳۰ حدیثیں سنایا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تفسیر بھی لکھی تھی، امام مسلم نے ان سے ۲۰۰ کے قریب روایات لی ہیں۔

وفات: ۲۳۵ھ کو انتقال کر گئے۔(۱)

***

(۱) سيرأعلام النبلاء: ١١/٤٥٠، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٥/٢٠، تقريب التهذيب: ٦٦١، مؤسسة الرسالة ناشرون.

علي بن حجر السعدي

الاسم	ابو الحسن علي بن حجر بن اياس بن مقاتل السعدي المروزي
الشهرة	علي بن حجر السعدي
المسكن	بغداد، مرو
الرتبة	ثقة حافظ
الوفاة	٢٤٤ هـ

حالات

آپؒ نے طلب علمی میں بہت سے سفر کئے اور بغداد میں ایک عرصہ تک رہے، پھر مرو چلے گئے، فرماتے ہیں: جب میں عراق سے نکلا تو میری عمر تینتیس سال تھی تو میں نے دل میں سوچا اگر مجھے مزید تینتیس سال کی عمر مل گئی تو میں اس حدیث کے علم کو جو میں نے جمع کیا ہے دنیا میں پھیلا دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تینتیس سال اور بھی دیئے اور اس کے بعد تینتیس سال مزید دے دیئے (گویا کل عمر ننانوے سال ہو گئی، حافظ ذہبیؒ اس پر لکھتے ہیں کہ یہ تقریباً ہے ورنہ ننانوے سال پورے نہیں ہوئے تھے)۔

حافظ ابو بکر اعینؒ فرماتے ہیں: خراسان کے مشائخ تین حضرات ہیں، قتیبہ، علی بن حجر اور محمد بن مہران رازی رحمہم اللہ۔

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: یہ علم کے ذخیروں میں سے ایک تھے، ان سے متعدد شہروں اور علاقوں کے لوگوں نے علم حاصل کیا ہے، شاعر بھی تھے، علامہ ذہبیؒ نے ان کے بعض اشعار نقل کئے ہیں، امام مسلم نے ان سے ۱۸۸ روایات لی ہیں۔

وفات: ۲۴۴ھ میں انتقال ہوا اور اسی سال احمد بن منیعؒ وغیرہ حضرات محدثین کا بھی انتقال ہوا۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١١/٥٠٧، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٠/٣٥٥، تقريب التهذيب: ٥٤٩.

امام نسائی کے مکثر مشائخ

١. قتيبة بن سعيد

٢. محمد بن بن المثنى

٣. محمد بن بشار

٤. علي بن حجر السعدي

ان سب کے تفصیلی حالات گزر چکے ہیں۔

إسحاق بن راهويه

الإسم	إسحاق بن إبراهيم بن مخلد الحنظلي التميمي المروزي، نيسابوري.
الولادة	١٦١هـ
المسكن	نيسابور.
الرتبة	ثقه، حافظ، مجتهد.
الوفا	٢٣٨هـ من العاشرة.

حالات

خراسان کے شہر مرو میں آپ کی ولادت ہوئی، ان کے والد کو راہویہ اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کے والد کی پیدائش مکہ کے کسی راستے میں ہوئی، اسی سے آپ بھی مشہور ہوئے، کم عمری میں ہی طلب حدیث کیلئے نکلے، اس وقت جو معروف علمی مراکز تھے سب کے اسفار کیے، وکیع بن جراح اور سفیان بن عیینہ رحمہا اللہ ان کے مشہور اساتذہ میں آتے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ اور ابن معینؒ جیسے لوگوں نے بھی ان سے روایت لی ہیں، اور یہ وہی محدث ہیں جن کے مشورے پہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری لکھی۔

آپ کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے اور ان جہابذہ علماء و محدثین میں سے ہیں جنہوں نے نہ صرف علم حدیث کی بے بہا خدمات انجام دیں، بلکہ تفسیر وفقہ میں بھی دسترس حاصل تھی، غیر معمولی قوتِ حافظہ کے مالک تھے، امام احمد بن حنبلؒ ان کے علمی جالت شان کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عراق میں ان کی نظیر نہیں ہے، کبھی کہتے ہیں:"هو إمام من أئمة المسلمين" محمد بن اسلم طوسیؒ کہتے ہیں کہ اگر سفیان ثوریؒ بھی آج زندہ ہوتے تو وہ بھی اسحاق بن راہویہؒ کے محتاج ہوتے، ابن خزیمہؒ کہتے ہیں کہ اگر وہ تابعین کے زمانے میں ہوتے تو وہ لوگ بھی ان کے حفظ، علم اور فقاہت کا اقرار کرتے۔

ان کا حافظہ ضرب المثل تھا، خود کہتے ہیں کہ ستر ہزار حدیثیں ہر وقت میری نظر میں گردش کرتی ہیں، ان کے تلمیذ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ گیارہ ہزار حدیثیں ہمیں زبانی لکھوائیں، پھر کتاب کھول کر دیکھی گئی تو ایک حرف نہ زیادہ تھا نہ کم، خود کہتے ہیں کہ آج تک کوئی چیز ایسی نہیں جو میں نے سنی ہو اور یاد نہ ہو، یا یاد ہونے کے بعد بھول گیا ہو، ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں صرف زبانی سردِ اسانید پر تعجب نہیں ہے بلکہ اسانیدِ تفسیر اور اس کے الفاظ کے ضبط پر تعجب ہے جو کہ بہت ہی دشوار امر ہے۔

امام نسائیؒ نے سنن نسائی میں ان سے ۳۴۴ روایات نقل کی ہیں۔

وفات:۲۳۸ھ کو وفات ہوئی۔(۱)

---

(١) سيرأعلام النبلاء: ١١/٣٥٨، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال، ٢/٣٧٣.

سويد بن نصر المروزي

الإسم	سويد بن نصر بن سويد المروزي أبو الفضل الطوساني الشاه.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	مرو.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٤٠هـ من العاشرة.

حالات

یہ مرو کے علاقے طوسان کی طرف منسوب ہے، شاہ کے لقب سے مشہور تھے، عبد اللہ بن مبارکؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، اور ابن مبارکؒ کی کتب کے رواۃ میں ان کا شمار ہوتا ہے، ارباب کتب ستہ میں سے امام ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ نے ان سے روایات لی ہیں، امام نسائیؒ نے ان کی توثیق کی ہے، کہا جاتا ہے کہ شیخین رحمہما اللہ نے بھی ان سے روایت لی ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ صحیحین میں ہمیں ان کی کوئی روایت نہیں ملی، ہو سکتا ہے انہوں نے صحیحین سے خارج روایت کی ہو، نیز امام حاکمؒ نے مستدرک میں ان کے طریق سے روایات کی تخریج کی ہے۔

امام نسائیؒ نے ان سے سنن نسائی میں ۲۰۸ روایات نقل کی ہیں۔

۲۴۰ھ کو ۹۱ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١١/٤٠٨، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال:١٢/٢٧٢، تقريب التهذيب: ٣٢٩، مؤسسة الرسالة ناشرون.

أبو حفص الفلاس

الإسم	عمرو بن علي بن بحر بن كنيز أبو حفص الباهلي البصري الصيرفي الفلاس.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	بصرة.
الرتبة	ثقة، حافظ.
الوفاة	٢٤٩هـ من العاشرة.

حالات

یہ مشائخ تسعہ میں سے ہیں اور علم حدیث کے مشہور شاہسواروں میں سے ہیں، نامور محدّث بحر بن کنیزؒ کے پوتے ہیں، فلاس اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دراہم کا لین دین کرتا ہو جس کو صیرفی بھی کہا جاتا ہے، عمرو بن علی اس نسبت سے مشہور تو ہوئے، لیکن خود اس کی نفی کرتے تھے۔

قوی حافظے کے مالک تھے، علل حدیث میں بھی ان کو ملکہ حاصل تھا، بعض لوگوں نے ان کو علی بن مدینیؒ پر بھی ترجیح دی ہیں، ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ابن المدینیؒ سے بھی گہری نظر رکھتے تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کا کتاب سے حدیث سنانا اور زبانی سنانا برابر ہوتا تھا۔

ابو زرعہ رازیؒ فرماتے ہیں "كان من فرسان الحديث" یحیٰ بن سعید القطانؒ نے ایک دفعہ حدیث سنانے میں کچھ غلطی کی، لیکن کسی کو پتہ نہیں چلا، اگلے دن جب مجلس لگی جس میں علی بن مدینیؒ سمیت کئی محدثین حاضر تھے تو ابن القطانؒ نے عمرو بن علیؒ کو مخاطب کر کے کہا، کہ میں حدیث میں غلطی کرتا ہوں اور آپ مجلس میں موجود ہونے کے باوجود بھی اس غلطی کی نشاندہی نہیں کرتے؟

انہوں نے مسند کے علاوہ علل اور تاریخ میں بھی کتابیں لکھی تھی، علی بن مدینیؒ نے ان پر اور انہوں نے ابن مدینیؒ پر طعن کیا ہے، اس لیے محدثین نے اس طعن کی طرف التفات نہیں کیا اور اسے معاصرتی تعصب پر محمول کیا۔

کہتے ہیں ایک دفعہ میں ابو داود طیالسیؒ کی مجلس میں تھا تو انہوں نے حدیث سنائی، میں نے کہا شیخ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے تو انہوں نے کہا خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ، جب مجلس ختم ہوئی میں بازار جا

رہا تھا تو ان کی باندی نے کہا کہ شیخ بُلا رہے ہیں، جب میں ان کے پاس گیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ آپ کی بات ٹھیک تھی، میں نے ابھی اپنی کتاب میں دیکھا یہ حدیث نہیں ہے۔ امام نسائی نے ان سے تقریباً ۲۰۸ روایات کی تخریج کی ہیں۔

وفات: ۲۴۹ھ کو عسکر کے علاقے میں فوت ہوئے۔[1]

***

(۱) سیرأعلام النبلاء: ۱۱/٤٧٠، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ۲۲/۱٦۲، تقريب التهذيب: ٥٨٧، مؤسسة الرسالة ناشرون.

محمد بن عبدالأعلى الصنعاني

الإسم	محمد بن عبدالأعلى الصنعاني القيسي أبو عبدالله البصري.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	البصرة.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٤٥هـ من العاشرة.

حالات

یہ بصری محدث ہیں، سفیان ابن عیینہ، ابن علیّہ رحمہا اللہ اور ان کے طبقے کے لوگوں سے علم حدیث حاصل کیا، امام بخاریؒ کے علاوہ باقی اصحاب صحاح نے ان سے روایت کی ہے، حافظ ابوزرعہ اور ابو حاتم رازی رحمہااللہ نے انہیں ثقہ کہا ہے، امام نسائیؒ نے ان کی توثیق کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے شیوخ میں ذکر کیا ہے، اور ان کی اچھی تعریف کی ہے، سنن نسائی میں ان سے ۱۶۰ کے قریب روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۴۵ھ کو بصرہ میں فوت ہوئے۔[1] واللہ اعلم

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٥/٤٧٢، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٥/٥٨١، تقريب التهذيب: ٤٩١، دار الرشيد.

إسماعيل بن مسعود الجحدري

الإسم	إسماعيل بن مسعود أبو مسعود الجحدري.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	البصرة.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٤٨هـ من العاشرة.

حالات

یہ بھی بصرہ کے محدثین میں سے ہیں، صلت بن مسعودؒ کے بھائی ہیں، امام نسائیؒ نے ان کو ثقہ جبکہ ابو حاتم رازیؒ نے صدوق کہا ہے، اصحاب صحاح ستہ میں سے صرف امام نسائیؒ نے ان سے روایات لی ہیں، تقریباً ۱۴۷ روایات نقل کی ہیں، باقی ان کے تفصیلی حالات پر ہم مطلع نہ ہو سکے۔

وفات: ۲۴۸ھ کو وفات ہوئی۔[1]

***

(١) تهذيب الكمال:٣/١٩٥، مؤسسة الرسالة، تقريب التهذيب: ١١٠، دار الرشد.

الحارث بن مسكين

الإسم	الحارث بن مسكين بن محمد بن يوسف أبو عمرو مصري.
الولادة	١٥٤هـ.
المسكن	مصر.
الرتبة	ثقة، فقية.
الوفاة	٢٥٠هـ من العاشرة.

حالات

یہ مصر کے کبار محدثین میں شمار ہوتے ہیں، مالکی مذہب کے فقیہ اور مفتی بھی تھے، بڑی عمر میں علم حاصل کیا، سفیان بن عیینہ اور ابن وہب رحمہا اللہ وغیرہ حضرات کے شاگرد ہیں، امام مالکؒ کی زیارت کی تھی، لیکن اُن سے سماع ثابت نہیں ہے، امام مسلم اور ابو داود رحمہا اللہ نے ان سے روایات لی ہیں۔

بہت ہی زاہد اور پرہیز گار لوگوں میں سے تھے، امام احمد بن حنبلؒ بھی ان کی تعریف کرتے تھے، خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فقیہ، ثقہ اور ثبت تھے، محدث اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ حق گو اور جبل استقامت تھے، قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، مامون الرشید نے خلق قرآن کے مسئلہ میں عرصہ دراز تک بغداد کے جیل میں قید رکھا، جب متوکل کا دور آیا تو انہوں نے رہا کیا اور مصر کا قاضی القضاۃ مقرر کیا، انہوں نے اپنے قضاء کے دور میں بہت منصفانہ فیصلے کیے۔

یہ وہی حارث بن مسکینؒ ہیں جنہوں نے امام نسائیؒ کو اپنی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی تھی تو امام نسائیؒ ستون یا دیوار کے پیچھے اس طریقے سے بیٹھتے تھے کہ حارث کی نظر ان پہ نہ پڑتی اور ان کی احادیث سنا کرتے تھے، اسی لیے امام نسائیؒ جو بھی روایت ان سے نقل کرتے ہیں تو صیغہ تحدیث کے بجائے قراءۃ کا صیغہ استعمال کرتے ہیں، امام نسائیؒ نے ان سے ۱۴۰ روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۵۰ھ کو انتقال کر گئے۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٢٥/٥٤، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٨١/٥، تقريب التهذيب: ١٤٨، دار الرشد.

يعقوب بن إبراهيم الزهري

الإسم	يعقوب بن إبراهيم بن سعد أبو يوسف الزهري العوفي المدني
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	مدينة، بغداد.
الرتبة	ثقة فاضل.
الوفاة	٢٠٨هـ من صغار التاسعة.

حالات

یہ صحابی رسول حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی اولاد میں سے ہیں اس لیے ان کو عوفی کہا جاتا ہے، بغداد میں طویل عرصے تک مقیم رہے، یہ خود اور ان کا ایک بھائی سعد بن ابراہیمؒ دونوں ثقہ راوی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے والد ابراہیم بن سعدؒ بلند پائے کے مُحدّث تھے، خاص کر امام ابن شہاب زہریؒ کی روایات میں ائمہ نے ان کو ابن ابی ذئبؒ پر بھی ترجیح دی ہے، انہوں نے امام زہریؒ کی روایات خود امام زہریؒ سے بھی اور ان کے مشہور تلامذہ سے لینا شروع کیں تھیں، تو اس طرح ان کے پاس امام زہریؒ کی روایات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، پھر ابراہیم بن سعدؒ کی ساری روایات ان کے مذکورہ دونوں بیٹوں کی طرف منتقل ہوئی، چونکہ ان کے بھائی سعدؒ ان سے پہلے فوت ہوئے، اس لئے ابراہیمؒ کی روایات کا مدار ان کے یہ بیٹے یعنی یعقوب بن ابراہیمؒ سمجھے جاتے ہیں، ان کے علاوہ مغیرہ بن عبد الرحمنؒ اور عبد العزیز دراوردیؒ وغیرہ بھی ان کے اساتذہ میں سے ہیں۔

حافظ یحیٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ مغازی کی روایات میں نے یعقوبؒ سے سنی ہیں متعدد ائمہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، امام نسائیؒ نے ان سے ۱۱۵ روایات نقل کی ہیں۔[1]

وفات: ۲۰۸ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ٩/٤٩١، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٣٢/٣٠٨، تقريب التهذيب: ٦٠٧، دار الرشد.

محمد بن سلمة المرادي

الإسم	محمد بن سلمة بن عبدالله بن أبي فاطمة المرادي الجملي أبو الحارث المصري.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	مصر.
الرتبة	ثقة، ثبت.
الوفاة	٢٤٨هـ من الحادية عشرة.

حالات

یہ بھی مصر کے محدثین میں سے ایک ہیں، ان کے آباء کی عامر جمل نامی شخص کے ساتھ موالات تھی اس لئے ان کو جملی کہا جاتا ہے، امام بخاری اورامام ترمذی رحمہا اللہ کے علاوہ باقی اصحاب صحاح نے ان سے روایات لی ہیں، محدّث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے حارث بن مسکینؒ جب مصر کے قاضی بنے تو انہوں نے محمد بن سلمہ مرادیؒ کو ہی اپنا منشی اور کاتب مقرر کیا، ابوسعید بن یونسؒ کہتے ہیں کہ امام نسائیؒ نے ایک دفعہ ان کا ذکر کیا تو کہا "كان ثقةً ثقةً" اور سنن نسائی میں ان سے ۱۰۹ روایات نقل کی ہے۔

وفات: ۲۴۸ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔[1]

***

(١) الأنساب: ٣/٣٣١- تهذيب الكمال: ٢٥/٢٨٧، تقريب التهذيب: ٤٨١ دار الرشد.

محمد بن منصور الطوسي

الإسم	محمد بن منصور بن داؤد بن إبراهيم أبو جعفر الطوسي ثم البغدادي.
الولادة	١٦٥هـ او بعده بقليل
المسكن	طوس، بغداد.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٥٤هـ من صغار العاشرة.

حالات

طوس خراسان کا مشہور علاقہ ہے، اسکی طرف نسبت کی وجہ سے آپ کو طوسی کہا جاتا ہے، سفیان بن عیینہ، اسماعیل ابن علیہ اور یعقوب بن ابراہیم رحمہم اللہ کے شاگرد تھے، یہ نہ صرف حدیث کے امام تھے، بلکہ ان کی عبادت بھی کافی مشہور تھی، امام احمد بن حنبلؒ سے جب ان کے بارے میں پوچھا گیاتو کہا"لا أعلم إلّا خيراً، صاحب صلاة" ائمہ نے ان کو ثقہ تو کہاہی ہے ساتھ ساتھ ان کی کرامات بھی کافی معروف ہیں، ایک دفعہ ان کے پاس طلباء کی ایک جماعت تھی تو انہوں نے استاد سے پوچھا کہ آج کونسا دن ہے، کیونکہ لوگ شک میں ہیں، تو آپ گھر تشریف لے گئے کچھ دیر بعد باہر آئے اور کہا کہ یوم عرفہ ہے، جب لوگوں نے حساب لگانا شروع کیا تو واقعی یوم عرفہ ہی تھا، انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کہا کہ میں گھر چلا گیا اور رب سے سوال کرنے لگا کہ یارب آپ ہی بتادے تو اللہ نے مجھے میدان عرفہ دکھادیا جس میں لوگ جمع تھے۔

ان کا مشہور قول ہے کہ جاہل وہ ہے جس میں چار باتیں پائی جائیں، تھوڑی سی بات پر غصہ کرنا، راز کو فاش کرنا، ہر ایک پر اعتماد کرنا اور ایسے موقع پر بھی وعظ ونصیحت کرنا جس کا موقع نہ ہو، امام ابو داود اور نسائی رحمہما اللہ نے ان سے روایات لی ہیں، امام نسائیؒ نے ان سے تقریباً ۱۰۸ روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۵۴ھ کو ۸۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔[1]

---

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٢/٢١٢، مؤسسة الرسالة- تهذيب الكمال: ٢٦/٤٩٩، تقريب التهذيب: ٥٠٨.

هناد بن السريّ

الإسم	ابو السرى هناد بن السرى بن مصعب الحنظلى الدارمى التميمي الكوفي.
المسكن	الكوفة.
الشهرة	هناد بن السري.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٤٣هـ.

حالات

یہ اپنے زمانے کے ائمہ حدیث میں سے ہیں، عبادت وزہد میں بھی مشہور ہیں، عابد الکوفہ شیخ الکوفہ، راہب الکوفہ ان کے القاب ہیں، عمر بھر شادی نہیں کی علم وعبادت میں ہی مشغول رہے، کتاب الزہد کے مصنف بھی ہیں، قتیبہؒ فرماتے ہیں میں نے وکیعؒ کو جتنی تعظیم ہنادؒ کی کرتے دیکھا اور کسی کی اتنی تعظیم کرتے نہیں دیکھا، امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ کوفہ میں ہم کس سے حدیث لکھیں؟ تو فرمایا: "علیکم بهناد"، احمد بن سلمہ نیشاپوریؒ فرماتے ہیں ایک دفعہ ہمیں حدیث پڑھا کر فارغ ہوئے تو مسجد جا کر نصف النہار تک نوافل پڑھے پھر اپنے گھر تشریف لے گئے اور وضو فرما کر کچھ دیر بعد آئے اور ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی، پھر عصر تک نوافل پڑھے پھر عصر کی نماز پڑھائی اور مغرب تک قرآن مجید کی تلاوت کی، میں نے ایک ساتھ بیٹھے ہوئے شخص سے ان کی اس عبادت پر تعجب کا اظہار کیا تو وہ کہنے لگا، ان کا ستر سال سے یہی معمول ہے اور یہ ان کی دن کی عبادت ہے، اگر آپ ان کی رات کی عبادت دیکھتے تو اور بھی تعجب کرتے۔

یہ امام ترمذیؒ کے بھی بڑے اور مکثرین شیوخ میں سے ہیں، امام نسائیؒ نے ان سے ۷۴ کے قریب روایات لی ہیں۔

وفات: ۲۴۳ھ میں آپؒ کا انتقال ہوا۔[1]

---

(١) سير أعلام النبلاء: ١١/٤٦٥، تهذيب التهذيب: ٧/٤٢٢، دار الحديث القاهرة، شذرات الذهب: ٣/١٧٨، دار ابن كثير.

محمود بن غيلان

الإسم	أبو أحمد محمود بن غيلان القرشي العدوي المروزي.
الشهرة	محمود بن غيلان.
المسكن	مرو، بغداد.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٣٩ هـ.

حالات

یہ مرو کے رہنے والے مشہور محدّث ہیں، بغداد میں بھی رہے ہیں، حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم حدیث کے شہسواروں میں سے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: میں ان سے روایت حدیث کی بناء پر واقف ہوں، اھل سنت میں سے ہیں، قرآن مجید کی وجہ سے قید وبند کی صعوبت بھی اٹھائی ہے، امام ابوداودؒ کے علاوہ باقی سب ارباب صحاح ستہ کے استاد ہیں، خود فرماتے ہیں اسحاق بن راہویہؒ نے مجھ سے دو حدیثیں سنی ہیں، حج پر تشریف لے گئے تھے واپسی پر ۲۳۹ھ میں انتقال ہوا۔ امام نسائیؒ نے ان سے سنن نسائی میں ۷۲ رویات نقل کی ہیں۔[1]

وفات: ۲۳۹ ہجری کو دار بقاء کی طرف کوچ کر گئے۔

***

(١) سير أعلام النبلاء: ١١/٤٦٥، تهذيب التهذيب: ٦/٢٢٤، دار الحديث القاهره، شذرات الذهب: ٣/١٧٨، دار ابن كثير.

امام ابو داود کے مکثر مشائخ

١. عبدالله بن مسلمة القعنبي

٢. موسى بن إسماعيل التبوذكي

٣. محمد بن كثير

٤. محمد بن مثني البصري

٥. حفص بن عمر

٦. محمد بن العلاء الهمداني

٧. محمد بن بشار

٨. سليمان بن حرب

٩. هناد بن السري

ان سب کے تفصیلی حالات گذر چکے ہیں۔

مسدد بن مسرهد البصري

الإسم	مسدد بن مسرهد بن ماسك الدوسي الزهراني الأسدي.
السكن	بصرة، عراق.
الولادة	١٥٠هـ.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٢٨ هـ، من العاشرة.

حالات

حدیث کے مشہور ائمہ میں سے ہیں، بصری محدث ہیں، حماد بن زید، ابو عوانہ، یحی بن سعید القطان رحمہم اللہ وغیرہ کے شاگرد ہیں، امام مسلم اور ابن ماجہ رحمہما اللہ کے علاوہ ارباب کتب ستہ نے ان سے روایات لی ہیں، امام ابو داودؒ نے تو ان سے بہت کثرت سے روایت کی ہیں، تقریبا ۵۳۹ روایات اپنی سنن میں ان سے روایت کی ہیں۔

یحیٰی بن معینؒ نے یحی بن سعید القطانؒ سے مسددؒ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "اگر میں ان کے پاس آتا اور ان سے ان کے گھر میں حدیث سنتا، تو وہ اس کے لائق تھے"، جعفر بن عثمانؒ کہتے ہیں کہ میں نے یحی بن معینؒ سے پوچھا کہ بصرہ میں کس سے حدیث لکھوں؟ تو انہوں نے کہا کہ "اكتب عن مسدد، فإنه ثقة ثقة".

احمد بن عبد اللہ عجلیؒ کہتے ہیں کہ ابو نعیمؒ مجھ سے ان کا نام اور ان کے والد کا نام پوچھتے تھے تو جب میں نے انہیں بتایا تو مزاحاً فرمانے لگے یہ تو بچھو کے کاٹے کا دم ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کا اصل نام عبد الملک ہے مسدد ان کا لقب ہے لیکن یہ قول مرجوح ہے۔

وفات: ۲۲۸ھ کو بصرہ میں انتقال کر گئے۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٠/٥٩١،مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٧/٤٤٣، تقريب التهذيب: ٧٤٧ موسسة الرسالة ناشرون.

الإمام أحمد بن حنبل الشيبانی

الإسم	أبو عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الذهلي الشيباني.
المسكن	بغداد عراق.
الولادة	١٦٤هـ.
الرتبة	ثقة، حافظ، فقيه، حجة.
الوفاة	٢٤١ هـ من العاشرة.

حالات

امام احمد بن حنبلؒ کے نام سے کون ناواقف ہو گا، حدیث اور فقہ کے متفق علیہ امام ہیں، انہوں نے ۱۶۴ھ کو بغداد میں اس وقت آنکھ کھولی جب بغداد اسلامی دار الخلافۃ ہونے کے ساتھ ساتھ علوم وفنون کا مرکز بن چکا تھا، اگرچہ یتیمی کی حالت میں پرورش پائی، لیکن بچپن ہی سے حصول علم کی طرف متوجہ ہوئے، پندرہ سال کی عمر میں باقی علوم سے فارغ ہو کر حدیث کی طرف متوجہ ہو گئے، ابتداء میں ہشیم بن بشیرؒ سے مستفید ہوئے، اس کے بعد مختلف بلاد کا سفر کر کے وقت کے کبار علماء سے علم حاصل کیا، جن میں ابراہیم بن سعد، اسماعیل بن علیہ، سفیان بن عیینہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ شامل ہیں، آپ کو فقہ، علل اور حفظ حدیث میں خاص ملکہ حاصل تھا، جس کی گواہی نہ صرف ان کے معاصرین نے دی، بلکہ ان کے اساتذہ بھی اس کے معترف ہیں۔

امام شافعیؒ جو کہ ان کے اساتذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ تین لوگ زمانے کے عجائب میں سے ہیں پھر ان میں سے ایک امام احمدؒ کو ذکر کیا۔

عبد الرحمن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ کی روایات کو سب سے زیادہ جاننے والے امام احمدؒ ہیں، ایک دفعہ فرمایا:" ما نظرت إلى أحمد بن حنبل إلا تذكرت به سفيان الثوري".

اسحاق بن راہویہؒ کہتے ہیں کہ عراق میں ہماری، ابن معین اور امام احمد رحمہما اللہ کی مجلس ہوا کرتی تھی اور حدیث کے مختلف طرق کا مذاکرہ ہوتا تھا تو جب حدیث کی فہم، اس کی مراد اور تفسیر کی باری آتی تو ہم خاموش ہو جاتے تھے اور امام احمدؒ کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

مسند امام احمد ان کے علمی کارناموں کا ایسا شاہکار ہے جس کی تاریخ اسلام میں کوئی نظیر

نہیں، آپ کو اللہ تعالی نے صبر تحمل اور استقامت سے نوازا تھا، خلق قرآن کے مسئلے میں قید و بند کی وہ صعوبتیں برداشت کیں جس میں بڑے بڑے لوگوں کا تحمل جواب دے گیا تھا، مگر آپ ایک لمحے کیلئے حق بات سے پیچھے نہ ہٹے۔

دیگر محدثین کی طرح امام ابو داودؒ بھی ان کے بڑے معتقد تھے اور اکثر مسائل میں ان کی تقلید کیا کرتے تھے، اپنی سنن میں ان سے تقریبا ۲۲۹ روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۴۱ھ کو آپ انتقال کر گئے۔[1]

***

(۱) سیرأعلام النبلاء: ۱۱/۱۷۷، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ۱/۴۳۷، تقريب التهذيب: ۴۹، موسسة الرسالة ناشرون -

عثمان ابن أبي شيبة

الإسم	عثمان بن أبي شيبة إبراهيم الحوشي العبسي الكوفي.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	الكوفة.
الرتبة	ثقة، حافظ.
الوفاة	٢٢٩هـ من العاشرة.

حالات

یہ مشہور محدّث مصنّف امام ابو بکر ابن ابی شیبہؒ کے بھائی ہیں، علم حدیث میں ویسے ہی مقام کے حامل تھے جیسا ان کے بھائی ابو بکرؒ کا تھا، انہوں نے بھی مسند اور تفسیر لکھی تھی، دونوں کے پاس طلباء علوم حدیث کے بڑے بڑے حلقے لگتے تھے، جریر بن عبد الحمید، ہشیم بن بشیر، سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں، امام نسائی اور ترمذی رحمہما اللہ کے علاوہ باقی ارباب صحاح ستہ نے ان سے روایات لی ہیں۔

امام احمدؒ سے کسی نے ان کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ میں ان کے بارے میں خیر کے سواء کچھ نہیں جانتا، عبد اللہ بن نمیرؒ سے کسی نے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے تعجب سے کہا! سبحان اللہ ان جیسے شخص کے بارے میں تم مجھ سے سوال کرتے ہو؟ وہ تو وہ ہیں جن سے ہم جیسوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔ ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ابو بکر بن ابی شیبہؒ سے بھی آگے ہیں، بس فرق یہ ہے کہ ابو بکر بن ابی شیبہؒ لکھا کرتے تھے، جب کہ وہ اس اہتمام سے نہیں لکھتے تھے۔

وہ بہت خوش مزاج انسان تھے دوران درس طلباء کے ساتھ مزاح بھی کثرت سے فرماتے تھے، ایک دفعہ تفسیر کا درس دیتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے "وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ" تو "وما علمتم من الخوارج" پڑھی۔ امام ابو داودؒ نے ان سے ۲۸۲ روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۳۹ھ کا آپؒ کا انتقال ہوا۔[1]

---

(١) سير أعلام النبلاء: ١١/١٥١، مؤسسة الرسالة. تهذيب الكمال، تقريب التهذيب: ٥٢٦ مؤسسة الرسالة ناشرون.

أحمد بن صالح المصري

الإسم	أحمد بن صالح أبو جعفر المصري المعروف بابن الطبري.
الولادة	١٧٠هـ.
المسكن	مصر.
الرتبة	ثقه حافظ.
الوفا	٢٤٨هـ من العاشرة.

حالات

یہ ابن الطبری سے معروف ہیں اصلاً طبرستان کے تھے، ان کے والد سپاہی تھے، لیکن مصر میں رہائش پذیر ہوئے، ان کو حافظ مصر کہا جاتا ہے، ابن وہب اور عبد الرزاق رحمہا اللہ سے کثرت سے روایت کرتے تھے اور ابن وہبؒ کے اثبت ترین شاگرد تھے، قراءت میں بھی بڑے ماہر تھے، حافظ ذہبیؒ نے قراء کے چھٹے طبقے میں ان کو ذکر کیا ہے، ان کی جلالت شان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام بخاری، احمد بن حنبل، علی بن مدینی، ابوزرعہ رازی رحمہم اللہ جیسے حضرات بھی ان کی امامت کے معترف تھے، امام احمد بن حنبلؒ ان کی کافی تعظیم کرتے تھے اور بطور مذاکرہ کئی روایات ان سے لکھی، ابو نعیمؒ کہتے ہیں کہ اہل حجاز کی احادیث جاننے والوں میں سے اس نوجوان جیسا میں نے کسی کو نہیں دیکھا، کہتے ہیں کہ محمد بن حسن بن زبالہ سے میں نے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں پھر جیسے ہی مجھے علم ہوا کہ وہ حدیثیں گھڑتا ہے تو میں نے اس کی احادیث ترک کر دیں۔

کبار ائمہ نے نہ صرف ان کی تعریف کی ہیں، بلکہ ان سے روایات بھی لی ہیں سوائے امام نسائیؒ کے کہ وہ ان پر کلام کرتے تھے، لیکن اکثر ائمہ نے امام نسائیؒ کے کلام کو نظر انداز کیا ہے، اس لئے کہ ان کے کلام کی وجہ صرف احمد بن صالح کا تکبّرانہ رویّہ تھا، ایک دفعہ مصر کے جامع مسجد میں حرملہ بن یحیٰؒ تشریف فرما تھے تو احمد بن صالحؒ ان کے پاس سے گزرے، لیکن سلام نہیں کیا تو حرملہ بن یحیٰؒ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان کو تو ذرا دیکھو! کل تک میری سیاہی میرے ساتھ اٹھایا کرتا تھا، آج سلام تک بھی نہیں کرتے، اس طرح کے بعض دیگر واقعات جن میں بظاہر ان کا رویّہ تکبرانہ معلوم ہوتا ہے، یحیٰ بن معینؒ نے احمدؒ کو کذّاب کہا ہے، لیکن ائمہ نے اس کی تعیین کی ہے کہ احمد سے مراد مذکورہ احمد نہیں

ہے، بلکہ وہ دوسرا شخص ہے جو شموشی سے مشہور ہے، آپ صرف داڑھی والوں کو درس حدیث دیتے تھے اور بے ریش کو اپنی مجلس میں نہیں چھوڑتے تھے۔

مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں قدرے متشدد تھے یہاں تک کہتے تھے اگر کوئی "لفظ بالقرآن مخلوق" کہے وہ بھی کافر ہے اور جو شک کی بناء پر اس مسئلے میں خاموش ہو جائے، وہ بھی کافر ہے، ان کے حالات کافی مفصل ہیں، یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

امام ابو داودؒ نے ان سے ۱۵۰ کے قریب روایات لی ہیں۔

وفات: ۲۴۸ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔[1]

***

(۱) سیرأعلام النبلاء: ۱۲/۱٦۰، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ۳٤۰، تقريب التهذيب: ٤٤، موسسة الرسالة ناشرون.

أبو جعفر النفيلي

الإسم	عبدالله بن محمد بن علي بن نفيل أبو جعفر القضاعي النفيل الحَرَّاني.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	جزيرة، حرَّان.
الرتبة	ثقة حافظ.
الوفاة	٢٣٤هـ من كبار العاشرة.

حالات

حرّان جزیرہ کا ایک علاقہ ہے اس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ان کو حرّانی کہتے ہیں، امام مالک، ابن مبارک اور سفیان ابن عیینہ رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں، اور حافظ ذہلی، ابوزرعہ رازی و ابو حاتم رازی رحمہم اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں، امام مسلمؒ کے سوا تمام اُصحاب صحاح نے ان سے حدیث لیں۔

یہ اپنے زمانے میں نہ صرف جزیرہ کے سب سے بڑے محدّث تھے، بلکہ دنیا کے کبار محدثین میں ان کا شمار ہوتا تھا، امام اَحمد بن حنبل اور ابن معین رحمہما اللہ ان کی کافی تعریف کیا کرتے تھے، ابو احمد شاکرؒ کہتے ہیں کہ ہشیمؒ کی حیات میں لوگوں نے ان سے حدیثیں لیں، حالانکہ یہ ہشیمؒ کے شاگرد تھے، ابن وارۃؒ کہتے ہیں کہ ارکانِ دین چار ہیں، مصر میں احمد بن صالحؒ، بغداد میں ابن حنبلؒ، کوفہ میں ابن نمیرؒ اور حرِان میں نفیلیؒ، امام احمدؒ یہاں تک کہتے تھے کہ وہ اس بات کا اہل ہیں کہ ان کو مقتدیٰ بنایا جائے۔

امام ابو داودؒ بھی ان کے بڑے معتقد تھے، کہتے تھے کہ میں نے ان کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی جب بھی حدیث سناتے تھے تو حفظ سے سناتے تھے، ان سے ۱۴۲ رویات سنن ابی داود میں نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۳۴ھ کو آپؒ کی وفات ہوئی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلا ء: ١٠/٦٣٤، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ١٦/٨٨، تقريب التهذيب: ٤٢٦، موسسة الرسالة ناشرون.

حسن بن علي الحلواني

الإسم	أبو محمد حسن بن علي بن محمد بن علي الخَلّال الحلواني.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	مكة.
الرتبة	
الوفاة	٢٤٣هـ من الحادية عشرة.

حالات

یہ عراق کے آخری حدود میں ایک علاقہ حلوان کی طرف منسوب ہیں، اسی لیے ان کو حلوانی کہتے ہیں، لیکن مکہ میں رہائش پذیر ہوئے، بلند پائے کے محدّث ہیں، امام نسائیؒ کے سوا باقی اصحاب صحاح نے ان سے روایات لی ہیں، حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: رَحَلَ فاكثر وصَنَّف وتعب فى هذاالعلم، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مصنف بھی لکھی، ابراہیم بن آدمؒ کہتے ہیں کہ دنیا میں تین ہی لوگ اس فن کے رہ گئے: خراسان میں ذہلیؒ، اصبہان میں ابن الفراتؒ، مکہ میں حلوانیؒ، امام احمدؒ ان کی تعریف نہیں کرتے تھے کہتے تھے کہ وہ نہ تو طلب حدیث میں معروف ہیں نہ کبھی میں نے ان کو علم حدیث باقاعدہ حاصل کرتے ہوئے دیکھا ہے اور فرماتے تھے کہ مجھے اس کی نسبت بعض ایسی باتیں پہنچی ہے جن کو میں ناپسند کرتا ہوں، خطیب بغدادیؒ نے اس ناپسندیدہ بات کی تعیین کی ہے کہ ان کی طرف منسوب تھا کہ جو خلق قرآن کے مسئلے میں توقف کرے وہ کافر نہیں ہے، حالانکہ خطیب بغدادیؒ نے سنداً ان کا قول نقل کیا ہے: "القرآن كلام الله غير مخلوقٍ". باقی اکثر ائمہ رجال نے ان کی توثیق اور تثبیت کی ہیں، انہوں نے سنن بھی لکھی۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے ساتھ علم رجال میں بھی ماہر تھے، اگرچہ رجال پر باقاعدہ کلام نہیں کرتے تھے، ان سے ۳۲ روایات سنن ابی داود میں ان سے نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۴۳ھ کو آپؒ کی وفات ہوئی۔[1]

---

(١) سيرأعلام النبلاء: ١١/٣٤٤، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٦/٢٥٩، تقريب التهذيب: ١٧٩، موسسة الرسالة ناشرون.

مسلم بن إبراهيم الفراهيدي

الإسم	أبو عمرو مسلم بن إبراهيم الفراهيدي الأزدي النصري القَصَّاب.
الولادة	١٣٠هـ
المسكن	بصرة.
الرتبة	ثقة، مامون، مكثر
الوفاة	٢٢٢هـ من صغار التاسعة.

حالات

ان کو مسند بصرہ بھی کہا جاتا ہے، قرۃ بن خالد، ہشام دستوائی اور شعبہ رحمہم اللہ جیسے حضرات سے ان کو شرف تلمّذ حاصل ہے، امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کسی محدّث کی طرف سفر نہیں کیا پھر بھی ایک ہزار شیوخ سے روایت لی، اَصحاب شیوخ (یعنی جس کے شیوخ زیادہ ہوں) میں ان کا شمار ہوتا ہے، خود کہتے ہیں کہ آٹھ سولوگوں سے میں نے حدیث سنی اور پل تک پار نہیں کیا، ہشام اور قرّہ رحمہما اللہ کی اَحادیث ایسی یاد تھی کہ سورۃ فاتحہ کی طرح فر فر سنایا کرتے تھے، کہتے ہیں ایک دفعہ میں شعبہؒ کے ساتھ اَحادیث کا مذاکرہ کر رہا تھا، تو شعبہؒ نے کہا "على سبيل المبالغة كِدْتَ تلقى أبا هريرة"، آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

امام ابو داودؒ کے بڑے شیوخ میں ان کا شمار ہوتا ہے، تقریبا ۱۰۸ کے قریب روایات ان سے نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۲۲ھ کو آپؒ کی وفات ہوئی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٠/٣١٤، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٧/٤٨٧، تقريب التهذيب: ٧٤٦ موسسة الرسالة ناشرون.

حفص بن عمر الحوضي

الإسم	حفص بن عمر بن الحارث الحوضي الأزدي النمري البصري.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	بصرة، حوض.
الرتبة	ثقة، ثبت.
الوفاة	٢٢٥هـ من كبار العاشرة.

حالات

یہ بصرہ کے ایک مشہور علاقے حوض کی طرف منسوب ہیں جس کی وجہ سے انہیں حوضی کہا جاتا ہے، حفّاظ حدیث میں سے ہیں، نہایت فصیح اللسان تھے، ایک دفعہ امام احمدؒ سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو تکرار کے ساتھ ان کی توثیق کرتے ہوئے کہا"ثبت ثبت متقفق لايؤخذ عليه حرف واحد" ایک لفظ بھی ان کے خلاف نہیں بولا جائے گا، علی بن مدینیؒ کہتے ہیں کہ اہلِ بصرہ کا دو لوگوں کی عدالت پر اجماع ہے عبداللہ بن رجاء اور حفص بن عمر الحوضی کی عدالت پر، شعبہؒ سے روایات سنی، بعض لوگ ان کا شمار وہب بن جریرؒ کے ساتھ کرتے تھے۔

امام ابو داودؒ نے ان سے ۹۸ روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۲۵ھ کو ان کی وفات ہوئی۔[1]

***

(١)سيرأعلام النبلاء: ١٠/٣٥٤، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٧/٢٦، تقريب التهذيب: ١١٢، دار الرشيد.

أحمد بن عمرو بن السرح

الإسم	أحمد بن عمرو بن عبدالله بن السرح الأموي مولاهم، الفقير المصري.
الولادة	١٧٠ هـ
المسكن	مصر.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٥٠هـ من العاشرة.

حالات

یہ نہ صرف محدّث تھے، بلکہ جلیل القدر فقہاء علماء میں شمار ہوتے تھے، عبد اللہ بن وہب، سعید بن آدم اور سفیان ابن عیینہ رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں، امام بخاری و ترمذی رحمہا اللہ کے علاوہ باقی اصحاب صحاح نے ان سے روایات لی ہیں، عبد اللہ بن وہبؒ کی جو موطأ تھی اس کی شرح بھی لکھی تھی، مصر کے فقہاء میں سے تھے، احمد بن صالح مصریؒ جیسے حضرات بھی ان کی تعریف کیا کرتے تھے، ابو سعید یونسؒ کہتے ہیں کہ "كان فقيها من الصالحين الأثبات".

امام ابو داودؒ نے ان سے تقریباً ۸۰ کے قریب روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۵۰ھ کو آپؒ نے وفات پائی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٢/٦٢، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ١/٤١٥، تقريب التهذيب: دار الرشيد.

محمد بن يحيى الذهلي

الإسم	محمد بن يحيى بن عبدالله بن خالد الذهلي النيسابوري أبو عبدالله.
الولادة	١٧٢هـ.
المسكن	نيسابور.
الرتبة	ثقة، حافظ، جليل
الوفاة	٢٥٨من الحادية عشرة.

حالات

خراسان نے اُمّت کو علم حدیث کی خدمت کیلئے جو رجال مہیّا کئے ہیں ان میں امام ذہلیؒ کا نام روشن ستارہ کی طرح چمکتا نظر آتا ہے، جو عالم اہلِ المشرق اور امام اہل الحدیث کے لقب سے جانے جاتے تھے، ابتداء ہی سے حصول علم کے حریص تھے، اس وقت کے تمام علمی مراکز کے اَسفار کر کے مختلف شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا، ابوداود طیالسی اور عبدالرزاق رحمہا اللہ ان کے مشہور اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

یہ وہ عظیم محدث ہیں جن کی جلالت علمی کا اعتراف امام احمد بن حنبل اور علی بن المدینی رحمہا اللہ جیسے حضرات بھی کرتے تھے، ایک دفعہ امام احمدؒ کی مجلس میں تشریف لے گئے تو امام احمدؒ احتراما ان کے لیے کھڑے ہوگئے اپنے پاس بٹھایا پھر اپنے بیٹوں اور تلامذہ کو ان سے حدیث لکھنے کا حکم دیا، صرف یہ نہیں، بلکہ جب بھی طلب علم کے لئے کوئی بصرہ جانے کا تذکرہ کرتا تو امام احمدؒ ان کو مشورہ دیتے کہ محمد بن یحیٰ کی ملازمت میں رہو، کیونکہ اس وقت محدثین میں امام زہریؒ کی احادیث کو ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے، کسی نے یحیٰ بن معینؒ سے پوچھا کہ آپ امام زہریؒ کے احادیث کو کیوں جمع نہیں کرتے تو کہا کہ اس کے لیے ذہلی کافی ہیں، انہوں نے زہریؒ کی اَحادیث کو منقح کر کے جمع کیا تھا اور تصنیف بھی کی تھی، اس لیے علی بن المدینیؒ ان کو وارث الزہری کہتے تھے، امام ابوداودؒ ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث جبکہ ابو حاتم رازیؒ ان کو "امام اہلِ زمانہ" کہتے تھے، بعض محدثین تو یہاں تک کہتے تھے کہ اگر کسی حدیث کو امام ذہلیؒ نہیں جانتے تو اس حدیث کی کوئی پرواہ نہ کرو، امام احمدؒ کے بڑے معتقد تھے، کہتے تھے کہ میں نے اپنے اور اپنے رب کے بیچ امام احمدؒ کو واسطہ بنایا ہے، خلق قرآن کے مسئلے

میں چونکہ امام احمدؒ کو بہت تکالیف پہنچی تھیں، تو اس پر کلام کو ناپسند کرتے تھے اور اس بارے میں متشدد تھے، حافظ ذہلیؒ بھی چونکہ امام احمدؒ کے معتقد تھے، اس لئے جب امام بخاریؒ کا اس بارے میں کلام کی خبر پہنچی تو سخت ناراض ہوئے اور لوگوں کو ان کی مجلس میں جانے سے منع کیا جس کا قصّہ مشہور ہے۔

امام ابو داودؒ نے ان سے ۱۷ روایات ان سے نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۵۸ھ کو آپ دار فانی سے رُخصت ہوئے۔(۱)

***

(۱) سيرأعلام النبلاء: ۱۲/۲۷۳، مؤسسة الرسالة. تهذيب الكمال: ۲۶/۶۱۸، تقريب التهذيب: ۷/۱۳۵، دار الرشيد، الأعلام، ۷/۱۳۵.

امام ترمذیؒ کے مکثر شیوخ

١- قتيبة بن سعيد

٢- محمد بن بشار

٣- محمود بن غيلان

٤- هناد بن السري

٥- أحمد بن منيع

٦- محمد بن العلاء

٧- علي بن حجر السعدي

٨- عبد بن حميد الكشي

٩- حسن بن على الحلوانى

١٠- محمد بن المثنى

١١- سويد بن نصر المروزى

ان سب کے تفصیلی حالات ماقبل میں گزر چکے ہیں۔

محمد بن يحيى بن أبي عمر العدني

الاسم	أبو عبدالله محمد بن يحيى بن ابى عمر العدني المكّي.
المسكن	عدن، مكة.
الولادة	ـــــــــ.
الرتبة	صدوق.
الوفاة	٢٤٣هـ.

حالات

یہ یمن کے شہر عدن کے رہنے والے تھے وہاں قاضی تھے پھر مکہ چلے گئے اور باقی عمر مکہ میں گزاری، سفیان بن عیینہؒ کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، خود کہتے ہیں کہ اٹھارہ سال ان کی خدمت میں رہا ہوں، مسند بھی تصنیف فرمائی، ستتر حج کئے اور ساٹھ سال طواف میں مشغول رہے یعنی زیادہ تر وقت طواف میں گزارتے تھے۔

ابو حاتم رازیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ نیک آدمی تھے، لیکن ان میں کچھ غفلت تھی۔

امام ترمذیؒ نے ان سے ۱۷۴ روایات نقل کی ہیں، نوے سال کی عمر میں مکہ میں ۲۳۴ھ میں انتقال ہوا۔[1]

***

(١) سير أعلام النبلاء: ١١/٤٨٣ موسسة الرسالة: تهذيب التهذيب: ٦/٥٤٧، دار الحديث القاهرة، شذرات الذهب: ٣/١٩٩ دار ابن حزم.

عبد الله الدارمي

الإسم	أبو محمد عبدالله بن عبد الرحمن بن فضل بن بهرام الدارمي التيمى السمرقندي.
الولادة	١٨٠هـ.
المسكن	سمرقند.
الرتبة	الحافظ صاحب المسند ثقة فاضل متقن.
الوفاة	٢٥٥ هـ، من الحادية عشرة.

حالات

۱۸۱ھ کو جس سال عبد اللہ بن مبارکؒ فوت ہوئے، اسی سال آپ کی پیدائش ہوئی، جعفر بن عون، یزد بن ہارون اور ابو عاصم رحمہم اللہ وغیرہ ان کے مشہور اساتذہ ہیں، محمد بن بشار، ابوزرعہ رازی و یحی ذہلی رحمہم اللہ ان کے تلامذہ میں داخل ہیں، بلند پائے کے محدث تھے، ان کی سنن آج بھی مشہور ہے، حفظ حدیث اور درایۃ حدیث کیساتھ ساتھ زہد و تقوی میں ضرب المثل تھے، حتی کہ ان کے زمانے کے کبار ائمہ حدیث بھی ان کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

عبد الصمد بن سلیمان بلخیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے ایک راوی کے متعلق پوچھا تو امام احمد نے کہا کہ دارمیؒ نے چونکہ اس کو ترک کیا ہے، اس لئے ہم نے بھی اس سے روایت لینا چھوڑ دیا، کیونکہ دارمیؒ تو امام ہیں، سمرقند کا ایک شخص امام احمدؒ کے سامنے ابو المنذر کی تعریف کرنے لگا تو امام احمدؒ فرمانے لگے کہ میں اسکو نہیں جانتا، پھر بطور تنبیہ اس سے پوچھا کہ کیا آپ کو دارمیؒ کا نہیں پتا؟ آپ کو چاہئے کہ ان سے استفادہ کریں، اور اس جملے "علیک بذاک السید" کو تین دفعہ دہرایا۔

محمد بن عبد اللہ بن مبارکؒ اہل خراسان کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ جب تک عبد الرحمن دارمیؒ آپ کے بیچ ہیں تو ان کے علاوہ کسی اور سے حدیث لینے میں مشغول نہ ہونا، ابو حاتم رازیؒ ان کو "إمام أهل زمانة" کہتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ امام بخاریؒ کو جب ان کی موت کی خبر پہنچی تو ان کے رخسار پر آنسو بہنے لگے اور ان کے غم پر مبنی اشعار کہنے لگے، راوی کہتا ہے کہ اس سے پہلے ہم نے کبھی بھی امام بخاریؒ کو شعر کہتے نہیں دیکھا تھا۔

علل حدیث کے فن میں امام ترمذیؒ کے اساتذہ میں سے ایک یہ بھی ہیں جن کا تذکرہ امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب العلل میں کیا ہے، امام ترمذیؒ نے ان سے ۶۲ رویات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۵۵ھ یوم الترویۃ کو آپ انتقال کر گئے۔[1]

***

(۱) سیرأعلام النبلاء: ۱۲/۲۲٤، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ۱۵/۲۱۰، تقريب التهذيب: ۳۱۱، دار الرشيد.

نصر بن علي بن نصر الجهضمي

الإسم	نصر بن على بن نصر بن على بن صحبان أبو عمرو جهضمى الأزدي، البصري.
الولادة	١٦٠هـ.
المسكن	بصرة.
الرتبة	ثقة ثبت.
الوفا	٢٥٠ هـ من العاشرة.

حالات

کبار ائمہ حدیث میں سے ہیں، مشائخ تسعہ میں سے ہیں، یعنی تمام اصحاب صحاح ستہ نے ان سے روایت لی ہیں، امام نسائی، ابو حاتم رازی سمیت کئی ائمہ نے ان کو ثقہ کہا ہے، عبد اللہ فرہیانی فرماتے ہیں:"هو عندي من نبلاء الناس"، ان کے دادا علی بن نصر بھی مشہور ثقہ محدث تھے۔

خلیفہ وقت متوکل باللہ نے ایک دفعہ ان کو سزا دینا چاہا، کیونکہ وہ ان کو رافضی گمان کرتے تھے پھر جب پتا چلا کہ یہ تو اہلسنت میں سے ہیں تو ارادہ ترک کر دیا۔

مستعین باللہ جب حکمران ہوئے تو انہوں نے نصر بن علی کو قاضی بنانا چاہا، اسی سلسلے میں امیر بصرہ نے ان کو بلایا تا کہ ان کو منصب قضاء سپرد کر دے تو انہوں نے اجازت چاہی کہ میں استخارہ کروں، اجازت لینے کے بعد گھر لوٹے دو رکعت پڑھی اور دعا مانگی کہ یارب اگر آپ کے ہاں میرے لیے خیر اور بھلائی ہے تو مجھے اپنے پاس بلالیں، کچھ دیر کیلئے آنکھ لگی لوگوں نے جب ان کو جگانا چاہا تو وہ نہ جاگ سکے بلکہ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔

وفات: ۲۵۰ھ کو آپ انتقال کر گئے۔[1]

---

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٢/١٣٣، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٩/٣٥٤، تقريب التهذيب: ٥٦١، دار الرشيد.

إسحاق بن موسى الخطمي

الإسم	إسحاق بن موسى بن عبدالله الكوفي الخطمي.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	كوفة.
الرتبة	ثقة متقن.
الوفاة	٢٤٤هـ، من العاشرة.

حالات

یہ انصار کے ایک قبیلہ جن کے جد امجد خطمۃ بن جشم بن مالک تھے، اس کی طرف منسوب ہیں جس کی وجہ سے انہیں خطمی کہا جاتا ہے، حافظ ذہبیؒ نے الفقیہ الحافظ امام الحدیث جیسے القاب سے ان کا ترجمہ قائم کیا ہے، اصل میں مدینہ کے تھے، کوفہ کو وطن بنا کر وہاں رہائش پذیر ہوئے، عبدالرحمن بن ابی حاتمؒ کہتے ہیں کہ میرے والد ابو حاتم رازیؒ ان کی تعریف میں بہت مبالغہ کرتے تھے، ان کے بیٹے بھی کبار أئمہ دین میں شمار ہوتے ہیں، دو دفعہ نیشاپور کے قاضی رہے ہیں، ائمہ ستہ میں سے امام بخاری اور ابوداود رحمہما اللہ کے سواء باقی أئمہ نے اُن سے روایات لی ہیں۔

وفات: ۲۴۴ھ کو آپؒ کی وفات ہوئی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١١/٥٥٤، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢/٤٨٠، تقريب التهذيب: ١٠٣، دار الرشيد.

سفیان بن وکیع

الإسم	سفيان بن وكيع بن الجراح الكوفي.
الولادة	ــــــــ.
المسكن	كوفة.
الرتبة	صدوق
الوفاة	٢٤٧هـ.

حالات

یہ مشہور محدث وکیع بن جراحؒ کے صاحبزادے ہیں، اسی لیے حافظ ذہبیؒ ان کا ترجمہ قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں "الحافظ ابن الحافظ وكيع بن جراح"، سفیان بن عیینہؒ اور یحی بن سعید القطانؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، کوفہ کے محدثین میں سے ہیں، ائمہ حدیث نے ان پر نقد کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کچھ ضعف تھا جس کی وجہ سے تلقین قبول کر لیا کرتے تھے، ان کا ایک ورّاق تھا جو ان کو تحدیث کے دوران تلقین کرتا تھا اور ان کی کتب میں ردو بدل کر دیتا تھا وہ اس کی تلقین کو قبول کر لیا کرتے تھے ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو مشورہ بھی دیا کہ اس ورّاق کو خود سے دور کرو صرف کتاب سے درس دیا کرو تو اب بھی آپ کے پاس طلباء آئیں گے، لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی، ابن مثالؒ فرماتے ہیں کہ وہ ورّاق کو اپنے پاس رکھنے پر مُصِر ہونے کی وجہ سے ترک کے مستحق ہوئے، ورنہ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ وہ کذب علی الرّسول کو اِثم عظیم سمجھتے تھے، لیکن دوسروں نے ان کا معاملہ خراب کر دیا، امام ترمذیؒ ان سے چنیدہ روایات لاتے ہیں جن کی صحت پر عموما ان کو اطمینان ہوتا ہے، صرف ترمذی وابن ماجہ رحمہما اللہ نے ان سے روایات لی ہیں، امام ترمذیؒ نے تقریبا ۵۳ روایات ان سے لی ہیں۔ ۲۴۷ھ کو وفات ہوئی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٢/١٥٢، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ١١/٢٠٠، تقريب التهذيب ٢٥٨، دار الرشيد.

إسحاق بن منصور الكوسج

الإسم	أبو يعقوب إسحاق بن منصور بن بهرام الكوسج التيمي المروزي.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	نيسابور.
الرتبة	ثقة ثبت.
الوفاة	٢٥١ هـ من الحادية عشرة.

حالات

یہ اصل میں مرو کے تھے، لیکن پرورش نیشاپور میں ہوئی اور وہیں پہ فوت بھی ہوئے، بڑے محدث تھے، امام ابو داودؒ کے سواسب ارباب صحاح نے ان سے روایات لی ہیں، نیز امام ابوزرعہ رازی اور ابو حاتم رازی رحمہا اللہ وغیرہ حضرات بھی ان کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، امام نسائیؒ نے ان کو "ثقة ثبت" جیسے اوصاف سے موصوف کیا ہے، خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ جلیل القدر محدث ہیں جو اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل رحمہا اللہ کے بعد لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے، کیونکہ وہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے۔

امام ترمذیؒ نے ان سے ۵۳ روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۵۱ھ کو بروز پیر نیشاپور میں آپ انتقال کر گئے۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٢/٢٥٨، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢/٤٧٤ تقريب التهذيب: ١٠٣، دار الرشيد.

امام ابن ماجہ کے مکثر مشائخ

١- أبو بكر بن ابي شيبه

٢- محمد بن بشار

٣- محمد بن يحي الذهلي

٤- محمد بن العلاء الهمداني

٥- نصر بن علي الجهضمي

٦- محمد بن المثنى

٧- أبو سعيد عبد الله بن سعيد الأشج

٨- إسحاق بن منصور الكوسج

٩- محمد بن عبدالله بن نمير

١٠- عثمان بن محمد بن أبي شيبة

ان سب کے تفصیلی حالات گزر چکے ہیں۔

علي بن محمد الكوفي

الإسم	علي بن إسحاق بن أبي شداد الكوفي الطنافسي القزويني.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	الكوفة، قزوين.
الرتبة	ثقة، عابدٌ.
الوفاة	٢٣٣هـ، من العاشرة.

حالات

یہ علاقہ قزوین کے مشہور محدثین میں سے ہیں، خالد بن محمد بن عبید اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ کے تلامذہ میں سے ہیں، ان کے ماموں یعلی بن عبیدؒ مشہور محدث تھے، صحاح کے رواۃ میں سے ہیں، اس لیے انہوں نے ان سے خوب علم حاصل کیا۔

ابو حاتم رازیؒ فرماتے تھے کہ وہ میرے نزدیک ابن ابی شیبہؒ سے بھی فضل اور صلاح کے اعتبار سے راجح ہے اگرچہ ابن ابی شیبہؒ حدیث اور فہم حدیث میں ان سے آگے ہیں، ابو یعلی خلیلیؒ کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے بھائی قزوین میں درس حدیث دیتے تھے، ان کا بہت بڑا محل تھا کبار محدثین ان کی طرف سفر کرتے تھے اگرچہ ان کی سند اتنی عالی نہیں تھی۔

امام ابن ماجہؒ کے علاقے کے تھے، اس لیے ابن ماجہؒ ان سے خوب مستفید ہوئے، ۴۸۳ احادیث ان سے لی ہیں، امام ابن ماجہؒ کے علاوہ مصنفینِ صحاح ستہ میں سے کسی نے ان سے روایت نہیں لی۔ ۲۳۳ھ کو جس سال ابن معینؒ کی وفات ہوئی آپؒ بھی اس سال انتقال کر گئے۔(۱)

***

(۱) سیرأعلام النبلاء: ١١/٤٦٠، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢١/١٢٠، تقريب التهذيب: ٤٠٥، دارالرشيد.

هشام بن عمّارة السلمي

الإسم	هشام بن عمّارة بن نُصير بن ميسرة أبو الوليد السلمى.
الولادة	١٥٣هـ.
المسكن	دمشق.
الرتبة	صدوق، مقرئ، كبر فصار يتلقن فحديثه القديم أصحُّ.
الوفاة	٢٤٥هـ من العاشرة.

حالات

دمشق کے مشہور محدثین میں سے ہیں امام مالک، مسلم زنجی رحمہما اللہ اور ان کے طبقے کے لوگوں سے روایت حاصل کرنے کا موقع ملا، علم قرأت ایوب بن تمیم اور ولید بن مسلم رحمہما اللہ سے حاصل کیا، اس لیے آپؒ نہ صرف محدث تھے، بلکہ علم قرأت کے بھی بڑے ماہر تھے، فصاحت وبلاغت کی ان پر انتہا تھی، دمشق کے مشہور خطیب تھے، بلکہ خطیب دمشق سے مشہور تھے، عبدان جوالقیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سترہ سال سے خطابت کر رہا ہوں، لیکن کبھی بھی میں نے خطبے کی تیاری نہیں کی، حالانکہ راوی کہتے ہیں ان جیسا خطیب میں نے زندگی میں نہیں دیکھا، ابوزرعہ رازیؒ کہتے ہیں کہ جس نے ہشامؒ سے حدیث حاصل نہیں کی تو سمجھو کہ وہ دس ہزار حدیثوں میں پیچھے ہے۔

امام مالکؒ کے ساتھ ان کا قصّہ مشہور ہے کہتے ہیں: جب میں پہلی بار ان کی مجلس میں شریک ہوا تو میں چھوٹا بچہ تھا، میں ان سے حدیث سنانے کا مطالبہ کرتا رہا، تو امام مالکؒ نے بچوں کی شرارت پر محمول کر کے اپنے خادم سے مجھے دُرے لگوائے، پھر میں اُن کے پاس آیا اور رو رہا تھا، امام مالکؒ نے پوچھا کہ مار کھانے کی وجہ سے رو رہے ہو تو میں نے کہا نہیں، بلکہ میں کافی پیسہ خرچ کر کے آپ سے حدیث سننے کیلئے دور سے آیا ہوں، آپ نے نہیں سنائی، اس لئے روتا ہوں، اس پر امام مالکؒ حدیث سنانے لگے، ابن ابی الحواریؒ کہتے ہیں کہ ہشامؒ جیسی شخصیت اس شہر میں ہو اور میں وہاں درس حدیث دوں تو مجھ پر واجب ہے کہ اپنی داڑھی کاٹ لوں، خوش مزاج انسان تھے اور مذاح کیا کرتے تھے، البتہ یہ کہ آخری عمر میں حافظہ میں تغیر آگیا تھا اور تلقین قبول کر لیا کرتے تھے، نیز ان کی طرف منسوب ہے کہ حدیث بیان کرنے پر اجرت بھی لیا کرتے تھے۔

وفات: ۲۴۵ھ کو آپؒ دمشق میں فوت ہوئے۔[1]

---

(١) سيرأعلام النبلاء: ١١/٤٢٠، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٤٢٣٠، تقريب التهذيب: ٥٧٣، دار الرشيد.

محمد بن الصباح الجرجرائي

الإسم	محمد بن الصبّاح بن سفيان بن أبي سفيان الجرجرائي أبوجعفر.
الولادة	ــــــــ.
المسكن	بغداد.
الرتبة	صدوق.
الوفاة	٢٤٠هـ من العاشرة.

حالات

جرجرایا بغداد اور واسط کے درمیان ایک علاقے کا نام ہے کئی محدثین اس کی طرف منسوب ہیں، ان میں ابو جعفر محمد بن صباحؒ بھی ہیں، امام ابو داودؒ نے بھی ان سے روایات لی ہیں، یحیٰ بن معینؒ نے ان کی توثیق کی ہے، کسی نے ان سے پوچھا ان کے پاس ایک کتاب ہے جس میں ابن عیینہؒ سے بہت سی روایات نقل کرتے ہے تو ابن معینؒ نے کہا کہ کوئی بات نہیں، ابوزرعہ رازیؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

امام ابن ماجہؒ نے ان سے تقریبا ایک سو سینتالیس روایات نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۴۰ھ کو آپؒ کی وفات ہوئی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٠/٦٧٢، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٥/٣٨٤، تقريب التهذيب: ٤٨٤.

محمد بن رمح التجيبي

الإسم	محمد بن رمح بن المهاجر أبو عبدالله التُجيبي المصري.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	مصر، تجيب.
الرتبة	ثقة، ثبت.
الوفاة	٢٤٢هـ من العاشرة.

حالات

تُجیب ایک قبیلہ ہے جو ایک عورت کے نام سے مشہور ہے، اس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے انہیں تُجیبی کہا جاتا ہے، لیث بن سعد، امام مالک، ابن لہیعہ رحمہم اللہ جیسے حضرات سے سماع حاصل ہے، غیر معمولی حفظ واتقان کے مالک تھے، لیکن کوئی علمی سفر ان کا مشہور نہیں ہے، امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن رُمحؒ نے ایک حدیث میں بھی غلطی نہیں کی، ایک جگہ فرمایا کہ اگر وہ امام مالکؒ سے روایت کرتے تو ضبط واتقان کے اعتبار سے امام مالکؒ سے نقل کرنے والوں کے پہلے طبقے میں ان کو ذکر کیا جاتا، سعید بن یونس کہتے ہیں:"ثقة ثبت في الحديث وكان أعلم الناس بأخبار البلد وفقهه".

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ میں حیران ہوں کہ امام بخاریؒ نے ان سے روایت کیوں نہیں لی، جبکہ وہ ان کی شرائط کا بہترین مصداق تھے، بلکہ وہ تو قتیبہ بن سعیدؒ سے بھی اَتقن تھے، امام ابن ماجہؒ نے سو سے زائد روایات ان سے نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۴۲ھ کو ان کی وفات ہوئی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء:٧/٤٩٨، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال:٢٥/٢٠٣، تقريب التهذيب: ٤٧٨ دارالرشد.

عبدالرّحمن بن إبراهيم الدحيم

الإسم	عبد الرّحمن ابن إبراهيم بن عمرو بن ميمون الدمشقي أبو سعيد المعروف بدحيم.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	شام.
الرتبة	ثقة، حافظ.
الوفاة	٢٤٥هـ من العاشرة.

حالات

شام کے نامور محدثین میں سے تھے، ولید بن مسلم اور سفیان بن عیینہ رحمہا اللہ سے روایات سُنی، دحیمؒ سے مشہور تھے، علل حدیث اور نقد رجال میں بھی دسترس حاصل تھی، حدیث میں ان کی معرفت کیلئے اتنا کافی ہے کہ حسن بن علی بن بحرؒ کہتے ہیں کہ دحیمؒ ایک دفعہ بغداد آئے تو میرے والد، امام احمد، ابن معین رحمہم اللہ وغیرہ ان کے سامنے ایسے بیٹھے تھے جیسے بچے کسی بڑے کے سامنے بیٹھتے ہوں، امام احمدؒ ان کو عاقل رکین کہتے تھے، امام ابوداودؒ فرماتے ہیں "دُحَيْمٌ حجة، لم يكن بدمشق في زمانه مثله"، بلکہ ابن عدیؒ تو اُنہیں حرملہؒ سے بھی اَوثق قرار دیتے تھے، فقہ میں امام اوزاعیؒ کے مسلک کی طرف زیادہ مائل تھے، ایک زمانے تک رملہ کے قاضی رہے، متوکل نے جب دمشق میں اپنا مشہور محل بنایا اور وہاں رہائش پذیر ہوئے تو دحیمؒ کے مقام و مرتبے کو جان گئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اُنہیں دیار مصر کا قاضی بنایا جائے، لیکن موت نے دحیمؒ کو مہلت نہیں دی، علّامہ خلیلیؒ فرماتے ہیں کہ متفقٌ علیہ حفاظ میں سے تھے، شام کے شیوخ انہی کے قول پر اعتماد کرتے تھے۔

امام ابن ماجہؒ نے سے ۸۸ رویات لی ہیں۔

وفات: ۲۴۵ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔[1]

---

(١) سيرأعلام النبلاء:١١/٥١٥، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال:١٦/٤٩٥، تقريب التهذيب:٣٣٥، دارالرشد.

سويد بن سعيد الهروي

الإسم	سويد بن سعيد بن سهل الهروي أبو محمد الحدثاني الأنباري.
الولادة	١٤٠هـ.
المسكن	أنبار،هرات، بغداد.
الرتبة	صدوق.
الوفاة	٢٤٠هـ من العاشرة.

حالات

عانہ اور انبار کے درمیان ایک علاقہ حدیثہ کے نام سے ہے، وہاں کے رہنے والے تھے، علی بن مہرؒ اور امام مالکؒ کے شاگرد ہیں اور علی بن مہرؒ سے کثرت سے روایت کرتے تھے، امام مسلمؒ نے بھی ان سے روایت لی ہے، امام احمدؒ سمیت بعض محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، البتہ یحیی بن معینؒ، علی بن مدینیؒ سمیت بعض محدثین نے ان پر جرح کی ہے، یحیی بن معینؒ کے سامنے سویدؒ کی یہ روایت بیان کی "من قال في ديننا برأيه فاقتلوه" تو ابن معینؒ نے کہا "ينبغي أن يبدأ بسويد فيُقتل"، ایک دفعہ فرمایا کہ اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہوتا تو نکلتا اور اس سے جنگ کرتا۔

کہا جاتا ہے کہ امام مالک کی مجلس میں نہیں، بلکہ دیوار کے پیچھے بیٹھ کر سنتے تھے، اس لیے امام مالکؒ کی مرویات میں ان کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، امام مسلمؒ سے کسی نے پوچھا کہ صحیح میں سویدؒ سے روایت لینے کی کیا ضرورت تھی تو کہا کہ پھر حفص بن میسرہؒ کا صحیفہ کس سے نقل کرتا، امام ابن ماجہؒ نے ان سے ۲۴۰ روایات لی ہیں۔

وفات: ۲۴۰ھ کو آپ انتقال کر گئے۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١١/٤١٠، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ١٢/٢٥٥، تقريب التهذيب: ٢٦٠، دارالرشد.

بكر بن خلف البصري

الإسم	بكر بن خلف أبو بشر البصري.
الولادة	ـــــــــ.
المسكن	بصرة.
الرتبة	صدوق.
الوفاة	٢٤٠هـ من العاشرة.

حالات

یہ بصری محدّث ہیں، روح بن عباد، سفیان بن عیینہ رحمہا اللہ کے تلامذہ میں سے ہیں، امام ابو داود اور ابن ماجہ نے ان سے روایات لی ہیں جبکہ امام بخاریؒ نے ان سے تعلیقًا روایت لی ہے۔

ابن معینؒ اورابو حاتم رازیؒ وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، عبید اللہ بن واصلؒ کہتے ہیں، کہ میں امام بخاریؒ کو دیکھتا تھا کہ وہ محمد بن محلبؒ کے پاس جا کر اَبو بِشرؒ کی احادیث لکھا کرتے تھے، تو میں سمجھتا تھا کہ شاید وہ فوت ہوگئے ایک دفعہ جب میں مکہ چلا گیا تو وہ حیات تھے تو میں ان کی صحبت میں مستقل رہنے لگا، امام ابو داودؒ کہتے ہیں کہ امام احمدؒ نے مجھے ان سے احادیث لکھنے کا حکم دیا تھا۔

امام ابن ماجہؒ نے ان سے ٦٥ روایات لی ہیں۔

وفات: ۲۴۵ھ کو آپؒ انتقال کر گئے۔(۱)

***

(١) سيرأعلام النبلاء:مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال:٤/٢٠٥، تقريب التهذيب: ١٢٦، دار الرشد.

يعقوب بن حميد المدني

الإسم	يعقوب بن حميد بن كاسب المدني نزيل مكة.
الولادة	----------
المسكن	المكة، المدينة.
الرتبة	صدوق، ربما وهم.
الوفاة	٢٤١هـ من العاشرة.

حالات

یہ اصلاً مدنی تھے مکہ میں ایک عرصے تک رہے، کثیر الروایۃ محدثین میں سے ہیں، لیکن ان کی غرائب ومناکیر بھی زیادہ ہیں، امام بخاریؒ فرماتے ہیں "لم نرى إلّا خيراً"، قاسم ابن مھدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے مصعبؒ سے کہا کہ مکہ میں کس سے حدیث لکھوں تو انہوں نے کہا"عليك بشيخنا يعقوب بن حميد"، ابوحاتم رازی اور امام نسائی رحمہما اللہ وغیرہ نے ان کی تضعیف کی ہے۔

حافظ ابن عدیؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں :"ان کی روایات میں کوئی حرج نہیں ہے، کثیر الحدیث ہونے کے ساتھ کثیر الغرائب بھی ہے، اس کی مسند جو انہوں نے ابواب کی ترتیب پر لکھی تھی، میں نے اپنے شیخ سے لکھی اس میں غرائب، نسخ اور احادیث عزیزۃ بھی تھی اور مدینہ کے بعض ایسے شیوخ کا بھی ذکر تھا جن سے سوائے ان کے کسی نے روایت نہیں کی۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک جگہ یعقوب بن ابراہیمؒ سے روایت لی ہے، لیکن باب کا نام ذکر کیے بغیر مطلق یعقوب کو ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے محدثین شدید اضطراب میں پڑ گئے کہ کیا وہ یعقوب مذکور ہے یا کوئی اور ہے، لیکن اکثر ائمہ نے کہا کہ یعقوب سے مراد یہی ہے۔

امام ابن ماجہؒ نے ان سے ٦٠ کے قریب روایات لی ہیں۔

وفات:۲۴۱ھ کو آپؒ کی وفات ہوئی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١١/١٥٨، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال، تقريب التهذيب: ٦٠٧، دار الرشد.

أبو حفص التُّجيبي

الإسم	حرملة بن يحي بن عبدالله أبو حفص التُّجيبي مولى بنى زملة المصري.
الولادة	١٦٦هـ.
المسكن	مصر.
الرتبة	صدوق.
الوفاة	٢٤٤هـ من الحادية عشرة.

حالات

مصر کے مشہور محدّث ہیں، امام شافعی اور ابن وہب رحمہا اللہ ان کے مشہور اساتذہ ہیں، ابن وہبؒ سے اس قدر روایات لیں جس کے متعلق احمد بن صالح مصریؒ کہتے ہیں: ابن وہبؒ نے ایک لاکھ بیس ہزار حدیثیں جمع کی تھی ان کی آدھی احادیث میرے پاس ہیں، جبکہ بعض کے پاس ساری ہیں، ائمہ فرماتے ہیں کہ بعض سے مراد حرملہ بن یحیٰؒ ہیں، ابن معینؒ کہتے ہیں کہ مصر میں کوئی شیخ ہے جس کے بارے میں "أعلم الناس بابن وهب" کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی کہ عبّاد جو اس وقت امیر تھا انہوں نے ابن وہب کو قاضی بنانا چاہا تو قضاء سے بچنے کے لیے ایک سال چند مہینے حرملہؒ کے گھر چھپ گئے تو ان سے علم حاصل کرنے کا خوب موقع ملا، یہی وجہ تھی کہ جب حرملہؒ بیمار ہوئے تو ابن وہبؒ ان کی عیادت کے لیے جایا کرتے تھے، البتہ حرملہؒ کے علمی اسفار کوئی خاص نہیں ہیں اس لیے ذہبیؒ کہتے ہیں اہل حجاز کی احادیث ان کے پاس نہیں تھی، البتہ ابو حاتم رازیؒ نے ان پر جرح کی ہے کہ "لا يحتجُّ به" فقہ میں امام شافعیؒ سے خوب مستفید ہوئے، امام شافعیؒ کی موت کے بعد کسی نے ان سے کہا کہ ان کی کتب کی فہرست نکال دیں، فہرست نکالنے کے بعد ان سے کہا گیا کہ ان میں سے کتنی آپ نے سنی ہیں تو کہا ۸، ۷ کتابیں میں نے سنی ہیں، اور امام شافعیؒ سے بالواسطہ وبلاواسطہ کل ۷۰ کے لگ بھگ کتب روایت کرتے تھے، امام ابن ماجہؒ نے ان سے ۵۰ کے قریب روایات لی ہیں۔

وفات: ۲۴۴ھ کو آپؒ کی وفات ہوئی۔[1]

---

(١) سيرأعلام النبلاء: ١١/٣٨٩، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٥/٥٤٨، تقريب التهذيب: ١٥٦، دارالرشد.

[مشائخ تسعہ]

(یعنی وہ حضرات جن سے صحاح ستہ کے تمام مؤلفین نے بلاواسطہ روایت کی ہے)

ایسے شیوخ جن سے صحاح ستہ میں شامل تمام کتب کے مؤلفین نے بلاواسطہ روایات نقل کی ہیں

ان کی تعداد ۹ ہیں:

١- محمد بن المثنى العنزي

٢- محمد بن بشار بندار

٣- محمد بن العلاء أبوكريب الهمداني

٤- عبد الله بن سعيد الأشج

٥- عمرو بن علي أبو حفص الفلاس

٦- نصر بن علي الجهضمي

ان سب کے تراجم گذر چکے ہیں۔

***

محمد بن معمر البحراني

الإسم	محمد بن معمر ربعي أبو عبدالله القيسي البصري البحراني.
الولادة	١٧٦هـ
المسكن	بصرة
الرتبة	صدوق.
الوفاة	٢٥١هـ من كبار الحادية عشرة

حالات

روح بن عبّاد، محمد بن کثیر عبدی رحمہا اللہ اور ان کے طبقے کے لوگوں سے مستفید ہوئے، مصنفین صحاح کے علاوہ ابو حاتم رازی امام بزار رحمہا اللہ وغیرہ نے بھی ان سے اَحادیث سُنی۔

امام دار قطنی کہتے ہیں کہ وہ بصرہ کے رہنے والے تھے اور یہی محدث ہیں جنہوں نے روح بن عبادہؒ سے تفسیر روایت کی، اور مسند بھی تصنیف کی تھی۔

اَئمہ حدیث نے ان کی توثیق کی ہے، امام نسائی، خطیب بغدادی اور ابن ماکولا رحمہا اللہ وغیرہ نے انہیں ثقہ کہا ہے، جبکہ امام ابو داود اور ابو حاتم رازی نے ان کو صدوق کہا ہے، امام بزارؒ فرماتے ہیں: "كان من خيار عبادالله" امام بخاریؒ نے تقریباً تین جبکہ امام مسلمؒ نے آٹھ روایات ان سے نقل کی ہیں۔

وفات: ۲۵۱ھ کو آپؒ کی وفات ہوئی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢٦/٤٨٥، تقريب التهذيب: ٥٠٨، دار الرشد.

زياد بن يحيى الحساني

الإسم	زياد بن يحى أبوالخطاب المصرى النكري الحساني
الولادة	_____.
المسكن	بصرة.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٥٤ هـ، من العاشرة.

حالات

یہ بصرہ کے رہنے والے مشہور ثقہ محدث ہیں، قبیلہ بنی نکرہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے انہیں نکری جاتا ہے، سفیان بن عیینہ، ابو داؤد طیالسی، معتمر بن سلیمان رحمہم اللہ وغیرہ کے شاگرد ہیں۔

اصحاب صحاح ستہ کے علاوہ بھی ایک بڑی جماعت نے ان سے روایات لی ہیں، امام نسائی اور ابو حاتم رحمہما اللہ سمیت کئی لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے، امام بخاریؒ نے ایک جبکہ امام مسلمؒ نے تقریبا چار روایات ان سے لی ہیں۔

وفات: ۲۵۴ھ کو آپ انتقال کر گئے۔(۱)

***

(۱) سيرأعلام النبلاء: مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ۹/۵۲۳، تقريب التهذيب: ۲۲۱، دار الرشد.

يعقوب بن إبراهيم الدورقي

الإسم	يعقوب بن إبراهيم بن كثير أبو يوسف العبدي القيس الدورقي.
الولادة	١٥٦هـ.
المسكن	بغداد.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٥٢هـ من العاشرة.

حالات

قبیلہ عبدالقیس کے ساتھ موالات ہونے کی وجہ سے انہیں عبدی کہا جاتا ہے، باقی دورقی سے زیادہ مشہور ہیں، لیث بن سعدؒ سے لقاء ثابت ہے، البتہ روایت کرنے کا موقع نہیں ملا، امام نسائیؒ نے ان سے بالواسطہ اور بلا واسطہ دونوں طرح روایات لی ہیں، أئمہ حدیث کی ایک کثیر تعداد نے ان سے احادیث لیں، کہا جاتا ہے کہ اُن سے سب سے آخری روایت کرنے والے شخص محمد بن مخلد ہیں، اور حیران کن بات یہ ہے کہ دونوں کی تاریخ وفات میں ۱۰۱ سال کا فرق ہے، یحیی بن معینؒ کے پاس ان کا آنا جانا ہوتا تھا، خطیب بغدادیؒ کہتے ہیں کہ ''كان ثقة حافظاً متقناً صنّف المسند'' ان کے بھائی احمد بن ابراہیم دورقیؒ بھی بڑے محدّث تھے، ابو حاتم رازیؒ نے انہیں صدوق، جبکہ دیگر أئمہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

وفات: ۲۵۲ھ کو ان کی وفات ہوئی۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٢/١٤١، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٣٢/٣١١، تقريب التهذيب: ٦٠٧، دارالرشد.

شيوخ الجماعة إلا البخاری:

إبراهيم بن سعيد الجوهري

الإسم	إبراهيم بن سعيد البغدادي الجوهري.
الولادة	_____.
المسكن	بغداد، طبرستان
الرتبة	ثقة، حافظ.
الوفاة	٢٥٣هـ من العاشرة.

حالات

یہ اصلاً طبرستان کے تھے، بغداد میں سکونت پذیر ہوئے، امام بخاریؒ کے علاوہ باقی تمام ائمہ نے ان سے تخریج کی ہے، مکثرین محدثین میں سے تھے، امام احمدؒ سے کسی نے ان کے متعلق پوچھا تو کہا: "كثير الكتاب كتب فأكثر"، خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے مسند بھی لکھی تھی، ایک دفعہ کسی نے ان سے ابو بکر صدیقؓ کی کسی روایت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اپنی باندی کو حکم دیا کہ میری فلاں کتاب کا تئیسواں جزء نکال لاؤ مسند أبي بكر کا، تو وہ شخص حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ صدیق اکبرؓ سے منقول صحیح روایات ۵۰ تک بھی نہیں پہنچی، آپ نے اتنے اجزاء پر مشتمل کتاب لکھی تو کہنے لگے میرے پاس جب کسی حدیث کی کم سے کم سو طرق نہ ہو تو میں خود کو اس حدیث میں یتیم سمجھتا ہوں، ان کے والد سعید کبار محدثین میں سے تھے، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ وہ حج پر تشریف لے گئے، تو چار سو محدثین کا وفد ان کے ساتھ تھا جن میں ہشیم اور اسماعیل بن عیّاش رحمہا اللہ جیسے حضرات بھی موجود تھے حجاج بن شاعر نے ان پر جرح کیا ہے کہ میں نے ابو نعیمؒ کی مجلس میں اس کو دیکھا کہ ابو نعیمؒ درس دے رہا تھا اور ابراہیمؒ سو رہے تھے، لیکن ذہبی وابن حجر رحمہا اللہ کہتے ہیں کہ ابن شاعر کی جرح قابل توجہ نہیں، کیونکہ وہ رافضی ہے، نیز ہو سکتا ہے وہ حدیث انہوں نے پہلے سے سن رکھی ہو۔

وفات: ۲۵۲ھ کو زربہ نامی علاقے میں سرحد پر پہرا دیتے ہوئے وفات ہوئی۔[1]

---

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٢/١٤٩، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال: ٢/٩٥، تقريب التهذيب: ٨٩، ط: دارالرشد.

شيوخ الجماعةإلا مسلم

١. أبو محمد يحيى بن عبد الله بن خالد الذهلي

ان کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

***

الحسن بن محمد الزعفراني

الإسم	الحسن محمد بن الصّباح الزعفراني أبو علي البغدادي.
الولادة	_____.
المسكن	بغداد، زعفرانية.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٥٩هـ من العاشرة.

حالات

بغداد کے بستیوں میں سے ایک بستی زعفرانیہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے انہیں زعفرانی کہا جاتا ہے، ذہین علماء میں سے تھے، امام شافعیؒ کے تلامذہ خاصہ میں سے تھے، کہتے کہ ایک دفعہ امام شافعیؒ ہمارے پاس تشریف لے آئے تو ہم حدیث کے طلباء ان کے پاس جمع ہو گئے، امام صاحب نے کہا کہ تم میں سے کوئی پڑھے تو کسی کو پڑھنے کی جرأت نہیں ہوئی، تو میں نے پڑھنا شروع کیا، جبکہ میں اس وقت سب سے کم عمر تھا، آج بھی مجھے اپنی جسارت پر حیرانگی ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ پہلی بار جب میں نے امام صاحب کے سامنے اس کی تصنیف "الرسالہ" پڑھا تو تعجب میں پوچھنے لگے کہ آپ عرب کے کس قبیلے سے ہیں؟ تو میں نے کہا تو میں نے کہا میں تو عرب نہیں ہوں میرا تعلق زعفرانیہ نامی علاقے سے ہے تو کہا کہ آپ اس قبیلے کے سردار ہو، ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے رواۃ میں سے ہیں، امام شافعیؒ کے پاس احمد بن حنبل اور ابو ثور رحمہما اللہ بھی حاضر ہوتے تھے، پھر بھی قرأت کی ذمہ داری آپ کی ہوتی تھی، کہا جاتا ہے کہ ان کی کئی تصنیفات بھی ہیں، حافظ عقیلیؒ کہتے ہیں: "ثقة من الثقات مشهور ولم يتكلم فيه أحدٌ" ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ اپنے زمانے میں سب سے زیادہ فصیح اللسان اور عربی میں مہارت رکھنے والے تھے، انہی علوم کی بناء پر امام شافعیؒ کے ہاں کتب کی قرات کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ آپؒ ۲۵۹ھ یا ۲۶۰ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔[1]

---

(١) سيرأعلام النبلاء:١٢/٢٦٢، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال:٦/٣١٠، تقريب التهذيب: ١٦٣، دار الرشد.

زيد بن أخزم

الإسم	زيد بن أخزم الطائي أبو طالب البصري.
الولادة	_____.
المسكن	بصرة.
الرتبة	ثقة، حافظ
الوفاة	٢٥٧هـ من الحادية عشرة.

حالات

یہ بصری محدث ہیں امام مسلمؒ کے سوا باقی سب نے ان سے روایت لی ہے یحیی بن سعید القطان اور ابن مہدی رحمہما اللہ وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا، متعدد ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے، اڑھائی سو ہجری کے دوران حبشیوں نے بصرہ میں داخل ہو کر حسن بن زید علوی کی قیادت میں جو غارت گیر کی اسی دوران ان کو بھی شہید کر دیا۔

وفات: آپؒ ۲۵۷ھ کو شہید ہوئے۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء: ١٢/٢٦٠، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال:١٠/٥، تقريب التهذيب: ٢٢١.

عبدة بن عبدالله الخزاعي الصفار

الإسم	عبدة بن عبدالله بن عبدة الخزاعي الصفّار.البصري الكوفي.
الولادة	_____.
المسكن	بصرة.
الرتبة	ثقة.
الوفاة	٢٥٨هـ من الحادية عشرة.

حالات

یہ اصلاً کوفی تھے البتہ بصرہ میں سکونت پذیر تھے،یحیی بن آدم، یزید بن ہارون رحمہا اللہ وغیرہ سے علم حاصل کیا، ائمہ ستہ سوائے امام مسلمؒ کے سب نے ان سے بلا واسطہ روایات لی ہیں، ان کے تفصیلی حالات پر ہم مطلع نہ ہو سکے، لیکن امام نسائی امام دار قطنی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ سمیت اکثر ائمہ محدثین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

وفات:۲۵۸ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔(۱)

***

(۱) تهذيب الكمال: ١٨/٥٣٧، تقريب التهذيب: ٣٦٩، دار الرشد.

محمد بن أبان البلخي

الإسم	محمد بن أبان بن وزير البلخي المعروف بحمدوية.
الولادة	_____.
المسكن	رئ
الرتبة	ثقة، حافظ.
الوفاة	٢٤٤هـ من العاشرة.

حالات

بلخ خراسان کا جو مشہور علاقہ تھا ان کی طرف نسبت کی وجہ سے بلخی کہا جاتا ہے، مشہور حافظ حدیث تھے، امام وکیع بن جراحؒ کے ساتھ ۱۷ سال تقریباً مستملی رہے، ان کے علاوہ اسماعیل بن علیہؒ وابن عیینہؒ سے بھی خوب استفادے کا موقع ملا، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ وکیعؒ کی مجلس میں ہمارے ساتھ ہوتے تھے میرے لیے بھی اپنے خط سے ایک کتاب لکھی صرف یہ نہیں، بلکہ عبد الرزاقؒ کی مجلس میں بھی ہم ساتھ ہوتے تھے۔

ایک دفعہ خراسان سے ایک شخص کوفہ آکر ابن ابی شیبہؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے محمد بن اَبانؒ کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ وہ نہیں آئے ہو سکتا ہے بعد میں آجائے تو ابن ابی شیبہؒ نے کہا کہ کاش وہ آجاتے تاکہ ہم بھی ان سے مستفید ہوتے، ابن حبّانؒ کہتے ہیں کہ "حسن المذاكرة، جمع وصَنَّفَ".

وفات: آپؒ ۲۴۴ھ کو انتقال کر گئے۔

***

شيوخ الجماعة إلا النسائي

١- الحسن بن علي الحلواني

ان کے حالات گزر چکے ہیں۔

***

أحمد بن سعيد الدارمي

الإسم	أحمد بن سعيد بن صخر الدّارمي أبو جعفر السرخسي النيسابوري.
الولادة	نيف وثمانين ومئة.
المسكن	سرخسي، نيسابور.
الرتبة	ثقة، حافظ.
الوفاة	٢٥٣هـ من الحادية عشرة.

حالات

یہ حفظ حدیث اور فہم حدیث دونوں میں مشہور تھے، حصول علم کے لیے کئی بلاد کا سفر کیا، نظر بن شمیل اور وہب بن جریر رحمہما اللہ جیسے حضرات سے احادیث سنی، خراسان کے امیر نے انہیں نیشاپور بلایا تاکہ درس حدیث دے سکے، ایک عرصے کے بعد انہیں سرخسی کا قاضی بنایا، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:"ما قدم علينا خراساني أفقه بدنا من أحمد بن سعيد الدارمي"، علل حدیث، رجال اور تاریخ میں عبور حاصل تھا، ابو عمرو مستملیؒ کہتے ہیں کہ ان کی حالت مرض میں ہم ان کے پاس چلے گئے تو ۱۰ ہزار درہم اور آٹے کے صدقے کی وصیّت کی، اور کہا کہ اگر میں مر گیا تو میرا غلام آزاد شمار ہو گا، انہیں ابوزرعہ اور ابن وارہ رحمہما اللہ جیسی شخصیات سے تشبیہ دی جاتی تھی، ۲۵۳ھ کو انتقال کر گئے۔[1]

***

(١) سيرأعلام النبلاء:١٢/٢٣٣، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال:١/٣١٤،تقريب التهذيب:٧٩، دار الرشد.

أحمد بن أبي بكر القرشي

الإسم	أحمد بن أبي القاسم بن الحارث بن زرارة القرشي الزهري المدني.
الولادة	١٥٠هـ.
المسكن	مدينة.
الرتبة	ثقه.
الوفاة	٢٤٢هـ من العاشرة.

حالات

یہ مدینہ کے فقہاء محدثین میں سے تھے، طویل عرصے تک امام مالکؒ کی صحبت میں رہے، علم الفقہ امام مالکؒ سے سیکھا اور موطأ بھی ان سے روایت کی، کہا جاتا ہے کہ موطأ کے راویوں میں سے آخری راوی ہیں، اپنے زمانے میں مدینہ کے علماء میں سب سے أفقہ شمار ہوتے تھے، بلکہ امام دار قطنیؒ تو انہیں موطأ میں یحیی بن بکیرؒ پر بھی مقدم مانتے تھے، زبیر بکارؒ کہتے ہیں، "هو فقيه المدينه غير مُدافع" مدینہ کے قاضی بھی رہے، امام نسائیؒ نے ان سے بالواسطہ روایت کی ہے۔

وفات: ۲۴۲ھ کو ۹۲ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔(۱)

***

(١) سيرأعلام النبلاء:١١/٤٣٦، مؤسسة الرسالة، تهذيب الكمال:١/٢٧٨، تقريب التهذيب:٧٨ دارالرشد.

شيوخ الجماعة إلا أبي داود

١. إسحاق بن منصور الكوسج

٢. محمود بن غيلان

ان دونوں کے تفصیلی حالات ماقبل میں ذکر کیئے جا چکے ہیں۔

شيخ الجماعة إلا الترمذي:

ایسے کسی راوی پر ہم مطلع نہ ہو سکے۔

شيخ الجماعة إلا ابن ماجة:

١. قتيبة بن سعيد بن جميل الثقفي

تمـــت بالـخيـــر

مصادر ومراجع

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف
	"ألف"	
١.	الإمام البخاري محدثا وفقيها	الدكتور الحسيني عبدالحميد
٢.	الإمام البخاري إمام الحفاظ والمحدثين	الدكتور تقي الدين ندوي
٣.	الأفاويق بتراجم البخاري والتعاليق	قاضي عبدالرحمن الهبكلي
٤.	الأمالي علو أبواب البخاري	نجار أبو عبدالله محمد بن عثمان
٥.	الأبواب والتراجم لصحيح البخاري	شيخ زكريا كاندهلوي
٦.	الإمام البخاري وفقه التراجم في صحيحه	نور الدين عتر
٧.	اتحاف السامع بمنهج الإمام مسلم في المسند الصحيح الجامع	نادر بن سعيد المبارك
٨.	الإمام أبو داود حياته وسننه	محمد بن لطفي الصباغ
٩.	الإمام النسائي ومنهجه في السنن	عبد الهادي بن محمد
١٠.	الإمام النسائي وكتابه المجتبى	عمر إيمان أبوبكر
١١.	الإمام الترمذي ومنهجه في الجامع	عداب محمود الهمش
١٢.	أبو جعفر الطحاوي وأثره في الحديث	عبدالمجيد محمود
١٣.	أبو داود الإمام الحافظ الفقيه	دكتور تقي الدين ندوي
١٤.	الإمام الترمذي والموازنة بين جامعه والصحيحين	نور الدين عتر
١٥.	الإمام الترمذي الحافظ الناقد فقيه السلف وجامع السنن	اياد خالد الطباع
١٦.	الإمام ابن ماجه وكتابه السنن	عبدالرشيد النعماني
١٧.	الإمام مالك ومنهجه في الموطأ	عبدالعظيم خليل
١٨.	الإمام مالك وعمله بالحديث من خلال كتابه الموطأ	محمد بن يحيى مبروك
١٩.	امام ابن ماجه اور علم حديث	عبدالرشيد نعماني رحمه الله
٢٠.	اصول حدیث کے بعض اہم مباحث	عبدالرشيد نعماني رحمه الله
٢١.	الاستذكار	ابن عبدالبر
٢٢.	اختصار علوم الحديث	ابن كثير
٢٣.	أوجز المسالك	شيخ زكريا كاندهلوي رحمه الله
٢٤.	الإيجاز للنوي	إإم نووي رحمه الله
٢٥.	الأئمة ستة تراجمهم ومصنفاتهم، مناهجهم وشروطهم	زيد عبدالوهاب بن عبدالعزيز
	"ب"	
٢٦.	بغية الراغب المتمني في ختم رواية	ابن سنى

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف
.٢٧	الباعث الحثيث	شيخ أحمد شاكر
	"ت"	
.٢٨	توضيح الأفكار	امير صنعاني رحمه الله
.٢٩	تقريب التهذيب	الحافظ ابن حجر رحمه الله
.٣٠	تهذيب الكمال	الحافظ مزي رحمه الله
.٣١	رسالة أبي داود إلى أهل مكة	امام أبو داؤد
.٣٢	تهذيب التهذيب	الحافظ ابن حجر رحمه الله
.٣٣	تذكرة الحفاظ للذهبي	الحافظ الذهبي رحمه الله
.٣٤	تاريخ بغداد	خطيب بغدادي رحمه الله
.٣٥	تغليق التعليق	الحافظ ابن حجر رحمه الله
.٣٦	التقييد والإيضاح	حافظ العراقي رحمه الله
.٣٧	تدريب الراوي للسيوطى	الحافظ السيوطي رحمه الله
.٣٨	التعريف بالإمام النسائي وإضاعة الحديثية في كتابه السنن	سعد بن زيدان البيعي
.٣٩	تنوير الحوالك	الحافظ السيوطي
.٤٠	ترتيب المدارك وتقريب المسالك	قاضي عياض
.٤١	تحقيق اسمى الصحيحين وجامع الترمذي	شيخ عبدالفتاح أبوغدة
.٤٢	ترجمان التراجم	علامة ابن رشيد البستي
.٤٣	التمهيد	ابن عبدالبر رحمه الله
	"ج"	
.٤٤	جامع الأصول	ابن الأثير الجزري
	"ح"	
.٤٥	الحديث والمحدثون	الدكتور محمد أبو زهو
.٤٦	**حديث وفہم حدیث**	**مولانا عبداللہ معروفی**
.٤٧	الحطة في ذكر الصحاح سته	نواب صديق حسن خان
.٤٨	حسن صحيح غريب عند الترمذي	مريم عنان محمد البرش
.٤٩	حجة الله البالغة	شاه ولي الله
.٥٠	رسالة وصل البلاغات الأربعة في الموطأ	ابن الصلاح
.٥١	حاشية قواعد في علوم الحديث للتهانوي	عبدالفتاح أبو غدة

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف
	"خ"	
٥٢.	خمس رسائل في علوم الحديث	بتحقيق عبدالفتاح أبو غدة
٥٣.	خصائص المسند	أبو موسى المديني رحمه الله
	"د"	
٥٤.	دراسة حسن صحيح في جامع الترمذي	نعمت الله الأعظمي
٥٥.	الديباج المذهب	ابن فرحون إبراهيم بن علي بن محمد
	"ر"	
٥٦.	الرسالة المستطرفة	محمد بن جعفر الكتاني
٥٧.	رسالة شرحتراجم أبواب البخاري	شاه ولي الله رحمه الله
٥٨.	الرواة الذين ترجم لهم النسائي في كتابه الضعفاء والمتروكين وأخرج لهم في سننه.	عواد خلف
	"س"	
٥٩.	السلسبيل في من تكلم فيه الترمذي بجرح أوتعديل	محمد بن عبدالله الشنقيطي
٦٠.	سير أعلام النبلاء	الحافظ الذهبي
٦١.	سنن ابن ماجة	الإمام ابن ماجه رحمه الله
٦٢.	سنن نسائي	الإمام النسائي رحمه الله
٦٣.	سنن ترمذي	الإمام الترمذي رحمه الله
٦٤.	سراج القاري	شيخ زكريا كاندهلوي رحمه الله
	"ش"	
٦٥.	الشذ الفياح	علامه أبناسي
٦٦.	شرح علل الترمذي	الحافظ ابن رجب حنبلي رحمه الله
٦٧.	شرح الزرقاني على موطأ مالك	الإمام الزرقاني رحمه الله
٦٨.	شرح معاني الآثار	الإمام الطحاوي رحمه الله
٦٩.	شروط الأئمة	الحافظ ابن منده رحمه الله
٧٠.	شروط الأئمة السته	الحافظ المقدسي رحمه الله
٧١.	شروط الأئمة الخمسه	الحافظ الحازمي رحمه الله
٧٢.	شرح التبصرة والتذكرة	الحافظ العراقي
٧٣.	شرح سنن ابن ماجه	الحافظ السيوطي رحمه الله

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف
	"ص"	
٧٤.	صحاح ستہ اور ان کے مصنفین	بلال عبدالحی حسنی ندوی
٧٥.	صحيح مسلم	الإمام مسلم رحمه الله
٧٦.	صيانة صحيح مسلم من الإخلال	الحافظ ابن الاصلاح
٧٧.	الصناعة الحديثية في كتاب شرح معاني الآثار.	خالد بن محمد محمود الشومان
	"ض"	
٧٨.	الضوء اللامع المبين عن مناهج المحدثين	أحمد محرم الشيخ ناجي
	"ع"	
٧٩.	عزالمعالي والمنازل لما في جامع الترمذي من الإسناد العالي والنازل	محمد أكمل الدين
٨٠.	عبقرية الإمام مسلم في ترتيب أحاديث سنده الصحيح	الدكتور حمزه عبدالله الميباري
	"ف"	
٨١.	فتح المغيث	الحافظ السخاوي
٨٢.	فيض الباري	أنور شاه كشميري
٨٣.	الفكر المنهجي عند المحدثين	الدكتور هام عبدالرحيم السعيد
٨٤.	فك أغراض البخاري المبهمة في الجمع بين الحديث ولترجمة	محمد بن منصور بن حماسه السجلماسي
٨٥.	في سبيل تأصل مناهج المحدثين	الدكتور صالح أحمد رضا
	"ك"	
٨٦.	الكشاف إصطلاحات الفنون	علي تهانوي
٨٧.	كتاب الأذكار	الإمام النووي
٨٨.	الكفاية في علم الرواية	خطيب بغدادي
٨٩.	كتاب العلل	الإمام ترمذي رحمه الله
٩٠.	الكشاف المبين عن مناهج المحدثين	الدكتور أحمد يوسف حلبيه
	"ل"	
٩١.	لسان الميزان	الحافظ ابن حجر
	"م"	
٩٢.	مناهج المحدثين العامة والخاصة	على نايف بقاعي
٩٣.	مقدمة صحيح مسلم	الإمام مسلم رحمه الله
٩٤.	مقدمة فتح الباري	الحافظ ابن حجر

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف
.٩٥	مقدمة جامع الأصول	ابن اثير رحمه الله
.٩٦	مقدمة لامع الدراري	رشيد احمد گنگوہیؒ
.٩٧	مقدمة فيض الباري	علامہ انور شاہ کشمیریؒ
.٩٨	مقدمة تحفة الأحوذي	عبد الرحمن مبارکپوریؒ
.٩٩	مقدمة فتح الملهم	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
.١٠٠	مقدمة إعلاء السنن	علامہ ظفر احمد عثمانیؒ
.١٠١	مناهج المحدثين	الدكتور سعد بن عبدالله الحميد
.١٠٢	المدخل في مناهج المحدثين الأسس والتطبيق	رفعت فوزي عبدالمطلب
.١٠٣	مناهج المحدثين العامة	نور الدين عتر
.١٠٤	مناهج المحدثين حدودها ومصادرها وغاياتها	نور الدين عتر
.١٠٥	منهج الإمام مسلم بن الحجاج في ذكر الأخبار المعللة من خلال كتابه المسند الصحيح.	عاشور دهني
.١٠٦	منهج الإمام مسلم في عرض الحديث المعلل في صحيحه	شيخ عوامه
.١٠٧	المدخل إلى سنن الإمام أبي داود	محمد محمدي نور ستاني
.١٠٨	ماسكت عنه الإمام أبو داود مما في اسناده ضعف.	محمد بن هادي المدخلي
.١٠٩	منهج الإمام الترمذي في حكم على الحديث بالحسن في الجامع	جامعه وهران الجزائر
.١١٠	منهج الإمام النسائي في سننه الكبرى والمجتبى منها	مشهور بن مرزوق بن محمد الحرازي
.١١١	منهج الإمام الترمذي في كتابه الجامع	عبدالعزيز أحمد العباد
.١١٢	منهج الإمام الترمذي في نقد الحديث النبوي	جامعه الأسكندرية
.١١٣	المجموع شرح المهذب	الإمام النووي
.١١٤	المدخل إلى موطأ لإمام مالك بن أنس	شيخ ابوعاصم
.١١٥	المدخل إلى موطأ مالك بن أنس	الطاهر الأزهر خذيري
.١١٦	منهج الإمام الطحاوي في دفع التعارض بين النصوص الشرعيه من خلال كتابه شرح مشكل الأثار	حسن بن عبدالحميد بن عبدالحكيم
.١١٧	محدثین کے علمی کارنامے	مولانا تقی الدین ندویؒ
.١١٨	محدثین عظام اور ان کی کتابوں کا تعارف	شیخ سلیم اللہ خان صاحبؒ
.١١٩	مقدمة ابن الصلاح	الحافظ ابن الصلاح رحمه الله
.١٢٠	محاسن الإصطلاح	الحافظ بلقيني رحمه الله

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف
.١٢١	مشارق الأنوار على صحاح الآثار	قاضي عياض
.١٢٢	المنهاج شرح صحيح مسلم	الإمام النووي
.١٢٣	مستدرك على الصحيحين	الحاكم أبو عبدالله النيسابوري
.١٢٤	المدخل إلى معرفة الإكليل	الحاكم أبو عبدالله النيسابوري
.١٢٥	معرفة علوم الحديث	الحاكم أبو عبدالله النيسابوري
.١٢٦	المحدث الفاصل	العلامة الرامهرمزي
.١٢٧	منحة المغيث	مولانا ادريس كاندهلويؒ
.١٢٨	مقدمة ابن خلدون	ابن خلدون رحمه الله
.١٢٩	موطأ	الإمام مالك رحمه الله
.١٣٠	المجتبى	الإمام النسائي رحمه الله
.١٣١	ميزان الاعتدال	الحافظ الذهبي رحمه الله
.١٣٢	مقدمة أماني الأخبار	محمد يوسف الكاندهلوي
.١٣٣	منهاج السنة	ابن تيميه رحمه الله
.١٣٤	المحاضرات في مناهج المحدثين	الدكتور فتح الرحمن
.١٣٥	المعين في معرفة مناهج المحدثين	خالد بن قاسم الردادي
.١٣٦	مناهج المحدثين في تقوية الأحاديث الحسنة والضعيف	مرتضى زين أحمد محمد
.١٣٧	المدخل إلى سنن النسائي	محمد محمدي نورستاني
.١٣٨	المدخل إلى سنن الإمام ابن ماجة	نور الدين بن عبد السلام
.١٣٩	منهج الإمام ابن ماجه	فاضل بن خلف الحماد
.١٤٠	مسمات منهج ابن ماجه في سننه	عائشه بنت فراج
.١٤١	المتواري على أبواب البخاري	علامه ناصر الدين ابن المنير
.١٤٢	مناسبات تراجم البخاري	ابن جماعة
.١٤٣	مناسبات أبواب صحيح البخاري بعضها لبعض	الحافظ البلقيني
.١٤٤	منهج الإمام مسلم في ترتيب كتابه الصحيح	ربيع بن هادي المدخلي
.١٤٥	المدخل الى صحيح مسلم بن الحجاج	محمد محمدي نورستاني
.١٤٦	منهج الإمام مسلم في نقد الرواة	صفا بنت خليل الصفدي
.١٤٧	منهج الإمام مسلم في صحيحه	أمين محمود
.١٤٨	منهج الإمام عبدالرحمن النسائي في الجرح والتعديل وجمع أقواله في الرجال	الدكتور قاسم علي سعد

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف
١٤٩.	ماتمس اليه الحاجة لم يطالع سنن ابن ماجة	عبد الرشيد النعماني
١٥٠.	منهج الإمام مالك في الموطأ	محمد بن محمد الحسن المورتاني
١٥١.	مناهج المحدثين	محمد بن التركى
١٥٢.	منهج الإمام البخاري في تصحيح الأحاديث والتعليلها	أبو بكر كافي
	"ن"	
١٥٣.	نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذكار	حافظ ابن حجر رحمه الله
١٥٤.	نخب الأفكار	العلامة بدر الدين العيني
١٥٥.	نثر الأزهار	أمين اوركزئي
١٥٦.	النكت	الحافظ الزركشي رحمه الله
١٥٧.	نزهة النظر بتوضيح نخبة الفكر	الحافظ ابن حجر رحمه الله
١٥٨.	النكت على مقدمة ابن الصلاح	الحافظ ابن حجر رحمه الله
١٥٩.	النكت الوفية	إبراهيم البقاعي
	"و"	
١٦٠.	الواضح في منهاج المحدثين	الدكتور ياسر شمالي